شیعہ مذہب
المعروف
فقہ جعفریہ
جلد دوم
مناظر اسلام حضرت مولانا محمد علی صاحب
مکتبہ نوریہ حسینیہ
بلال گنج، لاہور

عن علي عليه السلام قال حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم لحوم الحمر الأهلية
(الاستبصار جلد سوم ص ۱۴۲، الباب المتعہ)
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو
پالتو گدھے کا گوشت اور نکاح متعہ دونوں کو
حرام فرمادیا۔
فقہ جعفریہ
جلد دوم
مندرجات
کتاب النکاح
کتاب المتعہ
کتاب الحدود
کتاب الحظر والاباحۃ
تالیف، مناظر اسلام شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب
مکتبہ نوریہ حسینیہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور
فون ۲۲۷۲۲۸

نام کتاب ــــــ فقہ جعفریہ جلد دوم

مصنف:- - - - - محقق الاسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی

جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

کتابت--- راجہ محمد صدیق حضر کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

قیمت .... روپے

مطبع.......... حامد جمیل پرنٹرز لاہور

سن طباعت

اپریل ۱۹۸۹ء

ملاحظہ: فقہ جعفریہ جلد اوّل کے آخر میں دیئے جانے والے تعارف نامہ میں فقہ جعفریہ کی جلدوں کے مضامین کے متعلق دیا جانے والا خاکہ چونکہ قبل از کتابت تھا۔ اس لیے کتاب کی موجودہ ترتیب اس سے قطعی مختلف ہے۔

الانتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو قدوۃ السالکین حجۃ الواصلین
پیری و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ
اللہ علیہ سرکار کیلیانوالہ شریف اور نگہدارِ ناموسِ اصحابِ رسول
محبِ اولادِ بتول سپہرِ طریقت راہبرِ شریعت حضرت قبلہ
پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیب سجادہ کیلیانوالہ شریف
کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کے روحانی تصرف
نے ہر مشکل مقام پر میری مدد فرمائی۔

ان کے طفیل اللہ میری یہ سعی مقبول و مفید اور میرے لیے
ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین :

احقر العباد

محمد علی عفا اللہ عنہ

الاہداء

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین، میزبان مہمانان رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا **فضل الرحمٰن** صاحب ساکن مدینہ منورہ۔ خلف الرشید شیخ العرب والعجم حضرت قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع مدینہ طیبہ خلیفہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دعا سے فقیر نے اس کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد علی عفا عنہ

فہرست مضامین
فقہ جعفریہ جلد دوم

ہماری نئی علمی و تحقیقی پیش کش
الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازہ
دعا کے جواز پر قرآن و سنت کے دلائل
مصنفہ
قاری محمد طیب صاحب ۔ نبیرۂ مناظر اسلام علامہ محمد علی صاحب
مصنف
تحفہ جعفریہ
عقائد جعفریہ
فقہ جعفریہ
ناشر
مکتبہ نوریہ حسینیہ ۔ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

کتاب النکاح

کتاب النکاح

اس بحث میں ہم تین فصلیں لکھیں گے تاکہ نکاح اور اس کے متعلقات کی تفصیلی گفتگو ہو سکے فصل اول میں "حقیقت نکاح" موضوع ہوگا۔ پھر اسی ضمن میں شیعہ سنی اختلاف بمعہ حوالہ جات مذکور ہوگا۔ دوسری فصل میں اہل سنت اور اہل تشیع کی باہمی مناکحت کی بحث ہوگی۔ (انشاء اللہ) اور فصل سوم میں مسائل نکاح ہیں۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ

ہر دو مسلمان (جن میں ایک مرد اور دوسری عورت ہو) کہ جن کے مابین رشتۂ ازدواجیت کے انعقاد کی شرعی رکاوٹ نہ ہو خود وہ یا اُن کے ولی کم از کم

دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کریں۔ اور اس ایجاب و قبول میں کسی مقررہ میعاد کا دخل نہ ہو۔ عقد شرعی،، کہلاتا ہے۔ جس کے بعد مرد کی حیثیت خاوند کی اور عورت کی حیثیت اس کی زوجہ کی ہو جاتی ہے۔

اہل تشیع کا عقیدہ

مرد اور عورت آپس میں ایجاب و قبول کر لیں۔ تو عقد ہو گیا۔ دو گواہ ہوں تب بھی درست اور نہ ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر ایجاب و قبول مخصوص وقت تک کے لیے کیا۔ تو بھی عقد صحیح ہو گا۔ لیکن اس کو "عقد متعہ،، کہیں گے۔ اور اگر وقت و میعاد سے کوئی پابندی نہیں۔ تو بھی صحیح لیکن اس قسم کے نکاح کو "عقد دائمی" کہا جائے گا۔

زنا اور نکاح میں فرق ہونا چاہیئے

ایک مرد اور ایک عورت اگر تنہائی میں اپنی جنسی خواہشات پوری کرتے ہیں تو اس کی عام طور پر دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں کا پہلے سے عقد شرعی ہو چکا ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ وہ اس سے قبل "عقد شرعی،، کے بندھن سے آزاد ہیں۔ پہلی صورت میں نہ شرعاً جرم اور نہ عرفاً و عادتاً و عقلاً ناجائز، دوسری صورت میں اگرچہ باہمی رضامندی سے ہو یا اکراہ و جبر سے بہر حال شرعاً زنا ہے۔ اور عرفاً و عادتاً اس کو ناجائز و حرام کہا جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ دونوں صورتوں میں خواہشات نفسانیہ کی تکمیل ہے۔ پھر ایک کو واجب الحد اور دوسرے کو ادائیگی حق کیوں قرار دیا گیا؟ اگر سوچا جائے۔ تو حقیقت یوں سامنے آئے گی۔ کہ ان دونوں میں حد فاصل اور باہم امتیاز دینے والی اگر کوئی چیز ہے۔ تو وہ "شہادت،، اور پابندی وقت

سے آزادی،، ہی دو چیزیں ہیں۔

اسی لیے اگر دو گواہوں (شہادت) کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ایک مرد اور ایک عورت آپس میں ایجاب و قبول کریں۔ تو تنہائی میں وطی سے قبل دونوں ایسا کر سکتے ہیں۔ پھر اس پر کوئی لعن طعن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ "عقد،، ہو جانے کے بعد جو کچھ ہوا سو ہوا۔ یونہی اگر مخصوص وقت تک نکاح جائز ہو۔ تو پھر بھی ایسے جوڑے کو کسی قسم کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع کے طریقہ نکاح میں اور زنا میں کوئی خاص امتیاز نہیں۔ بلکہ صرف نیت ہی مابہ الامتیاز ہے۔ یعنی وطی اور بدمعاشی سے قبل دونوں نے نیتِ ایجاب و قبول کر لی۔ (جو ہو ہی جاتی ہے) تو کوئی جرم نہ ہوا۔ نہ گواہوں کی ضرورت اور نہ ہمیشہ کے لیے۔ بیوی بنانا ضروری۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کوئی شیعہ اس حقیقتِ نکاح کے پیش نظر نہ زانی ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کو زنا کی حد دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ جواب دعویٰ میں کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمارے نزدیک نہ گواہ ضروری۔ نہ علی الدوام زوجیت کی قید۔ اس لیے ہم دونوں نے گواہوں کے بغیر چند منٹوں کے لیے چند ٹکوں کے عوض ایجاب و قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا ہم زنا کے مرتکب نہیں ہوئے اس لیے اس کی حد ہم پر جاری نہیں ہو سکتی۔

یہ جو کچھ ہم نے لکھا محض عقلی صغریٰ کبریٰ بنا کر دلیل پیش نہیں کی۔ بلکہ اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک (پاکستان) میں بہت سے شہروں میں اسی قسم کے نکاح ہوتے ہیں۔ اور ان میں بننے والی بیویاں اپنی دوکانیں سجائے نت نئے خاوند کے انتظار میں گھڑیاں بسر کرتی ہیں۔ ان کو اس کاروبار کے لیے باقاعدہ لائسنس جاری ہوتے ہیں۔ جن میں ایک شرط یہ بھی لکھنا پڑتی ہے۔ کہ ہم اس دھندے کو اپنے مذہب میں جائز سمجھتی ہیں۔ تبھی تو

ان اڈوں کی رونق بننے والی کسی عورت کو حدِ زنا نہیں لگائی جاتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اہل تشیع کے نکاح اور زنا میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اگر ہو بھی تو بچ نکلنے کے بہانے موجود ہیں۔

ہم یہ بھی واضح کر دیتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ بغیر گواہوں کے ہم نکاح کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ محض ہم پر الزام ہے۔ مسلک شیعہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور نہ ہی ائمہ اہل بیت سے اس قسم کی کوئی روایت موجود ہے۔ تو ہم خود ان کی کتب سے دو چار روایات ایسی پیش کر دیتے ہیں۔ جن سے یہ پتہ چل جائے گا۔ کہ یہ الزام ہے یا حقیقت حال؟

"دو گواہوں کے بغیر نکاح ہو جانے کا ثبوت"

کتب شیعہ سے

فروع کافی:

عَنْ زُرَارَةَ ابْنِ اَعْيُنٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ امْرَاَةً بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِتَزْوِيْجِ اَلْبَتَّةَ فِيْمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللهِ اِنَّمَا جُعِلَ الشُّهُوْدُ فِيْ تَزْوِيْجِ اَلْبَتَّةَ مِنْ اَجْلِ الْوَلَدِ لَوْلَا ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ بِهٖ

بَأْسَ ۔

(فروع کافی جلد ۵ صفحہ نمبر ۳۸۷
کتاب النکاح باب التزویج
بغیر بینة ۔ مطبوعہ تہران
طبع جدید) ۔

ترجمہ:

زرارہ بن اعین کہتا ہے ۔ کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ۔ کہ ایک مرد کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیتا ہے (کیا یہ نکاح جائز ہے ؟) فرمایا ۔ اللہ اور اس کے نکاح کرنے والے کے درمیان اس نکاح کے منعقد ہونے میں کوئی حرج نہیں ۔ یہ نکاح یقیناً ہو گیا ۔ گواہوں کو تو نکاح میں صرف اولاد کی خاطر ضروری رکھا گیا ہے ۔ اگر اولاد کا معاملہ درمیان میں نہ ہو ۔ تو گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں ۔

من لا یحضرہ الفقیہ:

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنْ
اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ
سَاَلْتُهٗ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً
وَلَمْ يُشْهِدْ فَقَالَ اَمَّا فِيْمَا
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ
فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَلٰكِنْ
اِنْ اَخَذَهٗ سُلْطَانٌ جَائِرٌ

عَاقِبَہٗ۔

(من لایحضرہ الفقیہ۔ جلد۳ ص ۲۵۱
باب الولی والشہود والخطبۃ
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

مسلم بن بشیر حضرت امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میں نے امام موصوف سے ایک ایسے مرد کے متعلق پوچھا جس نے ایک عورت سے شادی رچائی۔ لیکن کوئی گواہ نہ بنایا (کیا اس کا نکاح ہو گیا؟) فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس نکاح کرنے والے کے مابین کوئی حرج نہیں ہے۔ (کیونکہ عنداللہ یہ نکاح درست ہے۔) لیکن اگر یہ شخص کسی ظالم حکمران کے ہتھے چڑھ گیا۔ تو وہ اسے ضرور سزا دے گا۔

تہذیب الاحکام:

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَتِ الْبَیِّنَۃُ فِی النِّکَاحِ لِاَجْلِ الْمَوَارِیْثِ۔

(تہذیب الاحکام جلد۷ ص ۲۴۸
باب تفصیل احکام النکاح مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا نکاح میں گواہ تو اس لیے رکھے گئے ہیں۔ تا کہ اولاد کی وراثت میں

کوئی جھگڑا نہ پڑے۔ (ورنہ گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے)

لمحہ فکریہ؛

مذکورہ تین عدد حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ

۱۔ مسلک شیعہ میں نکاح کے لیے گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲۔ ضرورت صرف اس صورت میں پڑے گی۔ جب اولاد کے لیے میراث کا معاملہ حل کرنا مقصود ہو۔

۳۔ گواہوں کے بغیر نکاح کرنے والا اللہ کے نزدیک مجرم نہیں

۴۔ اگر کوئی حاکمِ وقت اس کو سزا دے۔ تو وہ ظلم ہوگا۔

آپ ان امور کو بار بار پڑھیں۔ پھر موازنہ کریں۔ کہ زنا اور شیعی نکاح میں کیا فرق ہے یہ ایک بدیہی امر ہے۔ کہ زانی اور مزنیہ کے پیش نظر صرف شہوت رانی ہوتی ہے حصول اولاد کا تصور تک نہیں ہوتا۔ جب اولاد مقصود ہی نہیں۔ تو ان کی میراث کا مسئلہ کہاں سے آئے گا۔ یہی اولاد تھی۔ کہ جس کی خاطر گواہوں کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا۔ لہذا یہ (زنا) بھی ان کے ہاں عنداللہ نکاح ہو گیا۔ پھر نکاح کرنے والے جوڑے پر حد لگانے والا واقعی ظالم ہوگا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

فصل دوم

اہل تشیع "اہل سنت سے نکاح کو حرام کہتے ہیں

اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ کہ اہل سنت و جماعت دائرہ اسلام سے خارج (یعنی کافر) ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ سے بھی کہیں بدتر ہیں۔ لہذا انہیں رشتہ دینا یا اُن کا رشتہ لینا قطعاً حرام ہے۔ اس کے علاوہ نہ اہل سنت کا ذبیحہ کھایا جائے۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ مشترکہ یا ہمسائیگی کے طور پر رہائش رکھی جائے۔ اس عقیدہ کے ثبوت میں ان کی کتب سے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

الاستبصار:

عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمَرْأَةِ الْعَارِفَةِ هَلْ أُزَوِّجُهَا النَّاصِبَ فَقَالَ لَا لِأَنَّ النَّاصِبَ كَافِرٌ قَالَ فَأُزَوِّجُهَا الرَّجُلَ غَيْرَ النَّاصِبِ وَلَا الْعَارِفِ فَقَالَ

غَیْرُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْہُ۔

(الاستبصار جلد ۳ ص ۱۸۴ باب
تحریم النکاح الناصبیة
المشهورة بذالك مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:
فضیل بن یسار نے کہا۔ میں نے امام ابوجعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا کسی جانی پہچانی شیعہ عورت کا نکاح کسی ناصب (سنی) سے کردوں فرمایا نہیں۔ کیونکہ ناصبی (سنی) کافر ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کیا ایسی عورت کا نکاح کسی غیر ناصب (غیر سنی) یا ان جان سے کردوں۔ فرمایا۔ ناصب (سنی) کے علاوہ ہر آدمی مجھے اس سے بہتر نظر آتا ہے۔ (لہٰذا اس سے بیاہنے میں کوئی حرج نہیں ہے)

تہذیب الاحکام:
عَنْ فُضَیْلِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَا یَتَزَوَّجُ الْمُؤْمِنُ النَّاصِبِیَّۃَ الْمَعْرُوْفَۃَ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۳۰۲
فیمن یحرم نکاحهن الخ۔ مطبوعہ تہران
طبع جدید)
دو حوالے اگلے صفحہ پر ہیں۔

(۲- فروع کافی جلد ۵ ص ۳۴۸
كتاب النكاح باب
مناكحة النصاب -
مطبوعہ تہران طبع جدید)
(۳- الاستبصار جلد ۳ ص ۱۸۳
باب تحريم النكاح
الناصبة - مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:
فضیل بن یسار نے امام ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا۔ کہ امام نے فرمایا۔ کوئی صاحبِ ایمان (شیعہ مرد) کسی ایسی عورت سے ہرگز شادی نہ رچائے۔ جو ناصبیہ (سنیہ) ہونے میں مشہور ہو۔

فروع کافی:
عَنْ فُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ نِكَاحِ النَّاصِبِ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا يَحِلُّ۔

(فروع کافی جلد ۵ ص ۳۵۰ کتاب
النكاح باب مناكحة النصاب
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: فضیل بن یسار کہتا ہے۔ کہ میں نے ابو عبداللہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

سے پوچھا۔ کیا ناصب (سنی) مرد شیعہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ خدا
کی قسم! یہ ہرگز حلال نہیں ہے۔

الاستبصار:

عَنْ فُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ ذُكِرَ النَّاصِبُ فَقَالَ لَا تُنَاكِحْهُمْ
وَلَا تَأْكُلْ ذَبِيْحَتَهُمْ وَلَا تَسْكُنْ
مَعَهُمْ۔

(۱۔ الاستبصار جلد سوم صفحہ نمبر ۱۸۴
باب تحریم نکاح الناصبۃ الخ
مطبوعہ تہران طبع جدید)
(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۳۰۲
فی من یحرم نکاحھن الخ
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

فضیل بن یسار روایت کرتا ہے۔ کہ امام ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کے
سامنے ناصب (اہل سنت) کی بات چیت ہوئی۔ تو آپ نے
فرمایا۔ ان سے نہ نکاح کرو۔ نہ انہیں نکاح دو۔ اور نہ ان کا ذبح کیا ہوا جانور
کھاؤ۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ رہائش اختیار کرو۔

☆

"اہل سنت" یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی بدتر ہیں

فروع کافی:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سَاَلَهٗ اَبِیْ وَاَنَا اَسْمَعُ عَنْ نِكَاحِ الْیَهُوْدِیَّةِ وَالنَّصْرَانِیَّةِ فَقَالَ نِكَاحُهُمَا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نِكَاحِ النَّاصِبِیَّةِ وَ مَا اَحَبُّ لِلرَّجُلِ الْمُسْلِمِ اَنْ یَتَزَوَّجَ الْیَهُوْدِیَّةَ وَ لَا النَّصْرَانِیَّةَ مَخَافَةً اَنْ یَتَهَوَّدَ وَلَدُهٗ اَوْ یَتَنَصَّرَ۔

(فروع کافی جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۱
کتاب النکاح باب
مناکحة النصاب مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میرے والد نے حضرت امام موصوف سے یہودی اور عیسائی عورت سے شادی کرنے کے متعلق پوچھا۔ اور میں اس وقت یہ سوال و جواب سن رہا تھا۔ امام موصوف نے فرمایا۔

ان دونوں قسم کی عورتوں سے شادی کرنا میرے نزدیک ناصبیہ (سنیہ) سے شادی کرنے کی نسبت کہیں بہتر ہے۔ لیکن میں کسی مسلمان مرد کے لیے پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ کسی یہودی یا نصرانی عورت سے شادی کرے۔ کیونکہ اس شادی کے سرانجام پانے اور پھر ان کے ہاں اولاد ہونے کے بعد مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ نصرانی یا یہودی عورت اس مسلمان کی اولاد کو زبردستی یہودی یا عیسائی بنا دے۔

ایضاً:

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ تَزَوُّجُ الْیَهُوْدِیَّةِ وَ النَّصْرَانِیَّةِ اَفْضَلُ اَوْ قَالَ خَیْرٌ مِّنْ تَزَوُّجِ النَّاصِبِ وَالنَّاصِبَةِ۔

(فروع کافی جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۱ کتاب النکاح باب مناکحۃ النصاب مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے راوی کہ امام موصوف نے فرمایا کسی یہودی اور عیسائی عورت سے شادی کرنا افضل ہے۔ یا فرمایا کسی سنی مرد یا عورت سے شادی کرنے سے یہودی اور نصرانی سے شادی کرنا اچھا ہے۔

ناصب (سُنّی) حرام زادے سے بھی زیادہ بُرا ہے

جامع الاخبار:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ نُوْحًا اَدْخَلَ فِی السَّفِیْنَۃِ الْکَلْبَ وَ الْخِنْزِیْرَ وَلَمْ یُدْخِلْ فِیْھَا وَلَدَ الزِّنَا وَ النَّاصِبُ اَشَدُّ مِنْ وَلَدِ الزِّنَا۔

(جامع الاخبار صفحہ نمبر (۱۸۵)
الفصل السابع والعشرین
والمائۃ فی التعصب الخ
مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں کتا اور خنزیر تو سوار کر لیا۔ لیکن حرامی کو اوپر نہ چڑھایا۔ ناصب (سُنّی) تو حرام زادے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

ناصب (سُنّی) کُتّے سے بھی بدتر ہے (معاذ اللہ)

اللمعۃ الدمشقیہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَعْفُوْرَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَ اِيَّاكَ اَنْ تَغْتَسِلَ مِنْ غُسَالَةِ الْحَمَّامِ وَ فِيْهَا تَجْتَمِعُ غُسَالَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوْسِ وَالنَّاصِبُ لَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَهُوَ شَرُّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا اَنْجَسَ مِنَ الْكَلْبِ وَ اِنَّ النَّاصِبَ لَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ لَاَنْجَسُ مِنْهُ۔

(اللمعۃ الدمشقیہ جلد پنجم ص ۲۶ تا ۲۵ تا
۲۲۴ مسئلہ کفات)

ترجمہ:

عبداللہ بن یعفور نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ امام موصوف نے فرمایا۔ خبردار! اپنے آپ کو حمام کے پانی سے دور رکھنا۔ کہ جس میں یہودی، نصرانی اور مجوسی کے غسل کا پانی جمع ہوتا ہو۔ اور ہمارے ناصب (سنی) کا غسالہ تو ان سے بھی کہیں زیادہ ناپاک اور گندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے کتے سے زیادہ نجس (ناپاک) کوئی دوسرا پیدا نہیں کیا۔ اور ہم اہل بیت کا ناصب (سُنّی) تو کتے سے بھی زیادہ نجس ہے

ناصب کون ہے؟

ہم نے مذکورہ حوالہ جات میں جہاں کہیں بھی لفظ "ناصب یا ناصبی" آیا اُس کا ترجمہ "اہل سنت یا سنی" کیا ہے۔ اس پر بعض بھولے بھالے اہل سنت کو اہل تشیع یہ کہہ کر دھوکہ دے دیتے ہیں۔ کہ ہماری کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ ناصبی کے لیے ہے۔ اہل سنت تو ناصبی نہیں۔ اس لیے اُن کو اس سے بُرا نہیں منانا چاہیئے اور ناصبی وہی لوگ ہیں جن کو خوارج یا خارجی بھی کہتے ہیں۔ ان خارجیوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں تھے (معاذ اللہ)

ہم نے جو ترجمہ کرتے وقت لفظ ناصب سے مراد سنی لیا۔ یہ اپنی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ شیعہ مسلک کی کتب میں صاف صاف موجود ہے۔ کہ ناصبی سے مُراد "اہل سنت" ہی ہیں۔ لہذا کسی شیعہ کے مذکور بالا دھوکہ میں نہ آیا جائے۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

انوارِ نعمانیہ:

نعمت اللہ جزائری شیعی نے "انوارِ نعمانیہ" میں "ناصبی" کی تعریف میں لکھا۔ "وہ لوگ جو اہل بیتِ رسول سے عداوت رکھیں۔ ان کو "ناصبی" کہنا غلط ہے۔ بلکہ "ناصبی" وہ لوگ ہیں۔ من نصب العداوۃ لشیعۃ اھل البیت علیہم السلام جو شیعانِ اہل بیت سے عداوت رکھیں۔ "ناصبی" کے یہ معنی بیان کرنے کے بعد مصنف نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں ایک تائیدی قول بھی پیش کیا۔ جو یہ ہے۔

بِاِسْنَادٍ مُعْتَبَرٍ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ لَيْسَ النَّاصِبُ مَنْ نَصَبَ لَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ

لِاَنَّكَ لَا تَجِدُ رَجُلًا يَقُوْلُ اَنَا اُبْغِضُ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ وَلٰكِنَّ النَّاصِبَ مَنْ نَصَبَ لَكُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّكُمْ تَتَوَلَّوْنَا وَاَنَّكُمْ مِنْ شِيْعَتِنَا وَفِيْ مَعْنَاهُ اَخْبَارٌ كَثِيْرَةٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ اَنَّ عَلَامَةَ النَّوَاصِبِ تَقْدِيْمُ غَيْرِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ ....
وَيُؤَيِّدُ هَا الْمَعْنٰى اَنَّ الْاَئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَخَوَاصَّهُمْ اَطْلَقُوْا لَفْظَ النَّاصِبِيِّ عَلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَمْثَالِهٖ مَعَ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ لَمْ يَكُنْ مِمَّنْ نَصَبَ الْعَدَاوَةَ لِاَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

(انوار نعمانیہ تصنیف نعمت الجزائری
الشیعی جلد ۲ ص ۳۰۷ ظلمۃ فی
احوال الصوفیہ والنواصب
مطبوعہ تبریز جدید)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ناصبی وہ نہیں۔ جو ہم اہل بیت کو برا بھلا کہے۔ یا عداوت رکھے۔ کیونکہ نہیں ایک بھی آدمی ایسا نہ ملے گا۔ جو یہ کہے۔ کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد سے بغض و عداوت رکھتا ہوں۔ بلکہ ناصبی وہ ہے۔ جو اسے شیعو! تمہیں اچھا نہ سمجھتا ہو۔ اور تمہارے بارے میں یہ جانتے

ہوئے کہ تم ہم اہل بیت سے محبت کرتے ہو۔ اور تم ہمارے شیعہ ہو۔ بغض و عداوت رکھتا ہو۔ اس بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ جن سے ناصبی کا یہی معنی مفہوم ہوتا ہے۔ خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ناصبی کی نشانی یہ ہے۔ کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دوسروں کو افضل کہے۔

ناصبی کے اسی معنی کی تائید یوں بھی ہو جاتی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت نے اور ان کے خاص معتقدین نے ابو حنیفہ اور ان جیسے دوسرے یعنی سنیوں کے اماموں پر لفظ "ناصبی" بولا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اہل بیت سے بغض و عداوت نہ رکھتا تھا بلکہ ان کی شیعانِ اہل بیت سے عداوت کی وجہ سے انہیں ناصبی کہا گیا۔)

خلاصۂ کلام:

انوار نعمانیہ کے مصنف نعمت اللہ جزائری شیعی نے دو ٹوک الفاظ سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ "ناصبی" سے مراد "خارجی" نہیں۔ بلکہ شیعانِ اہل بیت کے مخالف ہیں۔ اور اس مفہوم و تعریف کی تصدیق و توثیق میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول بھی پیش کیا۔ بلکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی اس کی تائید میں ذکر کی گئی۔

اہل سنت کے متعلق نعمت اللہ جزائری نے مسلک شیعہ کی ترجمانی کرتے ہوئے جو گندے الفاظ بطور عقائدِ شیعہ ذکر کیے۔ ان میں سے چند کا تو مذکورہ حوالہ جات میں ذکر ہے۔ ان کے علاوہ یہ بھی مذکور ہے۔ کہ "اگر اہل تشیع اس

امر کی قدرت پائیں۔ کہ وہ سنیوں کا خون بہا سکیں۔ تو انہیں دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ ان کا مال لوٹنا، ان پر دیوار گرا کر مار دینا اور انہیں پانی میں ڈبونا سب کچھ روا ہے۔

لمحہ فکریہ:

اہل تشیع کے مسلک وعقیدہ کو آپ نے جانا۔ اہل سنت کے متعلق اُن کا یہ نظریہ ہے۔ کہ کتا، خنزیر اور حرام زادہ ان سے کہیں بہتر ہے۔ قدرت پانے پر سنیوں کو ہر طرح سے اذیت دینا جائز ہے۔ انہیں رشتہ دینے اور ان سے رشتہ لینے سے یہودی اور عیسائی کہیں اچھے ہیں۔ ان عقائد کے ہوتے ہوئے کسی سُنّی پر یہ بات مخفی نہ رہنی چاہیئے۔ کہ اہل تشیع کو اپنی مستورات کے رشتے دینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ کیونکہ اُن کے عقیدہ کے مطابق اور ہم اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق یہ نکاح نہیں ہوا۔ اس لیے اس قسم کے نکاح کو پھر وہ حرام ہی کہا جائے گا۔ اور اگر ذرا نرم لہجے میں کہیں۔ تو یہ "نکاح متعہ" ہو گا۔

اہل سُنّت کو شیعوں سے رشتہ کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے

اہل سنت کو غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ جب شیعہ ہمیں کفار سے بھی بدتر سمجھیں۔ اور نجس العین خنزیر کو بھی ہم سے اچھا کہیں تو پھر اس کے بعد باہم مناکحت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اسی پر بس نہیں۔ بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک کو (معاذ اللہ) دائرہ اسلام سے خارج گردانیں خصوصاً خلفائے ثلاثہ پر ہر نماز کے بعد لعن طعن کرنا عقیدہ رکھیں۔ تو ان حالات میں کسی سنی کی غیرت

یہ اجازت دیتی ہے کہ ان سے رشتہ کے معاملہ میں لین دین کرے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کی ذات پر نماز کے بعد تبرہ بازی کا تفصیلی ذکر ہم نے لکھا لیکن سر دست یہاں بھی ایک دو حوالہ پیش کر دیتے ہیں۔

فروع کافی:

عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ ثُوَیْرٍ وَاَبِیْ سَلَمَةَ السَّرَّاجِ قَالَا سَمِعْنَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَهُوَ یَلْعَنُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ مَکْتُوْبَةٍ اَرْبَعَةً مِنَ الرِّجَالِ وَاَرْبَعًا مِنَ النِّسَآءِ فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَمُعَاوِیَةُ وَیُسَمِّیْهِمْ وَفُلَانَةٌ وَهِنْدٌ وَاُمُّ الْحَکَمِ اُخْتُ مُعَاوِیَةَ۔

(فروع کافی جلد ۳ صفحہ نمبر ۳۴۲
کتاب الصلوۃ باب التعصب
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حسین بن ثویر اور ابو سلمہ سراج دونوں کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ہر فرض نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ چار مرد یہ تھے۔ تینوں خلفاء ابو بکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان غنی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم۔ اور چار عورتیں یہ تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ حفصہ، ہندہ اور امیر معاویہ کی ہمشیرہ ام الحکم۔

تحفۃ العوام:

دو رکعت نماز پڑھے۔ اور یہ کہے۔

اَللّٰهُمَّ خُصَّ اَنْتَ اَوَّلَ ظَالِمٍ بِاللَّعْنِ مِنِّیْ وَابْدَأْ بِهٖ اَوَّلًا ثُمَّ الثَّانِیْ ثُمَّ الثَّالِثَ ثُمَّ الرَّابِعَ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ یَزِیْدَ بْنَ مُعَاوِیَةَ خَامِسًا۔

(تحفۃ العوام حصہ اول صفحہ نمبر ۱۷۸
باب بیسواں ماہ محرم کے اعمال میں
مطبوعہ لکھنو طبع قدیم)

ترجمہ:

دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اور کہے۔ اے اللہ! پہلے ظالم کو میری طرف سے لعنت کے لیے خاص کر دے۔ اس طرح پہلے ظالم سے لعنت کی ابتداء کرے۔ پھر دوسرے، تیسرے اور چوتھے پر لعنت ڈالنے کے پانچویں نمبر پر یزید بن معاویہ پر لعنت کی دعا کرے۔

تنبیہ:

مذکورہ بالا حوالہ جات میں اول سے مراد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، دوئم سے حضرت بن الخطاب، سوئم سے حضرت عثمان غنی اور چوتھے سے مراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان حضرات کی عظمت و تعظیم چونکہ اہل سنت کے ہاں مسلم ہے۔ اس لیے اگر کوئی خبیث ان کے اسماء گرامی ذکر کرتا۔ تو اس کے سانس کے خاتمہ کا سبب بن جاتا۔ اس لیے اپنے مکروہ اور خبیث عقیدہ در تقیہ کا

ہمارا ایسے کہ اول ثانی ثالث اور رابع لکھ دیا۔ یزید کو چونکہ اہل سنت بھی قابل تکریم و تعظیم نہیں سمجھتے۔ اس لیے اس کا صراحت کے نام ذکر کر دیا۔ اور تقیہ کی ضرورت نہ پڑی۔

ان نظریات پر مطلع ہونے کے بعد بھی اگر کوئی سنی "اہل تشیع" سے رشتہ کا لین دین کرتا ہے۔ تو اس سے یہی نتیجہ نکلے گا۔ کہ ایسے شخص کو حضرات خلفائے ثلاثہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم سے کوئی دینی و روحانی رشتہ نہیں۔ بلکہ اُسے "اہل سنت" کہلانے کا قطعاً حق نہیں پہنچتا۔ لہٰذا اسے اہل سنت! خبردار خبردار! خبردار۔

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا وہ اہل تشیع کا ہم اہل سنت کے متعلق عقیدہ تھا۔ جس سے آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی ہو گی۔ کہ ان تمام خرافات کا سبب صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ "اہل سنت و جماعت "شیعان اہلبیت" کو اچھا نہیں سمجھتے" اس مقام پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ذکر کر دیا جائے کہ ہمارے سلف و خلف نے یہ قصور کیوں کیا؟ کیا ہمیں ان سے کوئی ذاتی عداوت تھی؟ کیا ہم نے ان کی جائیداد غصب کی؟ آخر کوئی تو وجہ ہو گی۔ آئیے! ہم اس قصور کی ذمہ داری اٹھاتے ہوئے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

فرقہ شیعہ مرتد فرقہ ہے۔ کتب اہلسنت

درمختار و رد المحتار:

اَلْکَافِرُ بِسَبِّ الشَّیْخَیْنِ اَوْ بِسَبِّ اَحَدِهِمَا فِی الْبَحْرِ عَنِ الْجَوْهَرَةِ مَعْزِیًّا لِلشَّهِیْدِ مَنْ سَبَّ الشَّیْخَیْنِ اَوْ طَعَنَ فِیْهِمَا کَفَرَ وَ لَا

تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ وَبِهِ اَخَذَ الدَّبُوسِيُّ وَاَبُو اللَّيْثِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوٰى ---- ---- نُقِلَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ عَنِ الْخُلَاصَةِ اَنَّ الرَّافِضِيَّ اِذَا كَانَ يَسُبُّ الشَّيْخَيْنِ وَيَلْعَنُهُمَا فَهُوَ كَافِرٌ۔

در مختار ورد المحتار جلد ۲ ص ۲۳۷، ۲۳۸ - باب المر - مطبوعہ مصر)

ترجمہ:

سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو گالی دینے والا اور ان پر لعن طعن کرنے والا کافر ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ علامہ دبوسی اور ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہما کا یہی فتویٰ ہے اور قول مختار بھی یہی ...... اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ کہ رافضی (شیعہ) جب صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو گالی گلوچ دے۔ یا لعن طعن کرے۔ وہ کافر ہے۔

فتاویٰ عالمگیری:

اَلرَّافِضِيُّ اِذَا كَانَ يَسُبُّ الشَّيْخَيْنِ وَيَلْعَنُهُمَا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ فَهُوَ كَافِرٌ ---- ---- مَنْ اَنْكَرَ اِمَامَةَ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَهُوَ كَافِرٌ وَعَلٰى قَوْلِ بَعْضِهِمْ هُوَ مُبْتَدِعٌ وَلَيْسَ بِكَافِرٍ

وَالصَّحِيحُ اَنَّهُ كَافِرٌ..... وَهٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ خَارِجُوْنَ عَنْ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَ اَحْكَامُهُمْ اَحْكَامُ الْمُرْتَدِّيْنَ كَذَا فِى الظَّهِيْرِيَّةِ۔

(فتاوی عالمگیری۔ جلد ۲ ص ۲۹۲
الباب التاسع فی احکام
المرتدین مطبوعہ مصر۔ طبع قدیم)

ترجمہ:

جو رافضی (شیعہ) سیدنا صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالی کہے۔ وہ کافر ہے۔ جس نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کے برحق ہونے کا انکار کیا۔ وہ بھی کافر ہے بعض نے کہا۔ کہ ایسا شخص بدعتی ہے۔ کافر نہیں لیکن صحیح یہی ہے۔ کہ وہ بدعتی نہیں بلکہ وہ کافر ہے۔ یہ لوگ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہیں اور ان کے احکامات وہی ہیں جو مرتدین کے ہیں۔ ظہیریہ میں یہی مذکور ہے۔

خلاصہ کلام:

حنفی فقہ کی دو مستند کتب فتاوی کی عبارات سے بات واضح ہو گئی کہ ہم کسی رافضی (شیعہ) کو محض ذاتی عناد کی وجہ سے برا بھلا نہیں کہتے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی توہین اور ان کی ذات اقدس پر ناجائز حرف زنی ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر وہ دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی بنا پر مرتد ٹھہرے۔

انہی کتب میں یہ بھی تصریح موجود ہے۔ کہ کسی مسلمان مرد و عورت کا نکاح کسی بھی مرتد یا مرتدہ سے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ تصریح ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیریہ:

وَمِنْهَا مَا هُوَ بَاطِلٌ بِالْاِتِّفَاقِ نَحْوُ النِّكَاحِ فَلَا يَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ امْرَاَةً مُسْلِمَةً وَلَا مُرْتَدَّةً وَلَا ذِمِّيَّةً لَا حُرَّةً وَلَا مَمْلُوْكَةً وَتَحْرُمُ ذَبِيْحَتُهٗ وَصَيْدُهٗ بِالْكَلْبِ وَالْبَازِيِّ وَالرَّمْيِ۔

(فتاویٰ عالمگیریہ جلد دوم صفحہ ۲۸۲
الباب التاسع فی احکام المرتدین
مطبوعہ مصر)

ترجمہ:

مرتد ان کے ان احکامات میں کہ جن کے بطلان پر تمام علماء کا اتفاق ہے ایک یہ ہے کہ ان سے نکاح کا لین دین بالکل باطل ہے۔ لہٰذا کسی مرتد کو اس بات کی قطعاً اجازت نہیں۔ کہ وہ کسی مسلمان عورت، مرتدہ، ذمیہ، آزاد اور باندی سے نکاح رچائے۔ اس کا ذبح کیا ہوا حرام ہے۔ اور شکاری کتے، باز اور تیر سے اس کا شکار کیا ہوا بھی قطعاً حرام ہے۔

فتاویٰ عالمگیری اور دیگر کتب فتاویٰ سے واضح ہو گیا۔ کہ شیخین پر لعن طعن کی وجہ سے "شیعہ" اسلام سے خارج اور مرتدین کے حکم میں ہے۔ اور ہر مرتد کے متعلق امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ ان کو نکاح دینا یا ان سے رشتہ لینا دونوں حرام ہیں۔

اسے نام نہاد سنیو! ان تصریحات کے بعد تمہاری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اور تمہیں غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سابقہ وطیرہ سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اور آئندہ کے لیے گستاخانِ شیخین رضی اللہ عنہما سے کسی قسم کی مناکحت روا رکھنے سے اجتناب برتنا چاہیئے۔ ورنہ اپنے آپ کو اہل سنت شمار نہ کرو۔ آخر اللہ کے ہاں جانا ہے۔ اس کے محبوب کی شفاعت چاہتی ہے۔ تو شیخین کے بدگو اسی کے ساتھ رشتہ گانٹھنے والا اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس منہ سے جائے گا۔ اور کس زبان سے شفاعت کی التجا کرے گا؟

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

فصل سوم

فقہ جعفریہ سے مسائل نکاح ۔

"فقہ جعفریہ" کے بارے میں خیال یہ تھا کہ اسلام کے صرف چار ارکان پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ لیکن جب کچھ دوسرے موضوعات کے مسائل سامنے آئے۔ تو انہیں دیکھ کر تعجب ہوا۔ لہذا نکاح کے بارے میں چند ضروری اختلافی مسائل کے علاوہ کچھ ایسے مسائل کا بھی ذکر ہو گا۔ جنہیں پڑھ کر آپ یقیناً یہ کہہ اٹھیں گے۔ کہ "فقہ جعفریہ" ان روایات و احادیث کا مجموعہ ہے۔ جو حقیقت و صداقت سے کوسوں دور ہیں۔ بالحاظ ترتیب چند مسائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ ۱:

عورت کی شرمگاہ چومنا اور حصولِ لذت کے لیے اس میں انگلی وغیرہ پھیرنا جائز ہے

وسائل الشیعہ وغیرہ:

عَنْ عَلِی ابْنِ جَعْفَرَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَاالْحَسَنِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ یُقَبِّلُ قُبُلَ

امْرَأَتِهِ. قَالَ لَا بَأْسَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۷۷ کتاب النکاح،
باب جواز تقبیل الرجل قبل زوجتہ)
(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۱۳ باب السنۃ
فی عقود النساء الخ)
(۳۔ فروع کافی جلد پنجم ص ۵۰۲/القول عند الباء
و یعصم من مشارکتہ الشیطن۔)

ترجمہ:

علی بن جعفر کہتے ہیں۔ میں نے ابوالحسن موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی کی اگلی شرمگاہ کو چومتا ہے۔ فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔

توضیح

قارئین کرام:

یہ مسئلہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل جو سراسر بے حیائی کا درس دیتے ہیں۔ حضرات ائمہ اہل بیت کے ساتھ اُن کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ اہل تشیع کے ہاں ہر وہ عمل جو خواہشات نفسانیہ کو ابھارنے میں ممد و معاون ہو۔ اُسے اپنایا جاتا ہے۔ عورت کی شرمگاہ کا چومنا اور اس کے بوسے لینا آخر کس بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے وہ کوئی پیر و مرشد ہے۔ یا قابل صد احترام ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے اُسے "حرث" فرما کر اس کا مقصد بیان فرما دیا۔ وہ یہ کہ مرد خواہشات نفسانی پورا کرنے کے لیے اسے کام میں لا سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے اُسے چومنے چاٹنے کے لیے بنایا ہے۔

بیوی کی خواہش نفسانی پورا کرنے کی انوکھی ترکیب

وسائل الشیعہ

عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ زُرَارَةَ قَالَ كَانَ لَنَا جَارٌ شَيْخٌ لَهُ جَارِيَةٌ فَارِهَةٌ قَدْ اَتَى بِهَا ثَلَاثِيْنَ اَلْفَ دِرْهَمٍ وَكَانَ لَا يَبْلُغُ مِنْهَا مَا يُرِيْدُ وَكَانَتْ تَقُوْلُ اِجْعَلْ يَدَكَ كَذَا بَيْنَ شَفْرَيْهِ فَاِنِّيْ اَجِدُ لِذَالِكَ لَذَّةً وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَفْعَلَ ذَالِكَ فَقَالَ لِزُرَارَةَ سَلْ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ هٰذَا فَسَاَلَهُ فَقَالَ لَا بَاْسَ اَنْ يَسْتَعِيْنَ بِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ جَسَدِهٖ عَلَيْهَا وَلٰكِنْ لَا يَسْتَعِيْنُ بِغَيْرِ جَسَدِهٖ عَلَيْهَا۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۷۷ کتاب النکاح

باب جواز تقبیل الرجل قبل

امراتہ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عبید ابن زرارہ کہتا ہے۔ کہ ہمارا ایک پڑوسی عمر رسیدہ تھا۔ وہ تیس ہزار درہم کی ایک نوجوان لونڈی خرید لایا۔ لیکن اُس سے جو وہ چاہتا تھا۔

وہ حاصل نہ کر پاتا۔ وہ لونڈی اُسے کہتی۔ کہ اپنی انگلیوں کو میری شرمگاہ میں ڈال دو۔ میں اس سے لطف اندوز ہو جاؤں گی۔ لیکن وہ آدمی اس فعل کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے زرارہ سے کہا۔ کہ تم امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھو۔ زرارہ نے پوچھا۔ تو امام صاحب نے فرمایا۔ اگر وہ آدمی اپنے جسم کے کسی حصہ سے اس کام میں مدد لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں جائز ہے۔ لیکن اگر جسم کے علاوہ کسی چیز کو استعمال کیا۔ تو درست نہ ہو گا۔

لمحہ فکریہ:

جب ایک مرد عمر کے اُس حصے میں داخل ہو چکا ہو۔ یا جسمانی طور پر وہ کمزور ہو اور حقوق زوجیت پورے نہ کر سکتا ہو۔ تو ایسے شخص کا ایک نوجوان عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کا کیا یہی طریقہ ہے جو زرارہ نے امام صاحب سے پوچھا۔ اور انہوں نے اس کی تشریح کر دی؟ ہر شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ ایسے بوڑھے اور کمزور کو چاہیئے کہ وہ اس عورت کو فارغ کر دے۔ یعنی طلاق دیدے۔ اور اگر لونڈی ہے تو کسی صحت مند سے اس کی شادی کر دے۔

یہ کیا طریقہ ہے۔ کہ اس کی شرمگاہ میں تا دمِ آخر انگلیاں پھیر کر اسے ٹھنڈا کرتا رہے۔؟

ع

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

بوقت جماع "بسم اللہ" نہ پڑھنے سے شیطان بھی اپنا آلۂ تناسل عورت کی شرمگاہ میں داخل کر دیتا ہے

وسائل الشیعہ

فاذا ادخلت علیه فلیضع یده علی ناصیتها ویقول اللهم علی کتابك تزوجتها و فی امانتك اخذتها و بکلماتك استحللت فرجها فان قضیت فی رحمها شیئا فاجعله مسلما سویا ولا تجعل شرکة شیطان قلت فکیف یکون شرکة شیطان فقال ان الرجل اذا دنی من المرأة وجلس مجلسه حضره الشیطن فان هو ذکر اسم الله تنحی الشیطان عنه فان فعل ولم یسم ادخل الشیطان ذکره فکان العمل منهما جمیعا و النطفة واحدة قلت فبأی شیٔ یعرف هذا جعلت فداك قال بحبنا و بغضنا۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۹۰ کتاب النکاح)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۰۷ باب الاستخارۃ النکاح الخ)

(۳۔ فروع کافی جلد ۵ ص ۵۰۱ القول عند دخول الرجل باهله)

ترجمہ:

پھر جب عورت کو اس کے خاوند کے پاس تنہائی میں بھیجا جائے۔ تو خاوند کو چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ کر یہ پڑھے۔ "وہ اے اللہ، تیری کتاب پر میں نے اس سے شادی کی۔ اور تیری امانت میں میں نے لے رکھا ہے۔ اور تیرے کلمات کے سبب میں نے اس کی شرمگاہ کو استعمال کرنا حلال پایا ہے۔ پھر اگر اس کے رحم میں کچھ ٹھہر جائے۔ تو اسے سیدھا مسلمان بنا دے اور شیطان کا اس میں حصہ نہ شامل کرنا"، میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا شیطان کی شرکت کیسے ہوتی ہے؟ فرمانے لگے۔ جب مرد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا چاہتا ہے اور اُسے اپنے بستر پر لے آتا ہے۔ تو اس وقت شیطان بھی آجاتا ہے۔ اب اگر مرد نے جماع کرنے سے تھوڑا پہلے "بسم اللہ" پڑھی۔ تو شیطان دُور ہو جاتا ہے۔ اور اگر جماع کرتا ہے۔ لیکن "بسم اللہ" نہیں کہتا۔ تو شیطان بھی اپنا آلۂ تناسل عورت کی شرمگاہ میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ جماع دونوں کر رہے ہوتے ہیں۔ اور نطفہ ایک ہی ہوتا ہے۔ (راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا) کس طرح پتہ چلے گا۔ کہ مرد نے بوقت جماع اللہ کا نام لیا تھا یا نہ۔ امام صاحب نے فرمایا ہمارے ساتھ محبت اور بغض کے سبب (یعنی جو ہم اہل بیت سے رکھے گا۔ وُہ اس مرد کا نطفہ ہو گا جس نے بوقتِ جماع اللہ کا نام لیا۔ اور جو ہم سے بغض رکھے گا وہ دوسرے کا نطفہ ہو گا۔)

توضیح:

روایت مذکورہ میں نطفۂ شیطان اور نطفۂ خاوند سے پیدا ہونے کی علامت یہ بیان ہوئی۔ کہ محب آلِ رسول،، نطفۂ خاوند سے ہوتا ہے۔ یعنی بوقتِ جماع جس مرد نے اللہ کا نام لیا۔ یہ اس سے پیدا ہوا ہے۔ اور جسے "اہل بیت رسول،، سے بغض ہو سمجھو وہ نطفۂ شیطان ہے۔ یہ علامت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کی گئی معلوم ہوتا چاہیئے۔ کہ اہل تشیع اپنے تئیں "محب آل رسول،، اور ہم اہل سنت کو "دشمنانِ اہل بیت،، کہتے ہیں۔ لہذا مذکورہ علامت کے پیش نظر ہم اہل سنت ان کے نزدیک اس نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ جس کے علوق کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا۔ اور یہ (اہل تشیع) اس نطفہ کی پیداوار ہیں۔ جو "بِسْمِ اللہ،، کہہ کر جماع کرتے ہوئے رحم میں ٹھہر گیا تھا۔ ہم اس بات کی تفصیل کسی اور مقام پر لکھیں گے۔ کہ اہل بیت کا دشمن کون ہے اور دوست کون؟ یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ نطفۂ شیطان اور نطفۂ خاوند سے پیدا ہونے والے کے مابین امتیاز اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ اگر کلمہ طیبہ پڑھتے پڑھتے روح پرواز کر گئی تو یہ اس بات کی علامت ہو گی۔ کہ مرنے والے کا اصل صحیح اور عنداللہ درست تھا۔ اور شیطان کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن اگر کلمہ کی بجائے منہ اور زبان سے منی نکلی۔ تو یہ علامت اس بات کی ہو گی۔ کہ بوقتِ علوق شیطان کی شرکت تھی۔ بہرحال یہ جواب الزامًا ہے۔ ورنہ روایت مذکورہ اصل میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ہے ہی نہیں بلکہ اس سے تو ان کی توہین ٹپکتی ہے۔ اور یہی "فقہ جعفریہ،، کا طرۂ امتیاز ہے۔

وطی فی الدبر جائز ہے جن ائمہ نے اسے ناجائز کہا وہ بطور تقیہ کہا

وسائل الشیعہ

عَنْ مَعْمَرِ بْنِ خَلَّادٍ قَالَ قَالَ لِي أَبُو الْحَسَنِ
أَيُّ شَيْءٍ يَقُولُونَ فِي إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَعْجَازِهِنَّ
قُلْتُ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ أَهْلَ الْمَدِينَةِ لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا
فَقَالَ إِنَّ الْيَهُودَ كَانَتْ تَقُولُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ
الْمَرْأَةَ مِنْ خَلْفِهَا خَرَجَ وَلَدُهُ أَحْوَلَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ
عَزَّ وَجَلَّ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ
مِنْ خَلْفٍ أَوْ قُدَّامٍ خِلَافًا لِقَوْلِ الْيَهُودِ وَلَمْ يَعْنِ
فِي أَدْبَارِهِنَّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ يَقُولُ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحَاشُّ النِّسَاءِ عَلَى
أُمَّتِي حَرَامٌ أَقُولُ حَمَلَهُ الشَّيْخُ وَغَيْرُهُ لِمَا يَأْتِي
عَلَى الْكَرَاهِيَةِ وَجَوَّزُوا حَمْلَهُ عَلَى التَّقِيَّةِ

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۱۰۱ کتاب النکاح)

(تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۱۵ فی السنۃ فی عقود النکاح)

ترجمہ:

معمر بن خلاد کہتا ہے۔ کہ مجھے ابوالحسن نے کہا۔ لوگ عورتوں کے ساتھ وطی فی الدبر کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ میں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ کہ مدینہ والے اس میں کوئی گناہ نہ سمجھتے تھے۔ ابوالحسن نے کہا۔ یہودی یہ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر عورت کی دُبر کی طرف سے وطی کی جائے۔ تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ وہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ تم اپنی کھیتیوں میں آگے پیچھے جہاں سے چاہو آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے خلاف یہ آیت نازل فرمائی۔ اور ان کی دُبروں کو مراد نہیں لیا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عورتوں کے ساتھ وطی فی الدبر میری امت کے لیے حرام ہے

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو شیخ وغیرہ نے تقیہ پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ آئندہ روایات میں وطی فی الدبر کا جواز آرہا ہے۔

وسائل الشیعہ

سَمِعْتُ صَفْوَانَ يَقُوْلُ قُلْتُ لِرِضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ رَجُلًا مِنْ مَوَالِيكَ أَمَرَنِي أَنْ أَسْئَلَكَ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَهَابَكَ وَاسْتَحْيَا مِنْكَ أَنْ يَسْئَلَكَ عَنْهَا قَالَ مَا هِيَ قَالَ قُلْتُ الرَّجُلُ يَأْتِي امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا قَالَ نَعَمْ ذَالِكَ لَهُ قُلْتُ وَأَنْتَ تَفْعَلُ ذَالِكَ قَالَ لَا

اِنَّا لَا نَفْعَلُ ذَالِكَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴
ص ۱۰۲ کتاب النکاح)
(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷
ص ۴۱۵)
(۳۔ فروع کافی جلد ۵ ص ۵۴۰
باب محاش النساء الخ)

ترجمہ:

صفوان نے امام رضا سے پوچھا کہ آپ کے موالی میں سے ایک مرد نے مجھے کہا کہ میں آپ سے ایک مسئلہ کے بارے میں پوچھوں لیکن آپ کا رعب اور حیا آڑے آ رہی ہے۔ فرمایا۔ وہ کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا۔ ایک شخص اپنی بیوی کی دُبر میں وطی کرتا ہے۔ (کیا یہ دُرست ہے۔؟) فرمایا۔ ہاں۔ یہ اس کا حق بنتا ہے۔ میں نے پوچھا کیا آپ بھی یہ کام کرتے ہیں؟ فرمانے لگے۔ نہیں۔ ہم ایسا کام نہیں کیا کرتے۔

"وطی فی الدبر" کے جواز پر اہلِ تشیع کے دلائل

دلیل اوّل

وسائل الشیعہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ یَعْفُوْرٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ یَأْتِی الْمَرْاَۃَ فِیْ دُبُرِهَا قَالَ لَا بَأْسَ اِذَا رَضِیَتْ قُلْتُ فَاَیْنَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰهُ قَالَ هٰذَا فِیْ طَلَبِ الْوَلَدِ فَاطْلُبُ الْوَلَدَ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ نِسَاۗؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۴ کتاب النکاح باب عدم تحریم وطی الزوجۃ الخ)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۱۴ باب السنۃ فی عقود النکاح الخ)

ترجمہ:

عبد اللہ بن ابی یعفور نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایسے مرد کے بارے میں پوچھا۔ جو عورت کی پچھلی طرف سے وطی کرتا ہے۔ امام نے فرمایا۔ جب عورت راضی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا مطلب ہو گا۔ "عورتوں کے پاس اس مقام سے آؤ جس سے آنے کا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔" فرمانے لگے۔ یہ ارشاد اولاد کی طلب کے لیے ہے۔ یعنی اولاد اس جگہ اور اس طریقہ سے طلب کرو۔ جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس اپنی کھیتیوں میں جدھر سے چاہو آؤ۔ (اس آیت سے وطی فی الدبر جائز ثابت ہو رہی ہے۔)

دلیل دوم

وسائل الشیعہ

عَنْ مُوْسیٰ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رَجُلٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ الرِّضَاءَ عَنْ اِتْيَانِ الرَّجُلِ الْمَرْاَةَ مِنْ خَلْفِهَا فَقَالَ اَحَلَّتْهَا اٰيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ قَوْلُ لُوْطٍ هٰـؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمَ اَنَّهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ الْفَرْجَ

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۱۰۲ کتاب النکاح۔)

ترجمہ:

موسیٰ بن عبدالملک ایک شخص سے بیان کرتا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے۔ کہ میں نے ابوالحسن امام رضا سے پوچھا کہ مرد، عورت کی پچھلی طرف سے وطی کرتا ہے (کیا یہ درست ہے؟) فرمایا۔ اس فعل کو کتاب اللہ کی ایک آیت حلال قرار دیتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا تھا۔ یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں۔ وہ تمہارے لیے پاک ہیں۔ اور یہ بات یقیناً معلوم ہے۔ کہ جن لوگوں کو حضرت لوط نے یہ کہا تھا وہ عورت کی اگلی شرمگاہ چاہتے ہی نہ تھے۔

توضیح:

اہل تشیع کے عقیدہ وطی فی الدبر کے جواز پر دو عدد حوالہ جات آپ نے ملاحظہ کیے۔ امام جعفر صادق کے حوالہ سے یہ کہا گیا۔ کہ اگر عورت اس طرح راضی ہے تو کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اگر اولاد کی طلب ہو۔ تو پھر وطی فی الدبر سے یہ حاصل نہیں ہوگی۔ وطی فی الدبر کے جواز پر آیت فأتوا حرثکم انی شئتم پیش کی۔ دوسرے حوالہ میں امام رضا نے لوط علیہ السلام کے قول سے وطی فی الدبر کو ثابت کیا۔ لیکن دونوں استدلال ناقابل قبول ہیں۔ کیونکہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو کھیتی فرما کر یہ اشارہ کیا۔ کہ مقام کھیتی میں آؤ۔ لیکن اس کے لیے کوئی خاص حالت مقرر نہیں۔ سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے، بیٹھ کر یا لیٹ کر۔ جیسے تمہاری مرضی لیکن مقام مخصوص میں وطی ہونی چاہیئے۔ اس مفہوم کو غلط طریقہ سے بیان کر کے حضرات ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنا نہایت دیدہ دلیری ہے۔

اسی طرح امام رضا کا استدلال جس آیت سے پیش کیا گیا۔ اگر وہ اسی طرح مفہوم لیے ہوئے ہو سکے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ تو حضرت لوط یوں کہتے قوم کے بیٹے اور نوجوان چھوکرے تمہارے لیے موجود ہیں۔ اُن سے جاؤ اپنی خواہش پوری کرو۔ میرے مہمانوں کو کیوں تنگ کرتے ہو۔ اور یہ کہنا کہ حضرت لوط نے انہیں قوم کی بیٹیوں سے لواطت کا حکم دیا۔ اللہ کے پیغمبر پر عظیم بہتان ہے قوم لوط پر عذاب اسی وجہ سے آیا۔ کہ وہ لواطت کرتے تھے۔ اگر لواطت عورتوں سے جائز تھی۔ تو پھر عذاب کس بات کا؟ اس لیے امام رضا کی طرف بھی یہ مفہوم غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے۔ بالفرض اگر وہی مطلب تسلیم کر لیا جائے۔ جو امام رضا کے حوالہ سے صاحب وسائل الشیعہ نے بیان کیا۔ تو پھر بھی ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ فعل پہلی امتوں کا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ فرما کر منسوخ کر دیا۔ "محاش النساء علی رجال امتی حرام" اب یہ کیسے ممکن کہ ان حضرات کو جو فیض نبوت سے مستفیض ہوں۔ وہ اس ارشاد کے خلاف حکم دیں۔ لہٰذا یہی کہنا پڑے گا۔ کہ اہل تشیع نے اپنے مذموم ارادوں کو برحق ثابت کرنے کے لیے حضرات ائمہ اہل بیت کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جب وطی فی الدبر کو ناجائز فرمایا۔ تو بناوٹی مجتہوں نے اُسے ان کے تقیہ پر محمول کیا۔ اس طرح اُن کی تنقیص شان کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ فرمائے۔

نوٹ

عورت کے ساتھ وطی فی الدبر میں اگرچہ علمائے اہل سنت میں سے چند

کے اقوال مختلف ہیں۔ لیکن جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے۔ کہ یہ فعل حرام ہے۔ اس کی حرمت پر چند حوالہ جات کتب اہل سنت سے ملاحظہ ہوں۔

حدیث ۱:

وَ اَمَّا حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتَى امْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا۔

(تفسیر مظہری زیر آیت نساء کم حرث لکم پارہ ۲ جلد اوّل ص ۲۶۱)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے۔ وہ ملعون ہے۔

حدیث ۲

عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اِتْيَانِ الْمَرْاَةِ فِيْ دُبُرِهَا فَقَالَ تَسْئَلُنِيْ عَنِ الْكُفْرِ۔

(تفسیر مظہری جلد اوّل ص ۲۶۲)

ترجمہ:

معمر، ابن طاؤس اور وہ اپنے باپ کی زبانی ایک شخص کی بات

بیان کرتے ہیں۔ کہ اس نے حضرت ابن عباس سے پوچھا۔ کہ عورت کی دُبر میں وطی کرنا کیسا ہے؟ تو اُسے ابن عباس نے فرمایا کہ تو نے کفر کے بارے میں مجھ سے سوال کیا ہے۔ (یعنی ایسا کرنا کفر ہے)

حدیث ۳

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَأَۃً فِیْ دُبُرِھَا فَقَالَ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

(احکام القرآن جلد اول صفحہ نمبر ۳۵۲)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص حیض والی عورت سے یا عورت کی دُبر میں وطی کرتا ہے۔ وہ ان تمام احکام کا انکار کر بیٹھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے۔

حدیث ۴

رَوٰی عِکْرَمَۃُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی اِمْرَأَۃً فِیْ دُبُرِھَا۔

(احکام القرآن جلد اول ص ۳۵۳)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب عکرمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا۔ جو عورت کی دُبر میں وطی کرے۔

حدیث ۵

عن عمرو بن شعیب عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ بِلَفْظِ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ یَأْتِی الْمَرْأَۃَ فِیْ دُبُرِھَا فَقَالَ ھِیَ لُوَاطَۃُ الصُّغْرٰی۔

(تفسیر مظہری پارہ۲ جلد اول ص ۲۶۲ زیر آیت نساءکم حرث لکم فأتوا الخ)

(ترجمہ)

عمرو بن شعیب اپنے باپ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں۔ کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ عورت کے ساتھ وطی فی الدبر کیسی ہے۔؟ آپ نے فرمایا۔ یہ چھوٹی لواطت ہے۔

تبصرہ:

مذکورہ پانچ عدد حوالہ جات سے ثابت ہوا۔ کہ وطی فی الدبر کا مرتکب ملعون ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہے۔ لواطت صغریٰ کا عامل

ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والا ہے۔

ان شدید وعیدات کے ہوتے ہوئے عورت کے ساتھ وطی فی الدبر کا جواز عجیب سا لگتا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر کہ قرآن کریم سے اس کے جواز پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ اور پھر انتہائے تعجب یہ کہ ایسی باتیں حضرات ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر کے کہی جا رہی ہیں۔ بخدا! یہ فعل انتہائی قبیح ہے۔ اور اسے طبع سلیم ہرگز جائز قرار نہیں دیتی۔ کیونکہ دُبر، گندگی کے اخراج کا مقام ہے۔ لہذا یہ فعل بالکل ناجائز اور خلافِ طبع ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

جب تک عورت کی غلیظ شرمگاہ نہ دیکھی جائے۔ جماع کی پوری لذت نہیں آتی

تہذیب الاحکام

اسحاق بن عمار بن ابی عبد اللہ علیہ السلام
فِي الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى امْرَأَتِهِ وَهِيَ عُرْيَانَةٌ
قَالَ لَا بَأْسَ بِذَالِكَ وَهَلِ اللَّذَّةُ إِلَّا ذَالِكَ

(تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۱۳ فی
سنۃ زفاف النساء الخ)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا۔
جو اپنی عورت کو برہنہ حالت میں دیکھتا ہے۔ کہ اس میں کوئی گناہ
نہیں ہے۔ اور درحقیقت جماع کی لذت اسی سے ہی مکمل

حاصل ہوتی ہے۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حوالہ میں سوال و جواب کا انداز بتلاتا ہے۔ کہ یہ ڈرامہ کسی شیعہ نے گھڑا ہے۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ کسی نے امام سے یہ پوچھ ہی لیا۔ کہ کیا عورت کو برہنہ حالت میں دیکھنا جائز ہے؟ تو اس کا جواب اتنا ہی کافی تھا۔ ہاں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بڑھانا کہ اس طرح سے جماع کی لذت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سوال سے کیا تعلق ہے؟ اس طرح کی روایات محض شہوت پرستی کے لیے بنائی گئی ہیں۔ لیکن ان میں جان ڈالنے کے لیے امام کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔

جماع میں مرد کی نسبت عورت ننانوے فیصد زیادہ لطف اندوز ہوتی ہے۔

وسائل الشیعہ

عن زرعۃ عن سماعۃ بن مہران عن ابی بصیر قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ

فَضُلَتِ الْمَرْأَةُ عَلَى الرَّجُلِ بِتِسْعَةٍ وَ تِسْعِيْنَ
مِنَ اللَّذَّةِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلْقٰى عَلَيْهَا الْحَيَاءَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴
ص ۱۴۱/کتاب النکاح)
(۲۔ فروع کافی جلد پنجم
ص ۳۳۹، کتاب النکاح)

ترجمہ:

ابوبصیر سے روایت ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ عورت نسبت مرد کے بوقت جماع ننانوے درجے زیادہ لذت پاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کو حیاء کے نیچے دبا دیا۔ (اس لیے وہ باوجود ننانوے درجے زیادہ لذت اندوز ہونے کے پہل نہیں کرتی)

خوبصورت عورت مل جائے۔ تو مرد کی بلغم ختم ہو جاتی ہے

وسائل الشیعہ

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

قال المرأة الجميلة تقطع البلغم والمرأة السوداء تهيج المرأة السوداء ....

عن محمد بن عبد الحميد عن بعض اصحابي عن ابي عبد الله عليه السلام انه شكا عليه البلغم فقال اما لك جارية تضحكك قال قلت لا قال فاتخذ ما فان ذالك يقطع البلغم

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ص ۲۷۔ باب، استحباب تزویج الجمیلۃ الخ)

(۲۔ فروع کافی جلد پنجم ص ۳۳۶ کتاب النکاح باب النوادر)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ خوبصورت عورت بلغم کو ختم کر دیتی ہے۔ اور کالی عورت پتہ کو ابھارتی ہے۔ .... یہی امام فرماتے ہیں۔ کہ کسی نے ان سے بلغم کی شکایت کی۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ کیا تمہارے پاس لونڈی نہیں جو تمہیں ہنسائے۔ عرض کیا۔ نہیں۔ فرمایا ایسی ضرور لے لو۔ کیونکہ اس سے تمہاری بلغم ختم ہو جائے گی۔

تبصرہ:

روایت مذکورہ بھی اُن روایات کی طرح ہی ہے۔ جو حضرات ائمہ اہل بیت کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں۔

آپ نے بغور دیکھا ہوگا۔ کہ اہل تشیع کسی اپنے فقہی مسئلہ پر ایسی حدیث پیش نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ایسی روایات کسی نہ کسی صحابی کے واسطے سے بیان ہوں گی۔ اور صحابی کوئی بھی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو "عدول" فرمادیا ہے۔ اس لیے ان سے ایسی واہی تباہی روایات کا ملنا ناممکن ہے۔ اسی لیے اہل تشیع ایسی روایات کو بیان کرنے وقت جن راویان کا نام سند میں لاتے ہیں۔ یعنی ابوبصیر، زرارہ وغیرہ تو یہ وہ لوگ ہیں۔ جن پر خود ائمہ اہل بیت نے لعن طعن کیا۔ کیونکہ ان کے کرتوت سامنے آچکے تھے۔ یہاں تک فرمادیا۔ کہ صرف ان کے کہنے پر ہماری کسی بات کو تسلیم نہ کرنا۔ جب تک وہ قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے مطابق نہ ہوں۔ اگر اسی طرح والی روایت کو لیا جائے۔ تو ہر ذی فہم یہی کہے گا۔ کہ اس قسم کی گری ہوئی بات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت نہیں کرتی۔ کیونکہ عورت کی خوبصورتی کوئی کثرت بلغم کا نشانہ نہیں جس سے مرد کی بلغم ختم ہو جاتی ہو۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو خوبصورت عورت کے خاوند کو کبھی بھی بلغم کی شکایت نہ ہوتی۔ اور یہ بات خلاف مشاہدہ ہے۔ اس لیے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ایسی روایات زرارہ، ابوبصیر وغیرہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ذات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ

مرد کے آلۂ تناسل کے بڑا ہونے کی حکایت

وسائل الشیعہ

عن برید بن معاویۃ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام
قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ
فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَحْمِلُ اَعْظَمَ مَا یَحْمِلُ
الرِّجَالُ فَہَلْ یَصْلُحُ لِیْ اَنْ اٰتِیَ بَعْضَ مَالِیْ مِنَ الْبَہَائِمِ
نَاقَۃٍ اَوْ حِمَارَۃٍ فَاِنَّ النِّسَاءَ لَا یَقْوِیْنَ عَلٰی مَا
عِنْدِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَمْ یَخْلُقْکَ حَتّٰی خَلَقَ لَکَ
مَا یَحْتَمِلُکَ مِنْ شَکْلِکَ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ وَلَمْ
یَلْبَثْ اَنْ عَادَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَہٗ مِثْلَ مَقَالَتِہٖ فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیْنَ اَنْتَ مِنَ السَّوْدَاءِ الْعَنَطْنَطَۃِ

قَالَ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ عَادَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا اِنِّىْ قَدْ طَلَبْتُ مَنْ اَمَرْتَنِىْ بِهٖ فَوَقَعْتُ عَلٰى شَكْلِىْ مِمَّا يَحْتَمِلُنِىْ وَقَدْ اَقْنَعَنِىْ ذَالِكَ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۳۸
کتاب النکاح)

ترجمہ:

برید بن معاویہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میرا آلۂ تناسل بہ نسبت اور مردوں کے بہت بڑا ہے۔ کیا میرے لیے یہ جائز ہے۔ کہ میں کسی چوپائے مثلاً اونٹنی یا گدھی کے ساتھ وطی کروں۔ کیونکہ عورتیں اس کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے پیدا کرتے وقت کوئی ایسی عورت بھی پیدا کی ہو گی۔ جو اس کو برداشت کر سکے گی۔ یہ سن کر وہ آدمی چلا گیا۔ پھر جلدی ہی آپ کے پاس واپس آ گیا۔ آپ نے اسے دوسری مرتبہ بھی وہی کچھ کہا جو آپ اسے پہلی مرتبہ فرما چکے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے کالے رنگ کی عورت نہیں ملی۔؟ یہ سن کر وہ لوٹا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آپ کے پاس آ گیا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق عورت

ڈھونڈی۔ تو مجھے ایسی مل گئی۔ اور وہ واقعی کالے رنگ کی تھی۔ اور اُس نے مجھے برداشت کر لیا ہے

تبصرہ

قارئین کرام! روایتِ بالا بے حیائی اور بے غیرتی کا مجموعہ نظر آتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا فحش سوال؟ غالباً یہ اولادِ آدم میں صرف ایک ہی مرد ہو گا۔ جس نے یہ شکایت کی۔ اور اُس کی قیل و قال بھی صرف اہل تشیع کے راویوں کو دستیاب ہو سکی۔

سے

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز!

جیسے راوی تھے، ویسا سائل مل گیا۔ اور جیسی ذہنیت تھی ویسی اُس سے باتیں مل گئیں۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ائمہ اہل بیت اس قسم کی لغو باتیں نہ سنتے تھے۔ نہ کسی کو اُن کے حضور ایسی باتیں کرنے کی ہمت ہوتی تھی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ شیطان نے اس قسم کی روایات کہاں بیٹھ کر ان کو سنائیں۔ انہوں نے بڑے شوق سے انہیں اپنی کتابوں کی زینت بنا کر اپنا مذہب بنا لیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسجد میں "پنج تن پاک" کے لیے جُنبی ہونا (وطی کرنا) جائز ہے (استغفر اللہ منہ)

یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں۔ کہ اہل تشیع کے تمام مسائل کی جڑ اور بنیاد مسئلہ خلافت و امامت ہے۔ اس منصب کے لیے انہوں نے ایسی شرائط گھڑ رکھی ہیں۔ جو مکمل طور پر نبوت میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کا نارِ نمرود میں پڑنا، آدم علیہ السلام کا جنت سے اخراج اور یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں مقید ہو جانا یہ سب مصائب انہیں اس بنا پر آن پڑے کہ ان حضرات نے امامت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش کی۔ اسی طرح ائمہ کے لیے اور بہت سی خصوصیات ان کے نزدیک ایسی ہیں۔ جو پیغمبروں میں نہیں۔ ایک عقیدہ یہ بھی ہے۔ کہ معصوم کا مسجد میں جنبی ہونا جائز ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

وسائل الشیعہ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِي بن الحسين قَالَ قَالَ

النَّبِیُّ صَلَّی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّجْنِبَ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنَا وَعَلِیٌّ وَ فَاطِمَۃُ وَالْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ وَ مَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِہٖ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۱۹۲۔
کتاب النکاح)

ترجمہ:

امام زین العابدین اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کہ اس مسجد (مسجد نبوی) میں جنبی ہونا ہمارے سوا کسی کے لیے حلال نہیں ہے۔ میں، علی، فاطمہ، حسن اور حسین۔ اور ان کی اولاد۔ کیونکہ وہ مجھ سے ہیں۔

لمحہ فکریہ

اس روایت کو جس عنوان کے تحت درج کیا گیا۔ وہ یہ ہے۔ تحریم الجماع و الانزال فی المسجد لغیر المعصوم۔ یعنی معصومین کے سوا تمام لوگوں کے لیے مسجد میں جماع کرنا اور انزال ہونا حرام ہے۔

عنوان مذکورہ اور قرآن کریم کی یہ آیت دونوں کا تقابل کریں۔ وَعَہِدْنَا اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَہِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔

ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) سے یہ عہد لیا کہ وہ دونوں میرے گھر (کعبہ مکرمہ) کو طواف کرنے اور اعتکاف بیٹھنے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھیں۔ اللہ تعالیٰ دو اولوالعزم پیغمبروں کو مسجد کی طہارت

کا حکم فرما رہا ہے۔ جو بالاتفاق معصوم ہیں۔ لیکن اہل تشیع مختلف فی المعصومیت حضرات کے لیے مسجد میں جنبی ہونے کی اجازت دے رہے ہیں۔ گویا مسجد نہیں کوئی امام باڑہ ہے۔ اور پھر اس اجازت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت کی طرف کر دی گئی۔ اور اپنے زعم فاسد میں یہ لوگ ائمہ اہل بیت کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔ کیا قرآن کریم کے احکام کی مخالفت کرنے کو فضیلت کہا جاتا ہے۔؟ یہ تو ان سے نہ جانے کس بات کا بدلہ لیا جا رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

نوٹ:

روایت مذکورہ کی اگر کوئی شیعہ یہ تاویل کرے۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حالتِ جنابت میں ائمہ معصومین کے سوا کسی دوسرے کا مسجد سے گزرنا منع ہے، مسجد میں جنبی ہونا اس کا مفہوم نہیں ہے۔ تو اس تاویل کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے معصومین کی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اگر شیعہ اس بر بدک کر یہ کہہ دے۔ کہ اہل سنت کی کتب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موجود ہے۔ کہ وہ بحالتِ جنابت مسجد سے گزر سکتے ہیں۔ تو اس کا بھی اہل تشیع کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اوّل اس وجہ سے کہ اس روایت پر جرح کی گئی ہے۔ دوم اس وجہ سے بھی کہ اس روایت میں گزرنے کا لفظ موجود ہے۔ لیکن تمہاری روایت اپنے عنوان سے ثابت کرتی ہے۔ کہ اس سے مراد مسجد میں جماع کرنا ہے۔ حالتِ جنابت اتفاقیہ ہو جائے۔ جیسا کہ مسافر یا معتکف کو سونے میں انزال ہو گیا۔ اسے مسجد سے گزر کر باہر نکلنا پڑے گا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ لیکن یہ "جماع کرنا،، تو نہیں۔ معصومین کے لیے اگر یہی مسئلہ ثابت کر رہے ہو۔ تو اس میں ان کی کون سی فضیلت بیان ہوئی۔ یہ تو غیروں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے عنوان بیانگ دہل کہہ رہا ہے۔ کہ اہل تشیع

کے نزدیک معصومین کی فضیلت اسی طرح مانی جائے گی۔ کہ وہ مسجد میں جماع، دیدہ دانستہ کریں اور انہیں انزال ہو۔ تو اُن کے لیے جائز اور دوسروں کے لیے حرام۔ ظالموں کو یہ فضیلت بیان کرتے ہوئے شرم نہ آئی۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو بھی شامل کر لیا۔ جن کی طہارت اور پاکدامنی ضرب المثل ہے۔ اور بروز حشر جب اُن کا گزر ہوگا۔ تو حکم ہوگا۔ لوگو! اپنی اپنی نگاہیں جھکا لو۔ کیونکہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کا گزر ہونے والا ہے۔ ایک طرف اُن کی یہ عظمت اور دوسری طرف مسجد میں ان کا جماع کرانا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خدا کی قسم! اس تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل گواہی دیتا ہے کہ ان پانچ مقدس ہستیوں کے بارے میں اہل تشیع نے جو بکواس کی۔ اس کے باعث ان کی گرفت یقیناً ہو گی۔ اور رب ذوالجلال کے حضور ان "بنادٹی محبوں" کی وہ گت بنے گی۔ کہ قارون و فرعون بھی دیکھتے رہ جائیں گے اور بڑی سے بڑی سزا اور عقاب، پانے والا ان پر تھوکے گا۔ انہیں دھتکارے گا، ان پر پھٹکار کہے گا۔

اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیکم دشمنانِ اہل بیت
(مولانا حسن رضا خاں)

☆

مسئلہ یازدہم

سیدہ فاطمہ کے زفاف کے وقت ستّر ہزار فرشتوں نے تکبیر بلند کی (معاذاللہ)

وسائل الشیعہ

محمد بن علی بن الحسین باسنادہ عن جابر بن عبد اللہ قَالَ لَمَّا زَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاطِمَۃَ مِنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَتَاہُ النَّاسُ فَقَالُوْا لَہٗ اِنَّکَ قَدْ زَوَّجْتَ عَلِیًّا بِمَھْرٍ خَسِیْسٍ فَقَالَ مَا اَنَا زَوَّجْتُہٗ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ زَوَّجَہٗ اِلٰی اَنْ قَالَ فَلَمَّا کَانَ لَیْلَۃُ الزِّفَافِ اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِبَغْلَتِہِ الشَّھْبَاءِ وَثَنٰی عَلَیْھَا قَطِیْفَۃً وَقَالَ لِفَاطِمَۃَ اِرْکَبِیْ وَاَمَرَ سَلْمَانَ اَنْ یَّقُوْدَھَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسُوْقُھَا فَبَیْنَمَا ھُوَ فِیْ بَعْضِ الطَّرِیْقِ اِذَا سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجْبَۃً فَاِذَا

جِبْرَئِيْلُ فِي سَبْعِيْنَ اَلْفًا وَمِيْكَائِيْلُ فِي سَبْعِيْنَ اَلْفًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَهْبَطَكُمْ اِلَى الْاَرْضِ فَقَالُوْا جِئْنَا نَزُفُّ فَاطِمَةَ اِلٰى زَوْجِهَا وَكَبَّرَ جِبْرَائِيْلُ وَكَبَّرَ مِيْكَائِيْلُ وَكَبَّرَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَكَبَّرَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوُضِعَ التَّكْبِيْرُ عَلَى الْعَرَائِسِ مِنْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۶۲-۶۳ کتاب النکاح)

ترجمہ:

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ سے کر دیا۔ تو لوگوں نے آپ سے کہا۔ آپ نے اپنی بیٹی کی شادی علی کے ساتھ معمولی سے حق مہر پر کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے یہ شادی نہیں کرائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کرائی ہے۔ یہاں تک کہ جب شب زفاف آئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغلہ شہباء کے ساتھ تشریف لائے۔ اس پر ایک چادر آپ نے ڈالی ہوئی تھی۔ سیدہ فاطمہ کو فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ۔ سلمان فارسی اس کو آگے سے پکڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے ہانکتے جا رہے تھے راستہ میں اچانک آپ نے فرشتوں کے پروں کی آواز سنی۔ دیکھا کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں ستر ستر ہزار فرشتے لیے ساتھ آ رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ زمین کی طرف آنے کی

کیا وجہ ہوئی؟ کہنے لگے۔ ہم سیدہ فاطمہ کے زفاف کی تقریب پر گئے ہیں۔ اور جبرئیل و میکائیل اور تمام فرشتوں نے تکبیر کہی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تکبیر کہی۔ اس وجہ سے (شیعہ) دلہن پر تکبیر کہنا سنت ہو گئی۔

جلاء العیون:

جب شبِ زفاف آئی۔ تو جبرئیل و میکائیل و اسرافیل مع ستر ہزار فرشتوں کے زمین پر آئے۔ اور دلدل جناب فاطمہ کے لیے لائے۔ جبرئیل نے لگام اس کی پکڑی اور اسرافیل نے رکاب تھامی۔ اور میکائیل پہلو سے دلدل میں تھے اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جامہائے فاطمہ دستِ مبارک سے تھامے ہوئے تھے۔ پس جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و جمیع ملائکہ نے تکبیر کہی۔ اور تکبیر کہنا سنتِ شب زفاف ہوا۔

(جلاء العیون ترجمہ اردو۔ جلد اوّل ص۔ ۲۵
مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی)

جلاء العیون:

ایضاً بسند حسن جناب صادق سے روایت کی ہے۔ کہ حلال چیز بیان کرنے میں غیرت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف جناب علی اور جناب فاطمہ سے فرمایا۔ کہ جب تک میں نہ آؤں کام نہ کرنا۔

(جلاء العیون جلد اوّل ص ۲۵۱ (اردو ترجمہ)

لمحہ فکریہ:

حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں نجس روایات لکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن "فقہ جعفریہ" میں مسائل نکاح کے ضمن میں جب اسے اہل تشیع نے ذکر کیا۔ تو قارئین کرام کی اطلاع کے لیے اسے تحریر کر دیا گیا۔ تاکہ اسے پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔ کہ ان کی فقہ کو عقل و نقل سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس لیے بھی تاکہ ان کی فقہ کے ماخذ بھی آپ کے سامنے آ جائیں۔

جلاء العیون کی دوسری روایت کہ جس میں یہ درج ہے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف جناب علی اور جناب فاطمہ سے فرمایا۔ کہ جب تک میں نہ آؤں کام نہ کرنا"، کس قدر بے حیائی اور بے شرمی بیان کی جا رہی! ایسی غلیظ عبارت کسی غلیظ ذہن کی پیداوار ہو سکتی ہے۔ پھر کون ہے وہ شیعہ جو ان روایات پر عمل کر کے دکھا سکے۔ اپنی بچی کی شادی رچائے۔ اور جب اس کی بچی اور داماد بستر زفاف پر جائیں۔ تو پوری برادری سے کہ ان کی طرف روانہ ہو پڑے۔ اور پیغام بھجوا دے۔ کہ جب تک میں نہ آؤں۔ صبر کرنا، خبردار کوئی حرکت نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض اہل تشیع جب یہ انوکھی بات سنتے ہیں۔ تو کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ ایسی کوئی روایت ہماری کتابوں میں نہیں ہے۔ ان کا انکار اگرچہ ناقابلِ قبول ہے۔ پھر بھی کچھ شرم آتی ہے۔ اور ایسی بات کو بے غیرتی سمجھا جاتا ہے۔ تبھی تو انکار پر اتر آتے ہیں۔ ورنہ دھڑلے سے کہہ دیں۔ کہ ہاں۔ یہ روایت ہے۔ اور ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ بہر حال اس پر عمل کے پیش نظر، ہم نے مذکورہ حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ اور وہ بھی ان کی کتب مشہورہ سے تاکہ بطور نمونہ سند رہیں۔ ان میں سے کوئی ایک حوالہ بھی

غلط ثابت ہو جائے۔ تو بیس ہزار نقد انعام ملے گا۔ "محبت اہل بیت" کا شور اور ان پاکیزہ حضرات کے بارے میں ایسی غلیظ اور لچر عبارات۔ خدا عقل دے۔ تو راہ ہدایت اپنا لیں۔ اور جھوٹے دعووں سے نکل کر حقیقی محبت و اطاعت میں آجائیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

جماع کثرت سے کرنا پیغمبروں کی سنت ہے (معاذ اللہ)

وسائل الشیعہ

عن معمر ابن خلاد قال سمعت علی بن موسی الرضا علیہ السلام یَقُولُ ثَلَاثٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْعِطْرُ وَ اِحْفَاءُ الشَّعْرِ وَکَثْرَۃُ الطَّرُوقَۃِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۱۷۹
باب استحباب کثرۃ الزوجات الخ)

ترجمہ:

معمر بن خلاد کہتا ہے۔ کہ میں نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے سنا فرمایا۔ تین باتیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں۔ (۱) خوشبو لگانا۔ (۲) بالوں کا ہلکا رکھنا۔ (۳) بہت زیادہ جماع کرنا۔

وسائل الشیعہ

عن الحسن بن الجهم قال رايت ابا الحسن اختضب الى ان قال ثم قال ان من اخلاق الانبياء التنظف والتطيب وحلق الشعر وكثرة الطروقة ثم قال كان لسليمان ابن داود الف امراة فى قصر واحد ثلث مائة مهيرة وسبع مائة سرية وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم له بضع اربعين رجلا وكان عنده تسع نِسْوَةٍ وكان يطوف عليهن فى كل يوم وليلة۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۱۸۱ کتاب النکاح)

ترجمہ:

حسن بن جہم کہتا ہے۔ کہ میں نے ابوالحسن کو خضاب لگاتے دیکھا۔ پھر آپ نے یہ فرمایا۔ کہ انبیائے کرام کے اخلاق میں سے یہ باتیں بھی ہیں۔ صاف ستھرا رہنا، خوشبو لگانا، بال مونڈنا اور کثرت سے جماع کرنا۔ پھر ابوالحسن یعنی علی المرتضیٰ نے فرمایا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک محل میں ایک ہزار بیویاں تھیں۔ جن میں سے تین سو آزاد اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں سے زائد کی طاقت عطا فرمائی گئی۔ آپ کے

نکاح میں نو بیویاں تھیں۔ اور آپ ہر دن رات ان سب کے پاس جایا کرتے تھے۔ (یعنی جماع کیا کرتے تھے)

وسائل الشیعہ

عن هشام ابن سالم عن ابی عبد الله علیہ السلام قال ان ابابکر وعمر اتیا ام سلمة فقالا لها یا ام سلمة انك قد كنت عند رجل فكيف رسول الله صلی الله علیہ وسلم من ذاك فقالت ما هو الا کسائر الرجال الی ان قال فغضب رسول الله صلی الله علیہ وسلم ثم قال فلما كان من السحر هبط جبرئیل بصفحة من الجنة كان فيها هريسة فقال يا محمد هذه عملها لك الحور العين فكلها انت وعلی وذریتکما فانه لا یصلح ان یاکلها غيركم فجلس رسول الله صلی الله علیہ وسلم وعلی وفاطمة وحسن وحسین فاکلوا منها فاعطی رسول الله صلی الله علیہ وسلم فی المُبَاضَعَةِ من تلك الاكلة قوة اربعين رجلا فكان اذا شاء غشی نساءه كلهن فی لیلة واحدة

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۱۸۱ کتاب النکاح)

ترجمہ:

ہشام بن سالم جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق ایک مرتبہ ام سلمہ کے پاس آئے۔ اور پوچھا۔ اے ام سلمہ! تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت میں کیسا پایا؟ کہنے لگیں۔ آپ بھی عام مردوں کی طرح ہیں۔ یہاں تک امام جعفر نے بیان کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے۔ پھر کہا کہ جب سحری کا وقت ہوا۔ تو جبرئیل جنت سے ایک پیالہ لیے حاضر ہوئے۔ جس میں ہریسہ تھا۔ اور کہا کہ جنتی حور العین نے آپ کے لیے تیار کیا ہے کہ آپ اور علی المرتضیٰ اور ان کی اولاد اسے تناول فرمائیں۔ تمہارے بغیر کسی دوسرے کے لیے اس کا کھانا اچھا نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علی فاطمہ حسن و حسین بیٹھ گئے۔ اور اس میں سے کھایا۔ لہٰذا اس خوراک کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔ اور آپ جب چاہتے ایک ہی رات میں اپنی تمام بیویوں سے ہم بستری کر لیتے۔

لمحہ فکریہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے "کثرتِ جماع" کو انبیائے کرام کا خلق بتایا گیا۔ کوئی بھلا مانس بتلائے کہ کثرتِ جماع اور اچھے اخلاق ان دونوں کا کیا تعلق ہے۔ اور پھر اسے اخلاق پیغمبرانہ میں سے شمار کرنا کس قدر گھٹیا پن ہے۔ روایت مذکورہ میں دبے الفاظ میں حضرات شیخین کے ساتھ بغض و عداوت کا بھی اظہار کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب ان دونوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی طاقت کے بارے میں پوچھا۔ تو اس کو سن کر حضور ان پر غصے ہوئے۔ یہ کوڑھ باطنی کا اظہار ہے۔ کیونکہ دونوں حضرات نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا تھا اس سے زائد کی باتیں اُسی باطنی کورین کی منظر ہیں پھر قصہ جس طرح گھڑا گیا اس پر بھی عقل ماتم کرتی ہے۔ کہ حضور، حضرت علی اور آپ کی اولاد کے لیے ہریسہ جبرئیل لائے۔ جب اس کے کھانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت مردمی چالیس اشخاص کے برابر ہو گئی۔ تو بقیہ حضرات میں اس ہریسہ نے کیوں اثر نہ کیا۔ ؟ اگر بنظر غائر دیکھا جائے۔ تو اس میں سیدہ خاتون جنت کی انتہائی گستاخی اور توہین موجود ہے۔ چالیس گنا طاقت کا فارمولا ان پر بھی لاگو کیا جائے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ انہیں (معاذ اللہ) چالیس مردوں کی ضرورت تھی۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جناب سیدہ خاتون جنت کی ذات کے بارے میں بازاری واقعات اور دبے لفظوں میں ان کی توہین "عبداللہ بن سبا" کی تعلیم کا اثر ہے۔ اور کچھ نہیں۔

مرغ میں پیغمبروں کی پانچ خصلتیں موجود ہیں
اس سے یہ عادتیں تم بھی سیکھو

وسائل الشیعہ

عن ابی الحسن علیہ السلام قال فی الدیک

خَمْسُ خِصَالٍ مِنْ خِصَالِ الْاَنْبِيَاءِ اَلسَّخَاءُ وَالْقَنَاعَةُ وَالْمَعْرِفَةُ بِاَوْقَاتِ الصَّلٰوةِ وَكَثْرَةُ الطُّرُوقَةِ وَالْغَيْرَةُ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۳۸۲
کتاب الحج ابواب احکام
الدواب)

ترجمہ:

ابوالحسن کہتے ہیں۔ کہ مرغ میں پانچ عادتیں، پیغمبروں کی پانچ عادتوں کی طرح ہیں۔ سخاوت، صبر، اوقات نماز کی پہچان، کثرت سے جماع کرنا اور غیرت۔

وسائل الشیعہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا مِنَ الدِّيْكِ خَمْسَ خِصَالٍ مُحَافَظَتُهُ عَلٰى اَوْقَاتِ الصَّلٰوةِ وَالْغَيْرَةُ وَالسَّخَاءُ وَالشُّجَاعَةُ وَكَثْرَةُ الطُّرُوقَةِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۱۷۹
کتاب النکاح)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! مرغ سے پانچ عادتیں تم بھی سیکھو۔ ۱۔ اوقات نماز پر محافظت۔ ۲۔ غیرت۔ ۳۔ سخاوت

۴۔بہادری۔ ۵۔بکثرت جماع کرنا۔

تبصرہ:

"جماع بکثرت کرنا" چونکہ اہل تشیع کے نزدیک خلقِ پیغمبرانہ ہے اس لیے اس کو اپنانا ہر "مومن" کے لیے ضروری ہے اس کے علاوہ چار اخلاق تو اُن پر عمل کرنا اور انہیں اپنانا گھاٹے کا سودا ہے۔ نمازوں کے اوقات کی پابندی کی کیا ضرورت ہے۔ بس سال میں ایک آدھ مرتبہ ماتم کر لیا۔ کمی پوری ہو گئی۔ غیرت کا جنازہ متعہ نے نکال دیا سخاوت ذوالجناح کے سر چڑھ گئی۔

شجاعت، زنجیرزنی میں چلی گئی۔ اب مُرغ بننے کے لیے کثرتِ جماع کی "مومن" کو ضرورت تھی۔ وہ بڑی پسند آئی۔ "فقہ جعفریہ" کیا ہوئی۔ خواہشات نفسانیہ کے حصول کا ہی ایک بہانہ ٹھہرا اور بدنام حضرات ائمہ اہل بیت کو کیا جا رہا ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ)

مسئلہ چہاردہم

جنّت میں سب سے زیادہ پُرلطف اور لذیذ بات "جماع" ہے

وسائل الشیعہ

عن جمیل بن دراج قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ما تلذذ الناس فی الدنیا والاخرۃ بلذۃ اکثر لھم من لذۃ النساء و ھو قول اللہ عزوجل زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین الخ ثم قال وان اھل الجنۃ ما یتلذذون بشئ من الجنۃ اشھی عندھم من النکاح لا طعام ولا شراب۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۱۰)

(۲۔ فروع کافی جلد ۵ ص ۳۲۱ کتاب النکاح)

ترجمہ:

جمیل بن دراج کہتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا

دنیا و آخرت میں جو بھی لذتیں لوگ پاتے ہیں۔ (یا پائیں گے) ان سب میں سے عورتوں کے ساتھ جماع کی لذت بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے لیے عورتوں کے ساتھ شہوات پورا کرنا خوبصورت کر دیا گیا ہے،، پھر فرمایا۔ کہ جنتی لوگ نہ کسی خوردنی شئی اور نہ کسی پینے والی چیز سے اتنی لذت حاصل کر پائیں گے۔ جو انہیں نکاح کے ساتھ حاصل ہو گی۔

وسائل الشیعہ

عن علی بن حسان عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا قَالَ سَأَلَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَیُّ شَیْئٍ اَلَذُّ؟ قَالَ فَقُلْنَا غَيْرُ شَيْئٍ فَقَالَ هُوَ اَلَذُّ الْاَشْيَاءِ مُبَاضَعَةُ النِّسَآءِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۱۰
کتاب النکاح باب استحباب
حب النسآء مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

علی بن حسان اپنے بعض اصحاب سے بیان کرتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق سے ہم نے پوچھا۔ کون سی چیز سب سے زیادہ لذت دینے والی ہے؟ ہم نے مختلف چیزوں کے نام لیے۔ آپ نے فرمایا۔ سب سے زیادہ لذت دینے والی چیز عورت کا فرج ہے۔ (یعنی عورت سے جماع کرنا)

مسئلہ پنجدہم

جماع کے لیے لونڈی ادھار دینی جائز ہے

فروع کافی

عَن ابی العباس البقباق قَالَ سَالَ رَجُلٌ اَبَا عَبدِ اللّٰہِ عَلَیہِ السَّلامُ وَ نَحنُ عِندَہٗ عَن عَارِیَۃِ الفَرجِ فَقَالَ حَرَامٌ ثُمَّ مَکَثَ قَلِیلاً ثُمَّ قَالَ لٰکِن لَا بَاسَ اَن یُحِلَّ الرَّجُلُ الجَارِیَۃَ لِاَخِیہِ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۷۰ کتاب النکاح)

ترجمہ:

ابوالعباس بقباق کہتا ہے۔ کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے پوچھا۔ ہم اس وقت امام کے پاس موجود تھے۔ کیا عورت کی شرمگاہ ادھار دینی جائز ہے۔؟ آپ نے فرمایا۔ حرام ہے۔ پھر کچھ دیر ٹھہر کر فرمانے لگے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی لونڈی اپنے کسی بھائی کو ادھار دے دے۔ (تاکہ وہ اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھا سکے) تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف سے مذکورہ اباحت و اجازت کو ذکر کرنا، بہت بڑی دیدہ دلیری ہے۔ لونڈی کو بغیر نکاح کیے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو وطی کے لیے ادھار دینا اور ایک عام بازاری عورت جس کا وطی کرانا پیشہ ہو۔ ان دونوں میں پھر کیا فرق ہے۔ بلکہ بازاری عورت کچھ نہ کچھ معاوضہ طلب کرے گی۔ جسے متعہ کہہ لیں گے۔ لیکن بے چاری لونڈی کو جب اس کے مولی نے مفت میں دے دیا۔ تو اسے کیا ملے گا۔ روایت مذکورہ کی اگر کوئی شیعہ یہ تاویل کرے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ مولی اپنی لونڈی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ مفت میں کر دے۔ تو یہ جائز ہے۔ یہ تاویل قطعاً مقام و محل کے مطابق نہیں۔ کیونکہ اگر بذریعہ نکاح اباحت و جواز ثابت کرنا تھا۔ تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور اسے ہر مسلمان جانتا ہے۔ اس کے لیے امام صاحب سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی اس لیے امام جعفر نے پہلے اسے حرام فرمایا۔ کیا کسی شخص کو اپنی بیٹی یا دیگر رشتہ دار خواتین کا نکاح کر دینا آپ نے حرام کہا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ حرام اسے کہا کہ مفت میں بطور ادھار کوئی عورت اپنی شرمگاہ یا اس عورت کا والی کسی کے لیے مباح کر دے۔ اس لیے یہ تاویل غلط ہے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ "فقہ جعفریہ" میں بے حیائی اور بے غیرتی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ ایسی باتوں کی نہ ائمہ اہل بیت اجازت دے سکتے ہیں۔ اور نہ قرآن و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سب ابوبصیر زرارہ وغیرہ کی اختراعات ہیں۔

مسئلہ شش ہم

محرم عورتوں کے ساتھ لفِ حریر کی صورت میں جماع کی اجازت

"لفِ حریر"، فقہ جعفریہ کا ایک مابہ الامتیاز قبیح مسئلہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کوئی مرد اپنے آلۂ تناسل پر کوئی ریشمی کپڑا لپیٹ لے۔ اور پھر اپنی ماں، بہن اور بیٹی وغیرہ سے جماع کرے۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ اس مسئلہ کے بارے میں سن کر کوئی یقین نہ کرے۔ اور اسے اہل سنت کی طرف سے اہل تشیع پر الزام کہے۔ اس لیے ہم اس احتمال کو دُور کرتے ہوئے فقہ جعفریہ کی پسندیدہ اور معتبر کتب سے چند حوالہ جات درج کرتے ہیں۔ حوالہ غلط ہونے کی صورت میں فی حوالہ بیس ہزار روپے نقد انعام ملے گا۔

ذخیرۃ المعاد

سوال۔ اگر شخص آلت خود بہ پیچید بدست مال حریر دنحواں کہ مماست حاصل نشود در زمان جماع و ہم چنیں مماست حاصل نشود بجہت کشادفرج یا باریک آلت آیا غسل واجب است یا نہ۔

۔جواب۔ لزوم

غسل خالی از قوت نیست واز ابو حنیفہ نقل شدہ کہ جماع در فرج محارم بلف حریر جائز است۔

(ذخیرہ المعاد مصنفہ شیخ زین العابدین ص ۹۵ باب طہارت غسل جنابت، مطبوعہ لکھنو طبع قدیم)

ترجمہ:

سوال۔ اگر کوئی شخص (مرد) اپنے آلہ تناسل پر ریشمی رومال وغیرہ، پلیٹ لے۔ کہ جس سے آلہ تناسل اور عورت کی شرمگاہ آپس میں چھونے نہ پائیں۔ اس طرح مرد عورت جماع کریں۔ یا مرد اور عورت کی شرمگاہ باہم اس لیے نہ چھوئیں۔ کہ عورت کی شرمگاہ بہت فراخ اور کھلی ہو۔ یا مرد کا آلہ تناسل بہت زیادہ باریک ہو۔ تو کیا اس کے بعد غسل واجب ہوگا۔ یا نہیں؟ جواب۔ غسل کا لازم ہونا زیادہ قوی نظر آتا ہے۔ اور ابو حنیفہ سے منقول ہے۔ کہ محرم عورت کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔ جبکہ مرد نے اپنے آلہ تناسل پر ریشمی کپڑا لپیٹا ہوا ہو۔

☆

مذکورہ حوالہ میں آپ نے لفِ حریر کے ساتھ اپنی محارم سے وطی کے جواز کا قائل ابوحنیفہ کنیت کا ایک شخص پڑھا۔ بدحواسی کے عالم میں اس سے جان چھڑانے کے لیے اہل تشیع یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ مسئلہ ہمارا نہیں۔ بلکہ ابوحنیفہ کا ہے۔ اور ابوحنیفہ وہی ہے جو اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک امام ہو گزرا ہے۔ ہمارے بزرگوں میں اس کنیت کا کوئی مجتہد یا عالم نہیں ہوا۔ یہی بات اسماعیل گوجروی نے ۱۹۵۷ء میں علامہ محمود احمد رضوی کے ساتھ مناظرہ کے دوران کہی۔ اور اس پر شیعہ رسائل واخبارات نے بڑا زور لگایا۔ اب ان حالات میں ہم لف حریر والے ابوحنیفہ کا شجرہ نسب اور اس کی علمی وعملی زندگی کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اہل تشیع کی معتبر کتابوں سے۔ تاکہ واضح ہو جائے۔ کہ یہ ابوحنیفہ، کنیت والا مذہب شیعہ میں ایک عالم تھا۔ اس سے انکار کرنا محض فریب اور دھوکہ ہے۔

مجالس المؤمنین

القاضی ابوحنیفہ النعمان بن محمد بن منصور بن حیون المغربی در تاریخ

ابن خلکان و ابن کثیر شام مسطور است او یکے از فضلائے مشار الیہ بود در علم فقہ و دین و بزرگی و مرتبہ رسید بود کہ مزید براں متصور نہ بود۔
و در اصل مالکی مذہب بود و بعد ازآں بمذہب امامیہ انتقال نمودو اورا مصنفات بسیار است مانند کتاب اختلاف اصول مذاہب و کتاب اختیار در فقہہ و کتاب الدعوۃ للعبیدیین و از ابن تسولاق روایت نمودہ کہ نعمان ابن محمد القاضی در غایت فضل و از اہل قرآن و عالم بمعانی آں بود و عالم بود بوجوہ فقیہہ از اختلاف فقہاء و عارف بود بوجوہ لغت و شعر و تاریخ و بحلیۂ عقل و انصاف آراستہ بود و در مناقب اہل بیت چندیں ہزار ورق تالیف نمودہ بود و او را کتابہاست کہ در آں جا رد برابو حنیفہ کوفی، و مالک و شافعی و ابن شریح و غیر ایشاں از مخالف نمودہ و از مصنفات او کتاب اختلاف الفقہاء است در آں جا نصرت مذہب اہل بیت نمودہ و او را قصیدہ است در علم فقہہ و ابو حنیفہ مذکور ہمراہ معز الدین اللہ خلیفہ فاطمی از مغرب در مصر آمدہ در ماہ رجب سنہ ثلاث وستین و ثلثمائۃ در مصر وفات یافت و او را اولاد امجاد نجبائے فضلائے بود۔

(مجالس المومنین جلد اول ص ۵۳۹ تذکرہ القاضی ابو حنیفہ نعمان بن محمد الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

قاضی ابو حنیفہ نعمان بن منصور بن حیون المغربی۔ تاریخ ابن خلکان اور ابن کثیر میں لکھا ہوا ہے۔ کہ یہ اُن فضلاء میں سے ایک تھا جو

جانے پہچانے شہرت رکھنے والے تھے۔ علم فقہ، دین اور بزرگی میں انتہائی مرتبہ پر فائز تھا۔ دراصل امام مالک کے مذہب پر کاربند تھا۔ لیکن بعد میں مذہب امامیہ (شیعہ) قبول کر لیا۔ اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ مثلاً کتاب اختلاف اصول مذاہب، کتاب اختیار در فقہ، کتاب الدعوۃ وغیرہ۔ ابن تولاق سے منقول ہے۔ کہ یہ شخص (نعمان بن محمد القاضی) انتہائی فاضل اور قرآن کریم کے معانی کا بہت بڑا عالم تھا۔ اور فقہی اختلاف پر اسے ید طولی حاصل تھا۔ نعت، شعر اور تاریخ میں ماہر تھا۔ اور عقل و انصاف سے مزین تھا۔ اہل بیت کے مناقب میں کئی ہزار اوراق لکھے۔ اور اس کی کئی کتابوں میں امام ابوحنیفہ کوفی، امام شافعی، امام مالک اور قاضی شریح وغیرہ کا رد موجود ہے۔ اس کی تصانیف میں سے اختلاف الفقہاء نامی کتاب بھی ہے۔ اس میں اس نے مذہب اہل بیت کی ڈٹ کر تائید کی علم فقہ میں اس کا ایک قصیدہ بھی ہے۔ یہ ابوحنیفہ معزالدین اللہ، فاطمی خلیفہ کے ہمراہ مصر آیا۔ اور یہ واقعہ ۳۶۳ھ رجب کا ہے مصر میں ہی اس کا انتقال ہوا۔ اور اس کی اولاد میں سے بھی عالم فاضل پیدا ہوئے۔

توضیح:

مذکورہ حوالہ جس مصنف کا ہے۔ وہ اہل تشیع میں "شہید ثانی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور مذہب امامیہ میں اس کا بہت اونچا مقام و مرتبہ ہے۔ اس (یعنی نور اللہ شوستری) نے اپنی مذکورہ تصنیف میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے

جو ان کے ہاں مسلمہ شخصیات تھے۔ اس میں ابو حنیفہ نعمان کا ذکر کیا اور لکھا کہ۔

۱۔ اس کا ابتداءً مسلک مالکی تھا۔ پھر یہ مذہب امامیہ میں آ گیا۔

۲۔ اس کی تصانیف بکثرت ہیں۔ جن میں اہل سنت کے ائمہ اربعہ اور دیگر حضرات کی سخت تردید کی۔

۳۔ خلیفہ معز لدین اللہ فاطمی کا چہیتا تھا۔ یہی اسے اپنے ساتھ مصر لایا۔ اور مصر میں ہی اس کا انتقال ہوا۔

۴۔ اس کا انتقال ۳۶۳ھ میں ہوا۔

۵۔ اس نے اپنی کتب میں مستقل طور پر مذہب امامیہ کی تائید میں دلائل دیئے۔

یہ تھا مختصر خاکہ ابو حنیفہ نعمان شیعی کا جس کے بارے میں اہل تشیع یہ کہتے نہیں تھکتے کہ ہمارا اس نام کا کوئی عالم نہیں گزرا۔ اب تقابلی طور پر اس ابو حنیفہ کا سوانحی خاکہ بھی ملاحظہ ہو جائے۔ جو ابو حنیفہ نعمان بن ثابت اہل سنت کا عظیم امام ہوا ہے۔

یہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ہیں۔ (یعنی ان دونوں کی ولدیت جدا جدا ہے۔

ان کا سن ولادت ۸۰ھ اور وصال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ (لہٰذا شیعی ، ابو حنیفہ ان کے تقریباً۔ دو سو سال بعد انتقال کرتا ہے۔)

ان کا رد ابو حنیفہ شیعی نے لکھا۔ وہ قاضی تھا یہ اس عہدہ کو ٹھکرانے والے تھے۔

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا انتقال بغداد میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔ لیکن شیعی ابو حنیفہ مصر میں وصال کرتا ہے۔ اور وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

آخری بات یہ ہے۔ کہ ہم نے "ولفِ حریر" کا مسئلہ جس کتاب سے ذکر کیا وہ شیخ زین العابدین شیعی کی تصنیف ہے۔ اور اس کا اصل موضوع مسلک شیعہ کے مطابق سوال اور پھر اس کا جواب لکھنا ہے۔ سوال و جواب مسمیٰ بہ ذخیرۃ المعاد۔ جب اس کتاب میں امامیہ مسلک کے سوال و جواب مذکور ہیں۔ تو پھر یہ جواب ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سنّی کی طرف سے اس میں درج کرنے کا کیا تک ہو سکتا ہے؟ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ "ولفِ حریر" کا مسئلہ گھڑنے والا ابو حنیفہ نامی ایک شیعہ عالم ہے۔ اور یہ اہل تشیع کے ہاں جائز ہے۔

تنقیح المقال

نعمان ابن محمد ابن منصور ابو حنیفہ مغربی ذَکَرَ ابْنُ خَلْکَانَ وَ ابْنُ کَثِیْرِ الشامی اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْفُضَلَاءِ الْمَشْھُوْرِیْنَ وَکَانَ مَالِکِیًا ثُمَّ اَنْتَقَلَ اِلٰی مَذْھَبِ الْاِمَامِیَّۃِ وَ لَہٗ تَصَانِیْفُ مِنْھَا دَعَائِمُ الْاِسْلَامِ فِیْ مَنَاقِبِ اَھْلِ بَیْتِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَ مَثَالِبِ اَعْدَائِھِمْ وَکَانَ اَوْلَادُہٗ مِنَ الْاَفَاضِلِ اَبُوالْحَسَنِ علی بن نعمان و ابو عبد اللہ محمد ابن نعمان وَقَالَ صَاحِبُ تَارِیْخِ مِصْرِ اِنَّ الْقَاضِیَ نُعْمَانَ کَانَ مِنَ الْعِلْمِ وَ الْفِقْہِ وَ الدِّیْنِ وَ النُّبْلِ عَلٰی مَا لَا مَزِیْدَ عَلَیْہِ وَکِتَابُ الدَّعَائِمِ کِتَابٌ حَسَنٌ جَیِّدٌ یُصَدِّقُ مَا قِیْلَ فِیْہِ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَرْوِ عَمَّنْ بَعْدَ صَادِقٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ

مِنَ الْاَئِمَّۃِ خَوْفًا مِنَ الْخُلَفَاءِ الْاِسْمَاعِیْلِیَّۃِ حَیْثُ کَانَ قَاضِیًا مَنْصُوْبًا مِنْ قِبَلِھِمْ بِمِصْرَ لٰکِنَّہٗ عَبَدَ مِنْ وَرَاءِ سِتْرِ التَّقِیَّۃِ مَذْھَبَہٗ بِمَا لَا یَخْفٰی عَلَی اللَّبِیْبِ وَمَا فِیْ مَعَالِمِ ابْنِ شَہْرِ آشُوْبَ مِنْ اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ اِمَامِیًّا اِشْتِبَاہٌ قَطْعًا فَاِنَّ اَھْلَ الْبَیْتِ وَھُمْ مُؤَرِّخُوْنَ الْمَذْکُوْرُوْنَ اَدْرٰی بِمَا فِی الْبَیْتِ ثُمَّ لَا مَعْنٰی لِتَصْنِیْفِ غَیْرِ الْاِمَامِیِّ کِتَابًا فِیْ مَثَالِبِ الْغَاصِبِیْنَ لِلْحَقِّ وَکِتَابًا اٰخَرَ فِیْ فَضَائِلِ الْاَئِمَّۃِ الْاَطْھَارِ وَکِتَابًا ثَالِثًا فِی الْاِمَامَۃِ کَمَا اعْتَرَفَ بِہٖ ھُوَ بِقَوْلِہٖ۔

(تنقیح المقال جلد سوم ص ۲۷۳
باب النون من ابواب النون۔
مطبوعہ تہران طبع جدید۔

ترجمہ:

نعمان ابن محمد بن منصور مغربی۔ ابن خلکان اور ابن کثیر نے لکھا کہ یہ شخص مشہور فضلاء میں سے تھا۔ شروع میں مالکی مذہب پر تھا۔ پھر مذہب امامیہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ایک کا نام دعائم الاسلام فی مناقب اہل بیت ہے۔ اس میں اہل بیت کے دشمنوں کے مظالم بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس کی اولادیں بھی قابل لوگ تھے۔ مثلاً ابوالحسن علی بن نعمان اور ابوعبداللہ محمد ابن نعمان۔ صاحب تاریخ مصر نے کہا ہے۔ کہ قاضی

نعمان مذکور صاحبان علم وفقہ دین میں سے تھا۔ اور ان علوم میں صاحب کمال تھا۔ اس کی کتاب "دعائم الاسلام" بہت اچھی کتاب ہے۔ اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ ہاں اتنی بات ہے۔ کہ اس نے کتاب مذکور میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بعد آنے والے ائمہ کی روایات کو درج نہیں کیا۔ لیکن یہ بھی اس لیے کہ وقت کے خلفاء اسماعیلیہ سے اسے خوف تھا۔ کیونکہ ان کی طرف سے یہ مصر کا قاضی مقرر ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی تقیہ کے رنگ میں اس نے اپنا مذہب بیان کر ہی دیا جسے ہر عقلمند جانتا ہے اور اس بارے میں جو معالم ابن شہر آشوب میں لکھا ہے۔ کہ یہ ابو حنیفہ امامی نہ تھا۔ یہ محض اشتباہ ہے۔ کیونکہ گھر کے حالات گھر والوں سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ اور ہمارے مورخین نے اس کو امامی ہی کہا ہے۔ اس لیے ان کی گواہی ابن شہر آشوب سے قوی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص مذہب امامیہ نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے باوجود وہ ائمہ اطہار کے فضائل، حق کے غاصبوں کے مظالم اور مسئلہ امامت پر کتابیں لکھے؟ اس بات کا وہ خود بھی اقرار کرتا ہے۔

الکنی والالقاب

اَبُوْحَنِيْفَةَ شِيْعَةٌ يُقَالُ لَهُ اَبُوْحَنِيْفَةَ الْمَغْرِبِيْ

هو القاضي النعمان بن ابي عبد الله محمد بن منصور القاضي بمصر كان مالكيا اوّلا ثم

اهتدى وصار اماميا وصنف على طريق الشيعة كتبا منها دعائم الاسلام وكان كما قال ابن خلكان نقلا من ابن زولاق فى غاية الفضل من اهل القرآن والعلم بمعانيه عالما بوجوه الفقه وعالم اختلاف الفقهاء واللغة والشعر والمعرفة بايام الناس مع عقل وانصاف والف لاهل البيت من الكتب الاف اوراق باحسن التاليف وله ردود على المخالفين وله رد على ابى حنيفة وعلى مالك وشافعى وعلى ابن شريح وكتاب اختلاف الفقهاء وينتصر فيه لاهل البيت وله القصيدة الفقهية لقبها بالمنتخبة وكان ملازما صحبة المعز ابى تميم معد بن منصور ولما وصل من افريقة الى الديار المصرية كان معه لم تطل مدته وفات فى مستحل رجب بمصر ۳۶۳ھ۔

(الكنى والالقاب جلد اول ص ۵۷ تذکرہ ابوحنیفہ)

ترجمہ:

ابوحنیفہ شیعہ۔ اسے ابوحنیفہ مغربی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قاضی نعمان بن ابی عبداللہ محمد بن منصور ہے جو مصر کا قاضی تھا۔ مالکی مذہب تھا۔ پھر ہدایت ملی اور امامی بن گیا۔ شیعی طریقہ (مذہب)

پر اس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک دعائم الاسلام ہے۔ بقول ابن خلکان یہ بہت فضیلت والا تھا۔ اور قرآنی علوم و معانی کا عالم، وجوہ فقہ اور اختلاف فقہا کے علاوہ لغت، شعر اور لوگوں کے نسب کا بھی بہت بڑا عالم تھا۔ صاحب عقل وانصاف تھا۔ اہل بیت کی شان میں ہزاروں اوراق پر مشتمل کتابیں لکھیں۔ مخالفین کا رد بھی لکھا۔ اور ابو حنیفہ امام اعظم کا رد بھی لکھا۔ امام شافعی مالک اور قاضی شریح کی ڈٹ کر تردید کی۔ کتاب اختلاف الفقہا میں اہل بیت کے مسلک کو سچا ثابت کرنے پر بہت دلائل ذکر کیے۔ اس کا ایک قصیدہ علم فقہ پر ہے۔ جس کا نام "المنتخبہ" رکھا۔ یہ شخص معز ابو تمیم معد بن منصور کی ملازمت میں تھا۔ جب معد بن منصور افریقہ سے مصر آیا۔ تو ابو حنیفہ شیعہ بھی اس کے ساتھ تھا یہاں زیادہ دیر زندہ نہ رہا۔ اور ۳۶۳ھ ہجری رجب کے مہینہ میں فوت ہو گیا۔

تبصرہ:

صاحب کتاب الکنی والالقاب شیخ قمی نے بھی وہی کچھ کہا ـــ جو تنقیح المقال اور مجالس المؤمنین کے حوالہ جات میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہ بھی شیعہ مصنف اور شیعہ برادری کے ستون اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔ کہ ہمارے مسلک میں بھی ایک ابو حنیفہ نعمان نامی شخص گزرا ہے۔ بڑا صاحب فضل وعلم تھا۔ اور کتب کثیرہ کا مصنف تھا۔ پہلے مالکی تھا پھر ہدایت ملی تو شیعہ ہو گیا۔ اور ایسا ہوا۔ کہ سنیوں کے ائمہ کی خوب تردید کی۔ اور اہل بیت

کے حق میں مسلک شیعہ کے مطابق بہت دلائل ذکر کیے۔ اب بھی کہتے ہو۔ کہ ابوحنیفہ نامی شخص ہمارے اندر نہیں ہوا۔ جس کا ہم ابھی تذکرہ کر چکے یہ کن میں سے تھا؟ تو معلوم ہوا۔ کہ "ولطِ حریر" کے مسئلہ کا موجد شیعہ ہے۔ اور اس کا نام نعمان بن محمد اور کنیت ابوحنیفہ ہے ۳۶۳ھ میں مصر کے اندر انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوا۔

الذریعہ فی تصانیف الشیعہ

الاخبار الطوال مطبوعہ۔ لابی حنیفہ الدینوری احمد ابن داود من اهل الدینور۔ ومن تصریح ابن ندیم بتوثیقہ وان اکثراخذہ من یعقوب بن اسحاق اسکیت النحوی الشهید لتشیعہ وهو من ابنائے الفارس امامیتہ۔

(الذریعہ فی تصانیف الشیعہ جلد اوّل ص ۳۲۸ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

الاخبار الطوال نامی کتاب ابوحنیفہ دینوری احمد بن داؤد کی تصانیف ہے۔ جو دینور کا رہنے والا تھا۔ ابن ندیم کی تصریح ہے کہ یہ قابل اعتبار ہے۔ اور یہ کہ اس نے اکثر علم یعقوب بن اسحاق اسکیت نحوی سے پڑھا۔ جو شیعہ تھا۔ ابوحنیفہ دینوری امامی شیعہ ہونا ظاہر کرتا تھا۔ اور یہ ایران کا رہنے والا تھا۔

نوٹ: "الذریعہ" کی مکمل عبارت ہم نے ذکر نہیں کی۔ اس میں بھی یہی

باتیں تھیں۔ جو پچھلے تین حوالہ جات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یعنی یہ بہت بڑا عالم، فاضل اور صاحب تصانیف کثیرہ اور عالم علوم متعددہ تھا۔ اور امامی شیعہ تھا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے "لف حریر" سے کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ابتداءً سن کر ہر شیعہ کانوں کو ہاتھ لگائے گا۔ ان کے ذاکرین اس مسئلہ سے بالکل انکار کر دیں گے۔ لیکن جب مذکورہ حوالہ جات پیش کیے جائیں تو پھر اور پہلو بدلتے ہیں۔ یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ "ذخیرۃ المعاد" کتاب کہ جس میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ وہ ہماری کتاب نہیں۔ بلکہ اہل سنت کے ایک عالم کی تصنیف ہے۔ تو اس کا جواب بھی ملاحظہ ہو۔ کہ ہمیں تسلیم ہے کہ اس نام کی کتاب ایک سنی عالم یعنی شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تصنیف ہے۔ لیکن اس میں "لف حریر" کے مسئلہ کا وجود تک نہیں۔ اور جس "ذخیرۃ المعاد" میں یہ مسئلہ بقید حوالہ ہم نے ذکر کیا۔ وہ ایک شیعہ مصنف شیخ زین العابدین کی تصنیف ہے۔ سو یہ بات تحقیق کو پہنچی۔ کہ اہل تشیع کے ہاں مرد اپنے آلۂ تناسل پر ریشم یا اس جیسا کوئی اور کپڑا لپیٹ لے۔ تو اس کا پھر اپنی، محرم عورتوں کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

ماں اور بہن وغیرہ محارم سے وطی کرنا ایک وجہ سے جائز اور دوسری وجہ سے ناجائز ہے

فقہی اصطلاح میں بدکاری کے لیے زنا اور سفاح کے دو الفاظ ذکر ہوتے ہیں اہل تشیع کے ہاں ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر زانی کو سفاح ضرور کہیں گے۔ لیکن اس کا عکس نہیں۔ دونوں کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں۔ کہ زنا وہ فعل حرام ہے۔ جس میں حلت کی کوئی بھی وجہ موجود نہ ہو۔ اور سفاح وہ حرام فعل ہے۔ جس میں کوئی وجہ حلت کی بھی موجود ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنی ماں، بیٹی وغیرہ سے نکاح کیے بغیر وطی کرتا ہے۔ تو یہ زنا ہوگا۔ اور اگر نکاح کر کے وطی کرے تو سفاح ہوگا۔ اب اس فرق کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ سفاح سے پیدا ہونے والا بچہ حرام زادہ نہیں کہلائے گا۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

فروع کافی:

فَاَمَّا مِنْ سَفَاحٍ الَّذِیْ هُوَ غَیْرُ الزِّنَا وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ

لِاِسْمِ سَفَاحٍ وَمَعْنًى فَالَّذِي هُوَ مِنْ وَجْهِ النِّكَاحِ مَنْسُوبٌ بِالْحَرَامِ وَاِنَّمَا صَارَ سَفَاحًا لِاَنَّهُ نِكَاحٌ حَرَامٌ مَنْسُوبٌ اِلَى الْحَلَالِ وَهُوَ مِنْ وَجْهِ الْحَرَامِ فَلَمَّا كَانَ وَجْهٌ مِنْهُ حَلَالًا وَوَجْهٌ حَرَامًا كَانَ اِسْمُهُ سَفَاحًا لِاَنَّ الْغَالِبَ عَلَيْهِ نِكَاحُ تَزْوِيجٍ اِلَّا اَنَّهُ مَنْسُوبٌ ذَالِكَ التَّزْوِيجُ بِوَجْهٍ مِنْ وُجُوهِ الْحَرَامِ غَيْرُ خَالِصٍ فِي مَعْنَى الْحَرَامِ بِالْكُلِّ وَلَا خَالِصٍ فِي وَجْهِ الْحَلَالِ بِالْكُلِّ اَمَّا اَنْ يَكُوْنَ الْفِعْلُ بِوَجْهِ الْفَسَادِ وَالْقَصْدِ اِلَى غَيْرِ مَا اَمَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهِ مِنْ وَجْهِ التَّاوِيلِ وَالْخَطَاءِ، وَالْاِسْتِحْلَالِ بِجِهَةِ التَّاوِيلِ وَالتَّقْلِيدِ نَظِيْرُ الَّذِي يَتَزَوَّجُ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ الَّتِي ذَكَرَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ تَحْرِيْمَهَا فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْاُمَّهَاتِ وَالْبَنَاتِ اِلَى اٰخِرِ الْاٰيَةِ كُلُّ ذَالِكَ حَلَالٌ فِي جِهَةِ التَّزْوِيجِ حَرَامٌ مِنْ جِهَةِ مَا نَهَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ كَذَالِكَ...... فَهُوَ لَاءِ كُلُّهُمْ تَزْوِيجُهُمْ مِنْ جِهَةِ التَّزْوِيجِ حَلَالٌ حَرَامٌ فَاسِدٌ مِنْ وَجْهِ الْاٰخِرِ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَنْبَغِيْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اِلَّا مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي اَمَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلِذَالِكَ صَارَ سَفَاحًا مَرْدُوْدًا وَذَالِكَ

كُلُّهُ غَيْرُ جَائِزِ الْمَقَامِ عَلَيْهِ فَلَا ثَابِتَ لَهُمُ
التَّزْوِيجُ بَلْ يُفَرِّقُ الْإِمَامُ بَيْنَهُمْ وَلَا يَكُونُ
النِّكَاحُ الزِّنَا وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ
أَوْلَادَ زِنَا وَمَنْ قَذَفَ الْمَوْلُودَ مِنْ هٰؤُلَاءِ
الَّذِيْنَ وُلِدُوْا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ جُلِدَ الْحَدُّ
لِأَنَّهُ مَوْلُوْدٌ بِتَزْوِيجِ رُشْدَةٍ وَإِنْ كَانَ
مُفْسِدًا لَهُ بِجِهَةٍ مِنْ جِهَاتِ الْمُحَرَّمَاتِ
وَالْوَلَدُ مَنْسُوبٌ إِلَى الْأَبِ مَوْلُودٌ بِتَزْوِيجِ
رُشْدَةٍ عَلَى نِكَاحِ مِلَّةٍ مِنَ الْمِلَلِ خَارِجٍ مِنْ
حَدِّ زِنَا لٰكِنَّهُ مُعَاقَبٌ عَقُوْبَتُهُ الْفُرْقَةُ ـ

(فروع کافی جلد پنجم ۵۷۰-۵۷۱،
کتاب النکاح باب تفسیر مایحل
من النکاح الخ)

ترجمہ:

معنی سفاح کا جو زنا کا غیر ہے۔ اسے صرف سفاح ہی کہا جائے گا جس کا معنی یہ ہے۔ کہ نکاح کے ذریعہ جس میں حرام ملا ہوا ہو۔ یہ سفاح اس لیے ہوا۔ کہ یہ نکاح حرام ہے اور اس میں حلت کا شائبہ بھی موجود ہے لہٰذا ان دونوں احتمالات کی وجہ سے اسے سفاح کہیں گے۔ کیونکہ اس میں غلبہ وجہ نکاح کو ہے۔ مگر یہ نکاح حرام کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن یہ مشابہت ہونے ہوئے یہ خالص حرام نہ بنے گا۔ اور نہ ہی خالص حلال کہلائے گا۔ حرام کی مشابہت اس طرح کہ ایسا کرنے

والا دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کا قصد کرتا ہے۔ اور حلت اس لیے کہ وہ اس کی تاویل یا اس کو غلطی سے کر بیٹھتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ کوئی شخص ان محرمات سے نکاح کرتا ہے۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں فرمایا۔ حرمت علیکم امہاتکم الخ۔ یہ سب عورتیں اگر ان سے نکاح کر لیا جائے۔ تو بوجہ نکاح کے حلال ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے کی وجہ سے حرام ہوئیں۔ پس یہ عورتیں (محرمات) بوجہ نکاح کے حلال اور حرام فاسد دوسری وجہ سے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے بعد آدمی کو اسی طرح نکاح کرنا چاہیئے تھا۔ جس طرح نکاح کی وہ اجازت دیتا ہے۔ چونکہ محرمات سے نکاح کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی۔ اس لیے یہ سفاح ہو گا اور مردود ہو گا۔ لہٰذا اسی نکاح پر قائم نہیں رہنے دیا جائے گا۔ بلکہ امام ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔ لیکن ان کا نکاح کر کے وطی کرنا "زنا" بھی نہیں ہو گا۔ اور نہ ہی اس وطی سے پیدا ہونے والی اولاد حرامی ہو گی۔ سو جو شخص اس طرح پیدا ہونے والے کسی بچّہ کی ماں یا باپ پر زنا کی تہمت لگائے گا۔ اس کو قذف کی حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ بچے صحیح، نکاح سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس نکاح میں فساد تھا اور وہ بوجہ محرمات ہونے کے تھا۔ بچے بھی اس صورت میں اپنے باپ کی طرف ہی منسوب ہوں گے۔ کیونکہ وہ درست شادی سے پیدا ہوئے۔ اور یہ نکاح ایک مذہب کے مطابق پڑھا گیا۔ لہٰذا زنا سے خارج ہو گا۔ ہاں اتنا ضرور ہے۔ کہ ایسے شخص کو سزا ملنی چاہیئے اور اس کی سزا یہ ہے۔ کہ ان دونوں نکاح کرنے والوں کو جدا جدا

کر دیا جائے۔

لمحہ فکریہ:

"فقہ جعفریہ" میں محرمات کے ساتھ نکاح اور اس کے متعلق چند مسائل حوالہ مذکورہ کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ کیے۔ اِس سلسلہ میں یہ شبہ تو شاید قابل سماعت ہو۔ کہ وطی کرنے والا کہے کہ میں نے نکاح کر کے ایسا کیا ہے۔ اور اس شبہ کی بنا پر اس واطی پر حد جاری نہ ہو۔ لیکن جو یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ محرمات سے وطی کرنا من وجہ حلال ہے۔ یہ کون سی نص کا مطلب ہے۔ بلکہ یہ تو نص صریح کی مخالفت ہے۔ اور اس بنا پر یہ کفر وار تداد بنتا ہے پھر اس بدبخت کو فقہ جعفریہ یہ رعایت دے رہی ہے۔ کہ تمہاری اس طرح سے پیدا ہونے والی اولاد کو حرامی نہیں کہا جائے گا ایسا کہنے والا قذف کی حد کھائے گا۔ جب ایسی رعایت عام شیعوں کو تبلا دی جائے۔ کہ تم اپنی ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات سے نکاح کر کے وطی کر لو۔ تو اس میں کوئی حد نہیں لگے گی۔ ہونے والی اولاد تمہاری ہو گی۔ جو اُن کو حرامی کہے گا سو کوڑے کھائے گا۔ ہاں اگر سزا ہو گی۔ تو صرف یہ وطی کرنے کے بعد امام تم دونوں کو ایک ساتھ نہ رہنے دے گا۔ پھر دیکھئے کہ شیعہ مسلک والے کتنے خوش ہوتے ہیں۔ ابو حنیفہ نے ریشم لپیٹ کر اجازت دی تھی۔ اور اس پر شیعہ تڑپ اٹھے تھے۔ اب فروع کافی والا تو لپٹے لپیٹے بغیر سیدھا راستہ دکھا رہا ہے۔ بغلیں بجاؤ مجالس منعقد کرو۔ اور خوب داد دو۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ)

نوٹ: غلام حسین نجفی نے اپنی تصنیف "حقیقت فقہ حنفیہ" کے صفحہ ۱۲۵

پر احناف پر محرمات کے ساتھ نکاح کے بارے میں خرافات کہے ہیں۔ ہم نے اس کے تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب دے دیا ہے۔

آپ حضرات سے التماس ہے۔ کہ دونوں طرف کے مسائل فقہیہ کا تقابل کر کے دیکھیں۔ کہ فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ میں سے کس کے مسائل عقل و نقل کے موافق اور کس کے مخالف ہیں۔ غلام حسین نجفی نے شاید یہ سمجھا ہوگا۔ کہ میں ادھر ادھر کی ہانک کر اہل سنت کو اپنی فقہ سے متنفر کرا سکوں گا۔ لیکن اُسے کیا خبر تھی کہ الٹی مصیبت ان کی اپنی فقہ پر آ پڑے گی۔ حقیقت حقیقت ہی ہوتی ہے اور جھوٹ بہر حال جھوٹ ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

مسئلہ ہشتدہم

باپ بیٹا ایک دوسرے کی بیوی سے وطی کریں یا ساس سے وطی کی جائے تو اپنی بیوی کی زوجیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا

مذاہب خمسہ

لَوْ زَنَا بِاُمِّ زَوْجَتِہٖ اَوْ بِنْتِہَا تَبْقَى الزَّوْجِیَّۃُ عَلٰی حَالِہَا وَکَذَا لَوْ زَنَا الْاَبُ بِزَوْجَۃِ ابْنِہٖ اَوِالْاِبْنُ بِزَوْجَۃِ اَبِیْہِ لَمْ تُحَرِّمْ

الزَّوْجَةُ عَلٰى زَوْجِهَا الشَّرْعِيِّ۔

(مذاہب خمسہ ص ۳۱۱ باب المحرمات
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جو شخص اپنی بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے زنا کرتا ہے۔ اس کی زوجیت اپنے حال پر باقی رہتی ہے۔ اور اسی طرح اگر باپ اپنے بیٹے کی بیوی یا بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے زنا کرے۔ تو بھی زوج شرعی کی زوجیت حرام نہیں ہوتی۔

توضیح

احناف کے ہاں صورت مذکورہ میں مسئلہ یہ ہے۔ کہ باپ اگر بیٹے کی بیوی سے وطی کرتا ہے۔ تو ان کی اپنی زوجیت ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ساس سے وطی کرنے پر بھی بیوی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ لیکن اہل تشیع نے یہ سب کچھ گوارا کر لیا۔ اور ان کی فطرت خبیثہ نے حرمت ثابت نہ کی۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ کے اس صریح ارشاد کا بھی پاس نہیں۔ حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم.... وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم۔

یعنی مومنو! تم پر تمہاری مائیں (بطور نکاح) حرام کر دی گئیں۔ تمہاری بیٹیاں حرام کر دی گئیں۔ تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں حرام کر دی گئیں۔ جو بیٹے تمہاری پشت سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پس پشت ڈال گیا۔ اور خواہشات نفسانیہ کی عبادت کی گئی۔ کیا یہی ایمان ہے؟

اجنبی مرد کا نطفہ اگر عورت اپنے رحم میں ڈال لے۔ تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ ولد شرعی اولاد ہے

مذاہب خمسہ

وَعَلٰی اَیَّۃِ حَالٍ فَاِنَّ التَّلْقِیْحَ الصَّنَاعِیَّ حَرَامٌ لِاِجْرَاءِ عَلَی الْسُّؤَالِ بِحِلِّیَّتِہٖ مُسْلِمٌ وَلٰکِنَّ التَّحْرِیْمَ لَایَسْتَلْزِمُ اَنْ یَکُوْنَ الْحَمْلُ بِسَبَبِہٖ وَلَدُ زِنَا وَقَدْ تَحَرَّمَ الْمُقَارَبَۃُ وَمَا ذَالِکَ یَکُوْنُ الْوَلَدُ شَرْعِیًّا۔

(مذاہب خمسہ ص ۳۷۶/ التلقیح الصناعی محرم الخ

مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

بہرحال تلقیح صناعی حرام ہے۔ (تلقیح صناعی یہ کہ کسی غیر محرم مرد کا مادۂ منویہ کسی عورت کے رحم میں کسی آلہ کے ذریعہ منتقل کر دیا جائے) لیکن اس کا حرام ہونا یہ لازم نہیں کرتا کہ اس طرح سے پیدا ہونے والا بچہ ولدِ شرعی ہے۔ یعنی ولد الزنا نہیں۔

نوٹ:

"تلقیح مناعی" بہر حال حرام ہے۔ لیکن اس کے ذریعہ پیدا ہونے والا بچہ ولدِ شرعی ہے۔ یعنی ولد الزنا نہیں۔ ان دونوں باتوں کا باہم کیا ربط ہے۔ یہ تو ظاہراً اجتماع ضدین کا قول کیا جا رہا ہے۔ جواز روئے عقل ممتنع ہے۔

بھانجی کے ساتھ اس کی خالہ کی موجودگی میں اور بھتیجی کے ساتھ اس کی پھوپھی کی موجودگی میں نکاح درست ہے

ان دونوں رشتوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا کہ بھانجی اور خالہ کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح بھتیجی کی پھوپھی کے ساتھ نکاح میں شرکت بھی حرام فرمائی۔ لیکن فقہ جعفریہ کی گنگا ہی الٹی بہتی ہے۔ ان دونوں میں سے ایک رشتہ کے لیے اجازت اور دوسرا بغیر اجازت کے جائز قرار دے دیا۔

فروع کافی

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ لَا تُزَوَّجُ اِبْنَۃُ الْاَخِ وَلَا اِبْنَۃُ الْاُخْتِ عَلَی الْعَمَّۃِ وَلَا عَلَی الْخَالَۃِ اِلَّا بِاِذْنِہِمَا وَتُزَوَّجُ الْعَمَّۃُ وَالْخَالَۃُ عَلٰی اِبْنَۃِ الْاَخِ وَابْنَۃِ الْاُخْتِ بِغَیْرِ اِذْنِہِمَا۔ (فروع کافی جلد ۵ ص ۴۲۴ کتاب النکاح باب المرأۃ تزوج علی عمتہا الخ)

توضیحات:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھتیجی کے ساتھ اور بھانجی کے ساتھ پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں نکاح ان کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور اگر پہلے سے بھتیجی یا بھانجی نکاح میں ہو اور پھر پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح کرنا پڑے۔ تو اجازت کی بھی ضرورت نہیں۔ بغیر اجازت ہو جائے گا

یہ دونوں نکاح عند الاحناف باطل و حرام ہیں

فتح القدیر

وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَ عَمَّتِهَا اَوْ خَالَتِهَا اَوْ اِبْنَةِ اَخِيْهَا اَوْ اِبْنَةِ اُخْتِهَا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى اِبْنَةِ اَخِيْهَا وَلَا عَلٰى اِبْنَةِ اُخْتِهَا وَهٰذَا مَشْهُوْرٌ تَجُوْزُ الزِّيَادَةُ عَلَى الْكِتَابِ بِمِثْلِهٖ.... (قوله وهذا مشهور) اَعْنِي الْحَدِيْثُ الْمَذْكُوْرُ ثَابِتٌ فِيْ صَحِيْحَيْ مُسْلِمٍ وَابْنِ حِبَّانَ وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ تَلَقَّاهُ الصَّدْرُ الْاَوَّلُ بِالْقَبُوْلِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَرَوَاهُ الْجَمُّ الْغَفِيْرُ مِنْهُمْ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَجَابِرٌ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ رضی اللہ عنہم (فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۲۳ کتاب النکاح مطبوعہ مصر)

ترجمہ:

عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا بھتیجی یا بھانجی ایک نکاح میں دونوں اکٹھی نہ کی جائیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ پھوپھی اور خالہ کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مشہور کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔۔۔ (یہ حدیث مشہور ہے۔) یہ مذکورہ حدیث صحیح مسلم، ابن حبان میں ثابت ہے۔ اور اس کو ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور صدر اول نے اسے قبولیت بخشی۔ یعنی حضرات صحابہ کرام اور تابعین کرام نے اسے قبول کیا۔ اور ایک بہت بڑی جماعت نے اس کی روایت بھی کی ہے جن میں سے حضرت ابو ہریرہ، جابر، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود اور ابو سعید خدری ایسے صحابہ کرام کے اسماء گرامی بھی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

البنایہ فی شرح الہدایہ

عن ابی سلمة عن ابی هريرة مرفوعا لا تنكح المراة على بنت الاخ ولا بنت الاخت على الخالة وروى عن على رضى الله عنه اخرجه احمد فى مسنده من النصف الاول من الحديث الذى ذكره المصنف حيث قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنكح المراة على عمتها ولا على خالتها

وکذا رواہ ابن ماجۃ من حدیث ابی موسی
مثلہ سواء وکذا لعَیْنیہ رواہ الطبرانی فی الکبیر
من حدیث الحسن عن سمرۃ بن جندب وکذالک
رواہ الطبرانی من حدیث ایوب بن خالد عن
عتاب بن اسید بن سلمۃ (وھذا مشھور) ای
ھذا الحدیث مشھور وتلقتہ الامۃ بالقبول
واشتھر بین التابعین واتباع التابعین مع روایۃ
کبار صحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وقد رواہ من
الصحابۃ ابن عباس وابو ھریرۃ وعلی وابن عمر
وابن سعید وابو امامۃ وجابر وعائشۃ وابو موسیٰ
وسمرۃ ابن جندب وعبد اللہ بن مسعود وانس
بن مالک وعتاب بن اسید.... قال ابن عبد البر اجمع
العلماء القول بھذا الحدیث قال ولا یجوز عند
جمیعھم نکاح المرأۃ علی عمتھا وان علت
ولا علی ابنۃ اختھا وان سفلت ولا علی خالتھا
وان علت ولا علی ابنۃ اختھا وان سفلت۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ تصنیف
علامہ بدر الدین عینی جلد ۲ ص ۵۴
کتاب النکاح)

ترجمہ:
ابو سلمہ ابی ہریرہ سے مرفوعاً روایت کرتا ہے۔ کہ بھتیجی کے

ہوتے ہوئے خالہ سے نکاح نہ کیا جائے۔ اور حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے ایک روایت امام احمد نے اپنی مسند کے نصف اول میں ذکر کی۔ جو حدیث مصنف ہدایہ نے ذکر کی۔ وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی بھتیجی کے ہوتے ہوئے اس سے نکاح نہ کیا جائے۔ اور نہ بھانجی کے ہوتے ہوئے خالہ سے نکاح کیا جائے۔ اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ نے ابو موسیٰ اشعری سے نقل کی ہے۔ اور بعینہٖ یہی حدیث طبرانی نے معجم الکبیر میں دو ذریعوں سے ذکر کی ہے (وہ حدیث مشہور ہے) یعنی جس کو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا۔ وہ مشہور ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین نے اُسے قبولیت بخشی اس کے ساتھ ساتھ اس کی روایت کرنے والے اکابر صحابہ کرام بھی ہیں مثلاً ابن عباس، ابو ہریرہ، علی المرتضٰے، ابن عمر، ابن سعید، ابو امامہ، جابر، عائشہ صدیقہ، ابو موسیٰ اشعری، سمرۃ ابن جندب، عبداللہ بن مسعود انس بن مالک اور عتاب بن سعید رضی اللہ عنہم۔ ابن عبداللہ نے کہا۔ کہ تمام علماء نے اس حدیث پر اجماع کیا ہے۔ اور کہا۔ کہ تمام علماء کے نزدیک کسی عورت کی پھوپھی کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھتیجی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ پھوپھی رشتہ میں کتنی ہی دُور کی کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی بھانجی سے خالہ کی موجودگی میں نکاح جائز ہے۔ اگرچہ وہ بھانجی کتنی ہی نچلے درجہ کی ہو۔ اور خالہ اوپر کے درجہ کی ہو۔

تبصرہ:

قارئین کرام! متعدد احادیث سے جو مسند، مرفوع اور مشہورہ ہیں یہ

مسئلہ بالتصریح موجود ہے۔ کہ پھوپھی کے ہوتے ہوئے بھتیجی یا اس کے برعکس اور بھانجی ہوتے ہوئے خالہ یا اس کے برعکس نکاح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز فرمایا۔ ان حضرات صحابہ کرام میں سے کہ جن سے یہ روایات مذکورہ ہیں۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ تمام صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا اس پر اجماع بھی ہے۔ ان شواہد و دلائل کے بعد اہل تشیع کا ان رشتوں کو جائز قرار دینا در اصل اُن لوگوں کی شرارت ہے۔ جن پر ائمہ اہل بیت نے پھٹکار کی ہے۔ یہ بھی ان خرافات میں سے ایک ہے۔ جو انہوں نے خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کے لیے گھڑی ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ

”غلات“ سے مناکحت جائز نہیں

”غلات“ کون لوگ ہیں۔ اور ان کے عقائد کیا ہیں۔ جن کی بنا پر اہل تشیع ان کو رشتہ دینا یا ان سے لینا جائز نہیں کہتے۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مذاہب خمسہ

فَقَدْ صَرَّحَ عُلَمَاءُ الْاِمَامِيَّةِ فِيْ كُتُبِ الْعَقَائِدِ وَالْفِقْهِ بِكُفْرِ الْغُلَاةِ۔ مِنْ ذَالِكَ مَا جَاءَ فِيْ كِتَابِ

(شرح عقائد الصدوق) (للشیخ المفید ص ۶۳ طبع ۱۳۷۱ھ
قال "الغلاۃ المتظاھرون بالاسلام ھم الذین نسبوا
علیا امیرالمومنین و الائمۃ من ذریتہ الی الالوھیۃ
و النبوۃ و وصفوھم من الفضل فی الدین و الدنیا
الی ماتجاوز و افیہ الحد و خرجوا عن القصد
وھم ضلال کفار حکم فیھم امیرالمومنین بالقتل
و التحریق بالنار۔ و قضت علیھم الائمۃ بالکفار
و الخروج عن الاسلام"، و ذکروھم فی کتب
الفقہ فی باب الطھارۃ حیث حکموا بنجاستھم
و ذکروھم ایضا فی باب الزواج حیث قالوا
بعدم جواز تزویجھم و الزواج منھم مع
انھم اجازوا الزواج بالکتابیات و ذکروھم
فی باب الجھاد حیث جعلوھم من المشرکین فی
حالۃ الحرب۔ کیف اتفق کالقاء النار علیھم
و قذفھم بھا و ذکروھم فی باب الارث حیث منوھم
من میراث المسلمین۔

(مذاہب خمسہ ص ۵۰۱-۵۰۲ میراث اہل الملل)

ترجمہ:

امامی مسلک کے علماء نے کتب عقائد اور کتب فقہ میں "غلات" کے کفر کی تصریح کی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب "شرح عقائد الصدوق" ہے جو شیخ مفید کی تصنیف ہے۔ مطبوعہ ۱۳۷۱ھ

کے ص ۲۶۲ پر ہے۔ غلات وہ لوگ ہیں۔ جو خواہ مخواہ اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد میں سے ائمہ کرام کے متعلق الوہیت اور نبوت کی نسبت کی اور دین و دنیا میں ان کی ایسی فضیلتیں بنائیں۔ کہ جن کے ذریعہ وہ حد سے تجاوز کر گئے۔ یہ لوگ کافر اور گمراہ ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں قتل اور آگ میں جلانے کا حکم دیا ہے۔ اور تمام ائمہ نے ان کے کفر کا فیصلہ فرماتے ہوئے انہیں اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ کتب فقہ میں ان کا ذکر باب طہارت میں یوں ہے۔ کہ یہ لوگ نجاست بھرے ہیں۔ باب الزواج میں ہے کہ ان سے رشتہ لینا اور انہیں دینا جائز نہیں۔ حالانکہ علماء امامیہ نے اہل کتاب عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے۔ باب جہاد میں ان کا ذکر اس طرح ہے۔ کہ یہ لوگ لڑائی کے دوران مشرک سمجھے جائیں گے۔ جیسے بھی بن پڑے انہیں نہ چھوڑا جائے۔ ان پر آگ برسائی جائے۔ انہیں آگ میں ڈالا جائے۔ اور وراثت کے باب میں ان کے متعلق لکھا گیا ہے۔ کہ مسلمانوں کی میراث سے بے محروم ہوں گے۔

المحاکمہ!

قارئین کرام! صاحب مذاہب خمسہ ایک بہت بڑے مجتہد شیعہ عالم ہیں۔ جن کا نام محمد جواد مغنی ہے۔ انہوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرقہ "غلات" کے عقائد اور ان کے بارے میں شیعہ فقہاء اور علماء کے فتاویٰ بھی ملاحظہ

کیے۔ مختصر یہ کہ ان لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت میں الوہیت و لاابیت ثابت کی۔ جس کی بنا پر یہ بالاتفاق کافر اور مشرک ٹھہرے۔ اب ہم ان غلات کو کافر کہنے والوں کے ایک دو عقیدے آپ کو دکھاتے ہیں۔ اس کے بعد فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ پہلا عقیدہ ملاحظہ ہو۔

جلاء العیون

جناب علی علیہ السلام نے اپنے بعض خطبات میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں وہ ہوں کہ جس کے پاس غائب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں بعد از رسول میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ ذوالقرنین ہوں جس کا ذکر صحف اولیٰ میں ہے۔ میں خاتم سلیمان کا مالک ہوں۔ میں یوم حساب کا مالک ہوں۔ میں صراط اور میدان حشر کا مالک ہوں۔ میں قاسم جنت و نار ہوں۔ میں اوّل آدم ہوں اول نوح ہوں۔ میں جبار کی آیت ہوں میں اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتوں کا لباس دینے والا ہوں۔ میں پھلوں کا پکانے والا ہوں۔ میں چشموں کو جاری کرنے والا ہوں۔ میں نہروں کو بہانے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ ہوں۔ میں حلم کا پہاڑ ہوں۔ میں امیر المومنین ہوں۔ میں سرچشمۂ یقین ہوں۔ میں زمین و آسمان میں حجت خدا ہوں۔ میں منتر زلزل کرنے والا ہوں۔ میں

صاعقہ ہوں۔ میں حقانی آداز ہوں۔ میں قیامت ہوں ان کے لیے جو قیامت کی تکذیب کریں۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کوئی ریب نہیں۔ میں وہ اسمائے حسنہ ہوں جن کے ذریعہ خدا نے دعا قبول کرنے کا حکم دیا۔ میں وہ نور ہوں جس سے موسیٰ نے ہدایت کا اقتباس کیا۔ میں صور کا مالک ہوں۔ میں قبروں سے مُردوں کو نکالنے اور زندہ کرنے والا ہوں۔ میں یوم نشور کا مالک ہوں۔ نوح کا ساتھی اور اس کو نجات دینے والا ہوں۔ میں ایوب بلا رسیدہ کا صاحب اور اس کو شفا دینے والا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے امر سے آسمانوں کو قائم کیا۔ میں صاحب ابراہیم ہوں۔ میں کلیم کا بھید ہوں میں ملکوت کو دیکھنے والا ہوں۔ میں وہ حی ہوں جسے موت نہیں۔ میں تمام مخلوق پر ولی حق ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے بات نہیں بدل سکتی۔ مخلوق کا حساب میری طرف سے ہے۔ میں وہ ہوں جس سے امر مخلوق تفویض کیا گیا۔ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔

(جلاء العیون جلد دوم ص ۶۰ - ۶۱ مطبوعہ
شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور)

اہل تشیع کے ہاں ان کا قرآن کریم کا معیاری ترجمہ مقبول احمد دہلوی شیعی کا ہے۔ مترجم نے ترجمہ کو اپنے نام سے متعارف کرایا۔ اس ترجمہ میں آیت۔ و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات الخ اور آیت انی جاعل فی الارض خلیفۃ الخ کے تحت لکھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں نبوت، رسالت اور خلت کے مناصب عظمیٰ موجود تھے۔

ترجمہ مقبول

حاشیہ ۱۲ بِكَلِمَاتٍ۔ کتاب الخصال میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ان کلمات سے وہی کلمات مراد ہیں جو آدم علیہ السلام کو ان کے رب کی طرف سے ملے تھے۔ جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ وہ یہ تھے۔ یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ اِلَّا تُبْتَ عَلَیَّ اے پروردگار میرے میں تجھ سے محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔ کہ تو میری توبہ قبول فرما۔ چنانچہ خدا نے توبہ قبول فرمائی۔ اسی اثنا میں کسی نے دریافت کیا یا ابن رسول اللہ خدا کے اس قول فَاَتَمَّهُنَّ کا کیا مطلب ہے، فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ قائم آل محمد اور کل اوصیاء رسول کی بزرگی تسلیم کر لی۔ کتاب کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پروردگار عالم نے جناب ابراہیم کو نبی مقرر کرنے سے پہلے اپنا عبد مقرر کیا۔ اور رسول مقرر کرنے سے پہلے نبی بنایا۔ اور خلیل کا درجہ عطا کرنے سے پہلے

میاں بیوی کے درمیان "کفو" ضروری نہیں

دیگر مسائل عجیبہ کی طرح ایک مسئلہ اہل تشیع کا یہ بھی ہے۔ کہ عورت اور مرد کے مابین "کفو" ضروری نہیں۔ یعنی اگر عورت ہاشمی، قریشی گھرانہ سے تعلق رکھتی ہو تو اس کا نکاح دیانت و اخلاق کے اعتبار سے ذلیل آدمی سے کرنا جائز ہے۔

فروع کافی

الحسين ابن الحسن الهاشمی عن ابراهيم ابن اسحاق ابن الاحمر وعلی بن محمد بن بندار عن السياری عن بعض البغداديين عن علی بن بلال قال لقی هِشَامُ ابْنُ الْحَكَمِ بَعْضَ الْخَوَارِجِ فَقَالَ يَا هِشَامُ مَا تَقُوْلُ فِي الْعَجَمِ يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ فِي الْعَرَبِ قَالَ فَالْعَرَبُ يَتَزَوَّجُ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ، فَقُرَيْشٌ يَتَزَوَّجُ فِي بَنِي هَاشِمٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ عَمَّنْ

اَخَذْتَ ھٰذَا قَالَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ تَتَكَافَئُ دِمَاءُكُمْ وَلَا تَتَكَافَئُ فُرُوْجُكُمْ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۳۴۵ کتاب النکاح)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۳۹۴ باب الکفارہ)

ترجمہ:

(بحذف اسناد) ہشام بن الحکم کی ملاقات ایک خارجی سے ہوئی اس نے ہشام سے پوچھا۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ کہ ایک غیر عرب عربی عورت سے شادی کرے؟ کہا ہاں درست ہے۔ اس نے پھر پوچھا۔ ایک عرب اگر قریش میں شادی کرے؟ کہا یہ بھی جائز ہے۔ پوچھا۔ قریش اگر بنی ہاشم میں نکاح کرے؟ کہا۔ یہ بھی درست ہے۔ پوچھا۔ تم نے یہ جوابات کس سے سیکھے ہیں؟ کہا جعفر بن محمد سے میں نے ان سے سنا۔ کہ تمہاری کفو تمہارے خون میں ہے۔ تمہارے فروج (شرمگاہوں) میں نہیں ہے۔

وسائل الشیعہ

عن علی ابن حسن بن فضال عن محمد بن عبد اللہ بن زرارۃ عن عیسی بن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ عن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاءکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَإِنْ كَانَ دَنِيًّا فِي نَسَبِهِ قَالَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۵۱ کتاب النکاح
باب انہ یستحب المرأۃ
واھلھا الخ)

ترجمہ:

(بحذف اسناد) حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تمہارے پاس (رشتہ کے لیے) ایسا شخص آئے۔ جسے تم پسند کرتے ہو۔ اور اس کے اخلاق اور اس کا دین تمہیں اچھا نظر آئے۔ تو اسے رشتہ دے دیا کرو میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگرچہ وہ نسب کے اعتبار سے کم درجہ کا ہو۔ فرمایا۔ جب تمہارے پاس ایسا شخص رشتہ کے لیے آجائے جس کا خلق اور دین تمہیں اچھا لگے۔ تو اس کو رشتہ دے دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے۔ تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو جائے گا۔

توضیح

روایت بالا میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے۔ کہ نسب کے اعتبار سے اگرچہ کوئی شخص کتنا گیا گزرا ہو۔ اس کی پرواہ نہیں۔ اس کا خلق اور دین اچھا ہونا ضروری ہے۔ گویا ایک سیدزادی کے ساتھ شادی کی خواہش رکھنے والا اگرچہ خاندانی اعتبار سے کتنا ہی نکما اور گرا ہوا ہو۔ اگر اچھے اخلاق اور اچھے دین والا

ہے۔ تو اس سے شادی کر دو۔ یہ حکم آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بار بار دیا۔ وہ کفو، صرف اسلام ہے۔ اور دیگر باتیں خارجی ہیں۔

مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام

وَزَوَّجَ النَّبِيُّ ابْنَتَهُ عُثْمَانَ وَزَوَّجَ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ بِأَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ وَلَيْسَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَكَذَالِكَ زَوَّجَ عَلِيٌّ ابْنَتَهُ أُمَّ كُلْثُومٍ مِنْ عُمَرَ وَتَزَوَّجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ وَتَزَوَّجَ مُصْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ أُخْتَهَا سَكِينَةَ وَكُلُّهُمْ مِنْ غَيْرِ بَنِي هَاشِمٍ۔

(مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام
کتاب النکاح باب لواحق العقد
جلد اول صفحہ نمبر ۱۲۰ طبع قدیم تہران)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شادی جناب عثمان سے کی۔ اور ایک دوسری بیٹی کی شادی ابو العاص سے کی۔ یہ بنی ہاشم میں سے نہیں۔ اسی طرح علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کیا۔ اور عبد اللہ بن عمرو بن عثمان نے فاطمہ بنت حسین سے اور مصعب بن زبیر نے فاطمہ بنت حسین کی بہن سکینہ سے شادی کی۔ اور یہ سبھی غیر ہاشمی تھے۔

☆

توضیح

''مسالک الافہام'' میں اس مسئلہ کی وضاحت میں یہ مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ ''کفو'' صرف اسلام کا ہوتا ہے۔ باقی خاندانی اونچ نیچ کوئی اہمیت نہیں رکھتی اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنی صاحبزادی بیاہ دی۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اور امام حسین نے بھی ایسا ہی کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ سید اور غیر سید کا فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لیے سیدزادی کی غیر سید سے شادی ہو سکتی ہے۔

مبسوط

زَوَّجَ فَاطِمَةَ عَلِيًّا وَهُوَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْن صلوٰة الله عليه وسلامه عليه وَاُمُّهَا خَدِيْجَةُ اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَوَّجَ بِنْتَيْهِ رُقَيَّةَ وَاُمَّ كُلْثُوْمٍ عُثْمَانَ لَمَّا مَاتَتِ الثَّانِيَةُ قَالَ لَوْكَانَتْ ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْنَاهُ اِيَّاهَا۔

(مبسوط جلد ۴ ص ۱۵۹ کتاب النکاح)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کی شادی حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے کی۔ ان کی والدہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور آپ نے اپنی دو صاحبزادیوں رقیہ اور کلثوم کا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان سے نکاح کیا۔ جب دوسری بھی انتقال کر گئیں۔ تو فرمایا اگر تیسری بھی ہوتی۔ تو ہم اس کی شادی عثمان سے کر دیتے۔

نوٹ:

صاحب مبسوط علامہ طوسی نے یہ عبارت اس موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔ یہ رشتہ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ وہ حقیقی مائیں نہیں۔ اگر حقیقی مراد ہوتیں۔ تو پھر ان کی اولاد امتیوں کے بہن بھائی ہوتے۔ اور بہن بھائی کی شادی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج کی اولاد کی شادیاں اُمتیوں سے کی ہیں لیکن اس کے ساتھ عبارت مذکورہ سے دو مسئلے اور بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہیں زیادہ صاحبزادیاں تھیں۔ اور دوسرا یہ کہ شادی میں صرف اسلام کا خیال ہوتا ہے۔ سید اور غیر سید کو نہیں دیکھا جاتا۔

نکاح میں اسلام کے سوا دوسری باتوں میں کفو نہ ہونے پر علامہ حائری شیعی کے دلائل

صاحب لوامع التنزیل علامہ حائری شیعی نے نکاح میں عدم کفو پر ایک مطاعن نقل کیا۔ پھر اس کے اپنی طرف سے چند جوابات ذکر کیے جن سے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ سید اور غیر سید ایک کفو ہیں۔ جب کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کے سوا اور کوئی بات وہ کفو،، نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

لوامع التنزیل:

اشکال

درایں جا دلالت می کند کہ دختر ذالنسب وعالی حسب وجلیل منصب بدنی ذات اگرچہ دراصل غلام زنگی وحبشی باشد دادن جائز است، ایں احد مطاعن اسلام است چنانچہ خود اعزہ اہل اسلام ایں قبیح و منکر می دانند بل میگویند کہ دراصل غلام زنگی تجویز کردہ اند کہ بنکاح مے دہند دختر سادات بنی فاطمہ راکہ اولاد رسول باشد بعام آدمی اگرچہ شرابی، قمار باز کم ذات وغلام حبشی رذیل صفات اباً وجداً باشد، درایں عقل تنفر میکند۔

جواب اوّل:

عندالعقل ومجموع نقل بل بالضرورۃ ثابت ومقطوع است کہ ہمہ آدمیاں من حیث الذات متحد اند پس بقطعی بودن ایں کفائت مماثلت ذاتی درایشاں ثابت وثبوت ایں مناکح دربین خود ایشاں لازم وثابت باشد۔ وازایں جا درحدیث مرتضیٰ علیہ السلام آمدہ اِنَّ النَّاسَ مِنْ جِهَةِ التِّمَا ثُلِ اَكْفَاءٌ اَبُوْنَا اٰدَمُ وَ الْاُمُّ حَوَّا او سعدی ترجمہ ہمیں کردہ۔

ع

بنی آدم اعضائے یکدیگراند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند۔

تنبیہ:

عجیب کہ سائل نکاح دختر عالی را بدنی از مطاعن اسلام شمردہ از جہل وضعفِ عقل او باطل باشد۔

جواب ثانی:

رفعت وذلت اضافی است دنیائی ودینی۔ اما دینائی نزد عقلاء و سلیم حکماء اعتبار نہ دارد زیرآنکہ دنی فانی است۔ واکثر رفعت و عزت دنیائی با آدمی است کہ بدتر از وحوش وگاؤ وخر بی لیاقت محض اند۔ والّا لازم بود کہ ہیچ حزب الاہل دنیا لباس دولت آدمی و ہیچ عاقلے ویکیے وعالمے لباس خواری و پریشانی خراں وگاواں۔ نمی پوشیدہ۔ وحال آنکہ نادر وشاذ باشد کہ در دنیا عاقلے و یکیے وعدبر دانائے محتاج و پریشان نہ باشد۔ پس معلوم شد کہ رفعت وذلت دنیا اعتباری، ندارد۔ ودر کتاب اللہ چند جا چنیں مدارج ومنازل والقاب نفی و سلب فرمود۔ ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وا باءکم ما انزل اللہ بھا من سلطان ان یتبعون الاّ الظن وما تھوی الانفس۔ ملخص آنکہ ایں نیست مگر اسمائیت بآں خود را خود شما وآباء شما نامیدہ اند خدا آنہا را با ہیچ برہان بشما نفرستادہ ایں نیست مگر متابعت گمان وخواہش نفس خود شما۔ پس دختر عالی دنیا بسافل مومن ایں وجہ ہم جائز شد وآیت فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون۔ یعنی بعد نفخ

صور انساب والقاب در خلق باقی نمی ماندند ونہ ازآں پرسش شود پس
ثابت شد کہ ہمہ ایں گمان بے مغز است۔

جواب ثالث

آنچہ درست اعتبار دارد اتحاد دین توحید بین الناکح والمنکوح
چہ اعتبار دارد چہ کفر وایمان ضدین اند باہم جمع عند العقل والنقل
نمی شوند۔ واز نقل ہمیں۔ ولا تنکحوا المشرکات کافی
است پس عند اللہ ہمہ عباد در عبدیت مساوی چنانچہ نزد آقا
ہمہ غلام وکنیز بحیثیت غلامی مساوی اند وبالنسبہ دنیا خلق
ارفع واخفض متفاوت می شوند وآں اضافی است اعتبار ندارد
پس اگر آقا کنیز ہائے مطیعہ خود را با غلامی ھا مطیع خود بغیر متمرداں
نکاح بند در رفعت وذلت عالی حسب ووا.ی نسب بالکل در ایں
جا اطلاق نمی شود۔

جواب رابع:

دراصل دین غرض تحصیل معرفت رب العالمین واطاعت در احکام
دین است ہر کہ عارف مطیع باشد رفیع وہر کہ متمرد او ذلیل نزد
رب وما لک سلاطین است تنبیہ۔ ہرگاہ ایں ثابت شد پس
در شرع امام نبی وشریف در رفیع ووضیع بالنسبۃ تخلیق واطاعت
الہی وعبادۃ واحکام او مساوی است بلی در مدارج آخرۃ متفاوۃ اند وآنچہ
در دنیا براۓ نظم عباد قانون وقاعدہ مقرر کردہ تا ہرج د

مرج و فساد و قبیح و منکر با عمل در بین نیاید۔ و قطع معاصر و معاذر ایشاں شود تا فرد انگونیدی و رسول کرما را ذنی یا زن بگزید مارا مردے از بنی نوع خود پیدا نہ شد۔ لہذا شہوت زدہ آوردہ بے اختیار ساختہ زنا کردیم حجت الٰہی منقطع می شد تعالیٰ عنہ۔

جواب خامس

سید البشر بایں کر د فرزینب بنت جحش راکہ دختر عمہ سقہ آں حضرت بود برائے ارتفاع و ازالہ ایں سوئے ظن و جہالت غلام خود زید را آزاد کردہ بعقد زید داد تا آنکہ زوال جہالت و شریعت تا قیامت مقرر شد و در زیست کہ بوحی دانستہ باشد در آئندہ کہ جمع انکار خواہند کرد پس بنی فاطمہ بجناب انکار و استبعاد کردہ نتوانند حالانکہ اعمام و عمات و اخوال و خالات اصول شخص می باشد بہ نسبت فروع کہ، اولاد و ذریت اند۔)

(لوامع التنزیل جلد دوم۔ ص ۲۷۴ مطبوعہ رفاہ عامہ سٹیم پریس لاہور۔ زیر آیت "ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن" پارہ ۲)

ترجمہ:

احادیث مذکورہ کی بنا پر اس جگہ یہ دلالت ہے۔ کہ اعلیٰ حسب و نسب کی لڑکی اور جلیل القدر دختر کی شادی ادنیٰ مرد کے ساتھ کرنی جائز ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔ اسلام پر کیے گئے مطاعن

میں سے یہ ایک مطاعن ہے۔ جسے معز زادر باوقار مسلمان جانتے ہیں۔
اور کہتے ہیں۔ کہ علماء اسلام نے سادات بنی فاطمہ کی لڑکی جو اولاد
رسول ہے۔ کی عام آدمی سے شادی کر دینا جائز کہا ہے۔ اگرچہ وہ عامی
شرابی، جوا باز، کم ذات اور حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ اس بات سے عقل
نفرت کرتی ہے؟

جواب اول:

عقل و نقل اور بالفرورہ یہ بات ثابت ہے۔ کہ تمام آدمی باعتبار ذات
متحد ہیں۔ ان کی یہ مماثلت اور کفایت ذاتی ثابت ہے۔ اس
وجہ سے ہی ان کے درمیان رشتہ کا لین دین ثابت ہے۔ اسی
بات کی وضاحت میں حضرت علی المرتضٰے کی حدیث میں آیا ہے
کہ وہ تمام لوگ مماثلت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے کفو ہیں
ہمارا باپ آدم اور ہماری ماں حوا ہیں" شیخ سعدی نے اسی کا ترجمہ
شعر میں کیا ہے۔ آدمی، ایک دوسرے کے اعضاء ہیں۔ کیونکہ اپنی
پیدائش میں وہ ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں۔ تنبیہ
مقام تعجب ہے کہ معترض اعلیٰ حسب کی دوشیزہ کی شادی ایک
کم ذات مرد کے ساتھ ہونے کو اسلام کے مطاعن میں سے
شمار کرتا ہے۔ یہ سب معترض کی جہالت اور عقل کی کمزوری کی
وجہ سے باطل ہے۔

جواب دوم:

اعلیٰ و ادنیٰ مرتبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک دنیاوی اور دوسرا دینی

لیکن دنیاوی اعلیٰ مرتبہ، عقل مندوں، اور حکماء کے نزدیک نا قابل اعتبار ہے۔ اس لیے کہ یہ فانی ہے۔ اور اکثر یہ رفعت ایسے آدمیوں کو ملتی ہے جو ڈھور ڈنگروں اور گاؤ خر سے بڑے اور نالائق ہوتے ہیں۔ ورنہ لازم ہوتا۔ کہ کوئی دنیا دار گدھا دولت آدمیت کا لباس اور کوئی عاقل دانا گاؤ خر کا لباس ذلیل نہ پہنتا۔ حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کہ کوئی عاقل و دانا پریشان زندگی میں نہ پڑا ہوا ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ دنیوی عزت و ذلت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر ایسے مدارج و منازل کی نفی اور سلب کیا گیا ہے۔ ترجمہ "نہیں ہیں یہ مگر وہ نام جو رکھے ہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ کوئی حجت نازل نہیں فرمائی۔ نہیں ڈھونڈتے تم مگر ظن کو اور جو کچھ تمہارے نفس چاہتے ہیں"، پس اعلیٰ نسب دنیادار لڑکی، ادنیٰ ذات مومن مرد کو اپنا اس وجہ سے بھی جائز ہے۔ کہ آیت فاذا نفخ فی الصور الخ یعنی صور پھونکے جانے کے بعد مخلوق کے انساب اور القاب باقی نہ رہیں گے۔ اور نہ ہی ان کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ گمان بے اصل ہے۔ (یعنی یہ گمان کہ اعلیٰ نسب کی لڑکی کی شادی ادنیٰ نسب کے مرد کے ساتھ کرنی جائز نہیں)۔

جواب سوم

ناکح اور منکوحہ کے درمیان ملت میں جو چیز معتبر ہے۔ وہ ہے دین توحید میں اتحاد۔ کیونکہ ایمان و کفر دو باہم ضدیں ہیں۔

عقلاً اور نقلاً جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور نقل کے اعتبار سے و لا تنکحوا المشرکات الخ کافی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبدیت کے اعتبار سے تمام آدمی برابر ہیں جس طرح ایک آقا کے نزدیک اس کے تمام غلام اور باندیاں بحیثیت غلامی برابر ہوتے ہیں نسبت میں اعلیٰ و ادنیٰ کا اختلاف ہوتا ہے۔ اور یہ نسبت ایک اضافی امر ہے۔ جس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ لہذا آقا اپنے فرمانبردار غلاموں کا اپنی فرمانبردار لونڈیوں سے نکاح کر دیتا ہے۔ تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اسی طرح اعلیٰ حسب و نسب کی عورت کی شادی اگر ادنیٰ حسب و نسب کے مرد کے ساتھ ہو گئی۔ تو عزت و ذلت کا یہاں اطلاق کیسے ہو گیا۔

جواب چہارم

دین دراصل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے احکام کی اطاعت کا نام ہے۔ اس لیے جو اللہ تعالیٰ کا مطیع اور عارف ہے۔ وہ اس کے نزدیک اس سے اچھا ہے۔ جو سرکش اور نافرمان ہو۔

تنبیہ

جب یہ ثابت ہو گیا۔ تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ امام، نبی، شریف اور اعلیٰ ادنیٰ، تخلیق کے اعتبار سے اور اطاعت الٰہی کے اعتبار سے سبھی برابر ہیں۔ ہاں اُخروی درجات میں فرق ہو گا دنیا میں فرق مراتب اس لیے تاکہ انتظامی امور اور مقررہ قوانین

کا فرق پیش نظر رہے۔ جس کی وجہ سے حرج و فساد اور آپس میں قبح و منکر پیدا نہ ہو۔ اور ان کی مشکلات اور عذر خواہیاں پیدا نہ ہوں۔ تاکہ کل یہ نہ کہیں کہ نبی اور رسول نے ہمیں تکلیف دی ہے۔ یا عورت کہے کہ میرے لیے اپنے قبیلہ کا آدمی پیدا نہ ہوا۔ لہٰذا میں نے شہوت کے غلبہ کی وجہ سے زنا کیا۔ تو اس سے حجت الٰہی نہ رہے گی۔

جواب پنجم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش جو حضور کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید سے اسی لیے کیا۔ تاکہ اس بدگمانی اور جہالت کی رفعت و ذلت کو ختم کر دیا جائے۔ اور تا قیامت جہالت مٹ جائے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ نے بذریعہ وحی جان لیا ہو۔ کہ کچھ لوگ بعد میں اس کا انکار کریں گے۔ پس پنجاب کے بنی فاطمہ سادات اس کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ چچے پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں آدمی کے اصول ہوتے ہیں۔ اور اولاد ان کی نسبت فروع ہوتی ہے"

یہ سوال و جواب اس مفسر اور مجتہد کے ہیں۔ جس پر دنیائے شیعیت کو ناز ہے جس نے تیس جلدوں میں تفسیر لکھی۔ اس کا دلائل کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ کفو اگر ہے۔ تو صرف اسلام کا عقیدۂ توحید اور اطاعت رب العالمین۔ اس کے سوا تمام امتیازات خود ساختہ

بُت ہیں۔ جن کے نام ہم نے خود گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر کوئی حجت نہیں ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں علامہ حائری صاحب لوامع التنزیل نے کفو کے بارے میں اپنے مسلک کی ترجمانی کر دی۔ اب یہ کہنا حق بجانب ہے۔ کہ اہل تشیع کے نزدیک ایک سیدزادی کی شادی کمینے ذلیل اور بے وقعت آدمی سے جائز ہے۔ یہ ہے ان محبان اہل بیت کا عقیدہ اور یہ ہے۔ ان کے نزدیک آل محمد کی عزت و وقعت ؟

نوٹ

جب مذکورہ عقیدہ کسی شیعہ کے سامنے بیان کیا جائے۔ تو وہ اس کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف وہ کہتا ہے۔ کہ ہمارے نزدیک سید کا غیر سید کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں۔ کیونکہ ہمارے اس عقیدے کی ترجمانی درج ذیل عبارت کرتی ہے۔

وسائل الشیعہ

وَ نَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِلَى اَوْلَادِ عَلِيٍّ وَ جَعْفَرَ فَقَالَ بَنَاتُنَا لِبَنِيْنَا وَ بَنُوْنَا لِبَنَاتِنَا۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۴۹ کتاب النکاح

انہ یجوز للرجل الشریف الجلیل

القدر ان یتزوج امراۃ

دونہ الخ)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور جعفر رضی اللہ عنہما کی اولاد کو دیکھ کر فرمایا۔ ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لیے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لیے ہیں۔

ہزار تمہاری دس ہماری

اسلامی شریعت میں قومیت و نسل پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے عفت اور تقویٰ ہی معیارِ شرافت ہے۔ یہ شرفِ سیادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد و اہل بیت و اقرباء کے لیے مخصوص ہے کہ ان کا کفو غیر نہیں ہے۔ یہ قدرتی فضیلت ہے۔ (ہزار تمہاری دس ہماری ص ۲۹۴)

جواب:

یہ دونوں عبارتیں اگرچہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دینے کے مترادف ہیں لیکن کیا کریں۔ خود بڑے بڑے شیعوں نے ان عبارتوں کے جواب اپنی کتب میں تحریر کیے۔ جس کی بنا پر ان پر سہارا کرنا لا حاصل ہے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی جواب نہیں ذکر کریں گے۔ صرف ان کے علماء اور مجتہدین کے جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

لوامع التنزیل

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَہٗ وَدِیْنَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ۔ وَرَاَدَا

فِیْ بَعْضِهَا قُلْتُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنْ کَانَ دَنِیًّا فِیْ نَسَبِہٖ قَالَ اِذَا جَاءَکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَہٗ وَدِیْنَہٗ فَزَوِّجُوْہُ۔

(لوامع التنزیل جلد دوم صفحہ نمبر ۴۷۶)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تمہارے پاس رشتہ کے لیے ایسا شخص آئے۔ جس کا خلق اور دین تمہیں اچھا لگے۔ تو اس کو رشتہ دے دو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے۔ تو زمین میں فساد کبیر اور فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا بعض نے اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ نقل کیے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور! اگرچہ وُہ رشتہ مانگنے والا نسب کے اعتبار سے ذلیل اور نکما ہو؟ آپ نے پھر وہی کلمات ارشاد فرمائے۔

لوامع التنزیل

مروی شیعہ وسنی است کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود من زوجنی وتزوج منی من الامۃ احد لا یدخل النار لانی سئلت اللہ عنہ و وعدنی ذالک۔ واین جا صریح است کہ ہر کس از امت بمن دختر بدہد یا از من بگیرد در مطلب ہمیں کافی است اشکال در کتاب مستطاب من لایحضرہ الفقیہ آیا مروی نیست لما نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اولاد علی وجعفر فی اخری ضمّ معلم واولاد عقیل فقال صلی اللہ علیہ وسلم بنا تنا

لبنینا و بنونا لبنا تنا۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وقت کہ نظر باولادِ علی و جعفر و عقیل کرد پس فرمود دختران ما برائے پسران او پسران ما برائے دختران ما می باشند ایں حصر خصوص لام تخصیص و علت دلالت می کند۔ کہ اولاد رسول حلال برائے غیر از امت در نکاح نمی باشند۔

جواب۔ چونکہ غایت مافی الحدیث قطع النظر از قیل وقال اشعار بما ولویت باشد چہ ازاں احدے منکر نیست کہ مہما امکن توسل ارحام اولی از توسل غیر ارحام می باشد پس عقد باہم در بنی فاطمہ مع التیسر والامکان اولی واحسن وانفید باشد والا لازم می آید تخصیص عموم قرآن بخبر واحد بلا ضرورت چوں وانکحوا الایامی وچوں فانکحوا ما طاب لکم من النساء وغیر آں ومراد ازے عام امت است وباجماع بنی فاطمہ داخل در امت اند۔ پس در حکم عام داخل اند۔ واز حکم عام قطعی برنمی مانند تا وقتیکہ مثل آں حکم خاص قطعی الثبوت نباشد۔

(لوامع التنزیل جلد دوم ص ۲۰۰ زیر آیت ولا تنکحوا المشرکین۔)

ترجمہ:

شیعہ اور سنی دونوں کے ہاں متفقہ روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے مجھے رشتہ دیا۔ اور جس کسی نے مجھ سے رشتہ لیا وہ آگ میں نہیں جائے گا۔ کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ مانگا تھا۔ تو اس نے مجھ سے اس کا وعدہ فرما لیا تھا۔ اس حدیث میں صریحا موجود ہے۔ کہ میری امت میں سے جو بھی مجھے رشتہ دے گا۔ یا مجھ سے لے گا ہمارے مقصد اور مطلب کے لیے اتنا ہی بلا کافی ہے

اشکال:۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں مذکور ہے۔ کیا یہ روایت نہیں؟ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، جعفر اور عقیل کی اولاد کی طرف دیکھا تو فرمایا ہمارے لڑکے ہمارے لڑکیوں کے لیے اور ہماری لڑکیاں ہمارے لڑکوں کے لیے ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا مخصوص رشتہ داری اور حصر کا اظہار کر رہا ہے۔ کیونکہ دو لام، تخصیص اور علت کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی اولادِ رسول امت میں سے غیر کے لیے حلال نہیں۔

جواب

قطع نظر قیل و قال کے جو کچھ حدیثِ مذکورہ میں موجود ہے۔ اس کی غرض و غایت یہ ہے۔ کہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ جب کسی طرح رشتہ کے لیے اولو الارحام میں سے کوئی معقول آدمی مل جائے۔ تو اُس سے انکار کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ لہٰذا اولادِ فاطمہ کا عقد آپس میں کرنا اولیٰ ہے۔ جب آسانی کے ساتھ مناسب رشتہ مل جائے۔ یہ اچھا، مفید اور بہتر ہے۔ اگر اس روایت کو اولویت پر محمول نہ کیا جائے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ بلا ضرورت خبر واحد کے ساتھ قرآن کریم کے عموم کو مخصوص کر دیا جائے۔ جیسا کہ وانکحوا الایامی اور فانکحوا ما طاب لکم آیات تمام امت کو عام حکم دے رہی ہیں۔ اور بالاجماع، بنی فاطمہ امت میں داخل و شامل ہیں۔ لہٰذا اس عام حکم سے باہر نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اسی قسم کی قطعی الثبوت خاص حکم والی کوئی آیت نہ ہو۔

☆

مذکورہ عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ جب اچھے اخلاق والا دیندار مرد مل جائے۔ تو نسب کی پرواہ کیے بغیر اس کو رشتہ دے دو۔

۲۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے رشتہ دیا۔ یا جس نے مجھ سے لیا وہ بموجب عہد الہٰی جنتی ہے۔

۳۔ حضرت علی، جعفر اور عقیل رضی اللہ عنہم کی اولاد کے بارے میں حضور کے فرمان کا مطلب یہ ہے۔ کہ بنی فاطمہ کا باہم رشتہ کرنا کرانا اولیٰ و احسن ہے۔

۴۔ قرآن کریم میں رشتہ کرنے کرانے کے متعلق آیات اپنے عموم پر ہیں۔ اُن میں سید اور غیر سید کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔

۵۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں مذکور حدیث (اولادِ علی، جعفر، عقیل کے متعلق) خبر واحد ہے۔ اور اس سے بلا ضرورت عموم قرآن کو مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔

نوٹ:

مندرجہ بالا روایت سے کچھ فوائد بھی حاصل ہوئے اور وہ یہ ہیں کہ:۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کہ جس کا خلق اور دین اچھا ہو۔ اس کو رشتہ دے دو۔ آپ نے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم اور رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے کی۔ تو یقیناً آپ کے نزدیک حضرت عثمان خلق و دین کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا۔ اگر تیسری بھی ہوتی۔ تو اس کا

نکاح عثمان سے کر دیا۔ اسی قانون اور ضابطہ کے مدنظر حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا عقد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا مسالک الافہام جلد سوم ص ۲۷۲ پر درج ہے۔

ان عمر تزوج ام کلثوم بنت علی فاصدقها اربعین الف درهم۔ حضرت عمر نے ام کلثوم دختر علی المرتضیٰ سے چالیس ہزار درہم حق مہر پر شادی کی۔

۲۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے رشتہ دینے والا اور مجھ سے لینے والا بموجب عہد خداوندی جنتی ہے۔ لہٰذا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی اپنی صاحبزادیوں کے رشتے دے کر جنتی ہوئے۔ اور عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سے نکاح کر کے جنتی ہوئے

فاعتبروا یا اولی الابصار

احناف کے نزدیک سیدزادی کا غیر سید سے نکاح خلاف کفو ہے

فتاوی عالمگیریہ

فَقُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ كَيْفَ كَانُوْا حَتّٰى اِنَّ الْقُرَشِيَّ الَّذِيْ لَيْسَ بِهَاشِمِيٍّ يَكُوْنُ كُفُوًا لِلْهَاشِمِيِّ وَغَيْرُ الْهَاشِمِيِّ مِنَ الْعَرَبِ لَا يَكُوْنُ كُفُوًا لِلْقُرَشِيِّ وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ اَكْفَاءٌ

بَعْضٍ اَلْاَنْصَارِیُّ وَالْمُهَاجِرُ فِیْهِ سَوَاءٌ كَذَا فِیْ
فتاویٰ قاضی خان........ فِیْ اَلْیَنَابِیْعِ اَلْعَالِمُ
كُفُوءٌ لِلْعَرَبِیَّةِ وَالْعَلَوِیَّةِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ
لَا یَكُوْنُ كُفُوًا لِلْعَلَوِیَّةِ۔

(فتاویٰ عالمگیریہ جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۰۸
الباب الخامس فی الاکفاء
مطبوعہ مصر قدیم)

ترجمہ:

قریش باہم کفو ہیں۔ ان کی کوئی بھی شاخ ہو۔ یہاں تک کہ وہ قریشی جو ہاشمی نہیں وہ بھی ہاشمی کا کفو ہوگا۔ عرب کا غیر ہاشمی، ہاشمی کا کفو نہیں ہوگا۔ اور عرب بعض، بعض کے کفو ہیں۔ ان میں انصار اور مہاجرین برابر ہیں اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ینابیع میں ہے۔ کہ عالم دین عربی اور علوی خاندان کا کفو ہے۔ اور صحیح تر قول یہ ہے۔ کہ عالم دین، علوی کا کفو نہیں ہوگا۔

فتح القدیر

اِذَا كَانَتْ اَلْكَفَاءَةُ مُعْتَبَرَةً فِی اَلْحَرْبِ وَذٰلِكَ
فِیْ سَاعَةٍ وَفِی النِّكَاحِ وَهُوَ لِلْعُمُرِ اَوْلٰی
وَذُكِرَ مَا وَقَعَ فِیْ غَزْوَةِ بَدْرٍ اَنَّهٗ لَمَّا بَرَزَ
عُتْبَةُ بْنُ رَبِیْعَةَ وَشَیْبَةُ بْنُ رَبِیْعَةَ وَالْوَلِیْدُ
بْنُ عُتْبَةَ وَخَرَجَ اِلَیْهِمْ عَوْفٌ وَمَعُوْذٌ اِبْنَاءُ

عَفْرَاءَ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ رَوَاحَۃَ قَالُوْا رَھْطٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالُوْا اَبْنَاءُ قَوْمٍ كِرَامٌ وَلٰكِنَّا نُرِيْدُ اَكْفَاءَنَا مِنَ الْقُرَيْشِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ صَدَقُوْا ثُمَّ اَمَرَ حَمْزَۃَ وَعَلِيًّا وَعُبَيْدَۃَ بْنَ الْحَارِثِ۔

(فتح القدیر جلد دوم ص ۱۷۴ فی الکفارت
مطبوعہ مصر قدیم)

ترجمہ:

جب کفو کا دوران جنگ اعتبار ہے۔ حالانکہ وہ چند لمحوں کی بات ہوتی ہے۔ تو نکاح میں وہ بطریقہ اولیٰ ہوگا کیونکہ وہ عمر بھر کا رشتہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں غزوہ بدر کا ذکر کیا۔ جب عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے اپنا مقابل مانگا۔ تو حضرت عوف معوذ جو عفراء کے صاحبزادے ہیں۔ اور عبد اللہ بن رواحہ نکلے۔ انہوں نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم قبیلہ انصار کے افراد ہیں۔ کہنے لگے ٹھیک ہے تم باعزت قوم ہو لیکن ہم قریش میں سے مقابل چاہتے ہیں۔ جو ہمارے خاندان کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر آپ نے حمزہ، علی المرتضےٰ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کو حکم دیا۔ کہ تم ان کے مقابلہ کے لیے نکلو۔ لہٰذا یہ تینوں نکلے۔ اور ان تینوں کو تہ تیغ کر دیا۔

فتح القدیر:

عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَۃَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَاَمْنَعَنَّ فُرُوْجَ ذَوَاتِ الْاَحْسَابِ اِلَّا مِنَ الْاَکْفَاءِ وَمِنْ ذَالِكَ مَا رَوَی الْحَاکِمُ وَصَحَّحَہٗ مِنْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ لَہٗ یَا عَلِیُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ کُفُوًا وَقَوْلُ التِّرْمِذِیْ فِیْہِ لَا اَرٰی اِسْنَادَہٗ مُتَّصِلًا مُنْتَفٍ بِمَا ذَکَرْنَا مِنْ تَصْحِیْحِ الْحَاکِمِ وَقَالَ فِیْ سَنَدِہٖ سَعِیْدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الْجُھَنِیْ مَکَانَ قَوْلِ الْحَاکِمِ سَعِیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الجُمَحِیْ فَلْیَنْظُرْ فِیْہِ وَمَا عَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَخَیَّرُوْا لِنُطْفِکُمْ وَانْکِحُوا الْاَکْفَاءَ رُوِیَ ذَالِكَ مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَۃَ وَاَنَسٍ وَعُمَرَ وَمِنْ طُرُقٍ عَدِیْدَۃٍ فَوَجَبَ اِرْتِفَاعُہٗ اِلَی الْحُجِّیَّۃِ بِالْحَسَنِ لِحُصُوْلِ الظَّنِّ بِصِحَّۃِ الْمَعْنٰی وَثُبُوْتِہٖ عَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِیْ ھٰذَا کِفَایَۃٌ ثُمَّ وَجَدْنَا فِیْ شَرْحِ الْبُخَارِیْ لِلشَّیْخِ بُرْھَانِ الدِّیْنِ حَلَبِیْ ذَکَرَ اَنَّ الْبَغَوِیَّ قَالَ اِنَّہٗ حَسَنٌ۔

(فتح القدیر جلد دوم ص ۱۷۰ مطبوعہ مصر طبع قدیم فصل فی الاکفاء)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہ نے ایک شخص کے واسطے سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے

روایت کی۔ فرمایا۔ میں لازماً کفو کے بغیر ذات حسب کے نکاح سے منع کروں گا۔ اور اسی قبیلہ سے وہ روایت ہے جسے حاکم نے ذکر کر کے اس کی صحت حضرت علی المرتضیٰ کے حوالہ سے کی۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی المرتضیٰ کو فرمایا۔ اے علی! تین باتوں میں تاخیر نہ کرنا۔ نماز جب اس کا وقت آجائے۔ جنازہ جب تیار ہو جائے۔ اور کنواری کا جب کفو میں رشتہ مل جائے۔ اور امام ترمذی کا اس میں یہ کہنا کہ میں اس کی اسناد میں اتصال نہیں پاتا، امام حاکم کی تصحیح سے منتفی ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ اس کی سند میں سعید بن عبداللہ جہنی، سعید بن عبدالرحمٰن جہنی کی جگہ ہے۔ لہٰذا تو بھی اس میں اچھی طرح دیکھ۔ اور یہ اس روایت کے بھی خلاف ہے۔ جو حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی وہ یہ کہ اپنے رشتہ کے لیے اپنا کفو تلاش کرو۔ اور اسے ہی پسند کرو۔ یہ روایت حضرت عائشہ، انس اور عمر رضی اللہ عنہم سے اور متعدد طریقوں سے روایت ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کا مقام حجیت تک بلند ہونا لازم ہے۔ اس لیے کہ معنی کی صحت کے اعتبار سے ظن غالب حاصل ہو رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثابت ہونا بھی حاصل ہو رہا ہے۔ یہی بات کافی ہے۔ پھر ہمیں شرح بخاری شریف جو شیخ برہان الدین حلبی کی ہے۔ میں یہ ملا۔ کہ علامہ بغوی نے کہا۔ کہ یہ حسن ہے۔

خلاصہ کلام

احناف کے فتاویٰ اور کلام سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ہمارے ہاں کفو کا اعتبار

ہے۔ اور اس کی تائید کے لیے صاحب فتح القدیر نے دو احادیث پیش کیں۔ ایک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے پھر جب کہ ہمارے نزدیک ہاشمی اور قریشی باہم کفو ہیں۔ تو وہ سب رشتے جو اہل تشیع کے علماء نے عدم کفو پر پیش کیے تھے۔ وہ کفو میں منعقد ہوئے۔ عدم کفو کے اعتبار سے ہی اہل تشیع نے یہ ثابت کیا کہ سیدزادی کا کسے ادنیٰ ذلیل آدمی سے رشتہ جائز ہے۔ امید ہے۔ کہ قارئین کرام دلائل مذکورہ کی روشنی میں اصلیت تک بآسانی پہنچ جائیں گے۔

مسئلہ نمبر ۲۳

عدم وطی کی شرط پر نکاح

فروع کافی

علی عن ابیہ عن ابن ابی عمیر عن عمار بن مروان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قَالَ قُلْتُ لَهُ رَجُلٌ جَاءَ اِلَى اِمْرَاَةٍ فَسَئَالَهَا اَنْ تُزَوِّجَهُ نَفْسَهَا فَقَالَتْ اُزَوِّجُكَ نَفْسِيْ عَلٰى اَنْ تَلْتَمِسَ مِنِّيْ مَا شِئْتَ مِنْ نَظَرٍ اَوْ اِلْتِمَاسٍ تَنَالُ مِنِّيْ مَا يُنَالُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِهٖ اِلَّا اِنَّكَ لَا تُدْخِلُ فَرْجَكَ فِيْ فَرْجِيْ وَتَتَلَذَّذُ بِمَا شِئْتَ فَاِنِّيْ اَخَافُ الْفَضِيْحَةَ قَالَ

لَیْسَ لَہٗ اِلَّا مَا اشْتَرَطَ

(فروع کافی جلد ۵ ص ۴۶۷ کتاب النکاح
باب النوادر)

ترجمہ:

عمار بن مروان نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ایک مرد کسی عورت کے پاس جاکر یہ کہتا ہے۔ کہ میں تجھ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ عورت نے کہا۔ میں تم سے شادی کرتی ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ تو مجھے دیکھنے کا یا اور ایسا تقاضا کر سکتا ہے۔ جو کوئی مرد اپنی بیوی سے کرتا ہے۔ لیکن تو اپنا آلۂ تناسل میری شرمگاہ میں داخل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس سے مجھے رسوائی کا خطرہ ہے۔ (اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟) امام جعفر نے فرمایا۔ اس مرد کے لیے وہی کچھ کرنا جائز ہوگا۔ جو اس نے شرطیں مان لیا تھا۔

"وطی" میں عورت کی رسوائی کا کونسا پہلو ہے؟ اگر دخول سے لڑکا یا لڑکی پیدا ہو جائیں۔ تو اس پر لوگ خوشیاں مناتے ہیں۔ یہ بات باعث رسوائی نہیں ہو سکتی رسوائی تو اس صورت میں ہوگی۔ کہ اگر بغیر نکاح، وطی کرنے سے اولاد ہو گئی۔ تو لوگ ایسی اولاد کو لورجن کے فعل سے یہ پیدا ہوئی۔ ان کو لعن طعن کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نکاح بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ جب اہل تشیع متعہ کو کار ثواب اور حصول درجات عالیہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اس کے لیے کوئی لمبا چوڑا وقت نہیں۔ صرف خواہشات نفس پورا کرنے تک کا عقد ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقتی

ایجاب وقبول سے کسی عورت کے ہاں بچہ یا بچی کا مسئلہ بن گیا۔ تو وہ لوگوں کو کیا منہ دکھائے گی۔ لوگ اس سے پوچھیں گے۔ یہ کس کا ہے؟ تو کیا کہے گی۔ آیا تھا۔ چلا گیا۔ نہ جانے اب کہاں ہے۔ مہمان تھا۔ جاتے ہوئے چند ٹکوں کے عوض یہ رسوائی چھوڑ گیا۔ اگر یہی بات ہے۔ تو متعہ کی اجازت مل رہی ہے۔ لیکن اگر دوسری طرف دیکھا جائے۔ تو اس سے "وطی فی القبل" چونکہ منع ہو گئی۔ اس لیے "وطی فی الدبر" کا راستہ کھلا ہے۔ خود عورت کہہ رہی ہے۔ کہ "جماع" نہ کرنا اور جس طرح لذت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہیں کھلی چھٹی ہے۔ تو اس میں "لواطت" کی اجازت نظر آ رہی ہے۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ اہل تشیع کے ہاں عورت کے ساتھ لواطت کرنا جائز ہے۔ بلکہ یہ تو مردوں کے ساتھ بھی لواطت کے جواز کے قائل ہیں حوالہ ملاحظہ ہو۔

فرق الشیعہ

(محمد بن علی بن موسیٰ رضا کا ایک خادم محمد ابن نصیر نمیری کہتا ہے۔)

وَيَقُوْلُ بِالْاِبَاحَةِ لِلْمَحَارِمِ وَيُحِلُّ نِكَاحَ الرِّجَالِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِيْ اَدْبَارِهِمْ وَيَزْعَمُ اَنَّ ذَالِكَ مِنَ التَّوَاضُعِ وَتَذَلُّلِ وَاَنَّهُ اِحْدَى الشَّهْوَاتِ وَالطَّيِّبَاتِ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ۔

(فرق الشیعہ ص ۹۳ مولفہ ابو محمد الحسن بن موسیٰ النوبختی مطبوعہ مطبع حیدریہ نجف اشرف)

ترجمہ :

امام موسیٰ رضا کا ایک خادم بیان کرتا ہے۔ کہ محرم عورتوں (ماں، بہن بیٹی وغیرہ) کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ اور مرد کا مرد کے ساتھ نکاح کرنا۔ بھی جائز ہے۔ وہ ایک دوسرے کی دُبر استعمال کریں گے۔ اور اس کا گمان ہے۔ کہ اس فعل میں تواضع اور انکساری پائی جاتی ہے اور یہ فعل خواہشات اور طیبات میں سے ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان باتوں میں سے کوئی بھی حرام قرار نہیں دی۔

لمحۂ فکریہ:

مذکورہ مسئلہ جس کتاب یعنی فرق الشیعہ سے پیش کیا گیا اس کا مؤلف علامہ نوبختی ہے۔ نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین جلد اول ص ۲۶۴ پر اس کے متعلق لکھا۔ "در کتاب نجاشی مذکور است کہ در علم کلام بر جمیع امثال و نظائر فائق بود" یعنی نوبختی اپنے دور کے تمام علماء کلام سے ممتاز و منفرد تھا۔ صاحب کتاب الکنی، والالقاب نے اسی کے متعلق کہا۔ "وہ بہت بڑا عالم اور کثیر کتب کا مصنف ہونے کے ساتھ ثقہ اور مضبوط تھا" تو ایسے عالم بے مثال، رافضی اور ثقہ آدمی کی بات اور وہ بھی اپنے گھر کے متعلق کب غلط ہو سکتی ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کچھ شیعہ ایسے بھی ہیں۔ جو ماں، بہن اور بیٹی کے نکاح کو حلال کہتے ہیں۔ اور مردوں کے ساتھ وطی فی الدبر کے لیے نکاح کو بھی جائز کہتے ہیں۔ ان حالات و واقعات کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل تشیع کے ہاں عیاشی اور بدمعاشی صرف الفاظ کی حد تک ہے۔ بلکہ اس کی عملی صورت بھی موجود ہے اور یہ سب کچھ ان کے ہاں اس لیے حلال و جائز ہو گیا۔ کہ انہوں نے ائمہ کی امامت تسلیم کر لی۔ جس کی بنا پر حلال و حرام

سب جائز ہو گئے۔ خود اپنی زبانی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ حوالہ مسئلہ نمبر ۲۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض شیعہ فرقے یہ کہتے ہیں۔ کہ امام کو مان لو۔ پھر ہر حرام، حلال ہو جائے گا۔

فرق الشیعہ

كَانَ حَمْزَةُ بْنُ عَمَّارَةَ نَكَحَ اِبْنَتَهُ وَ اَحَلَّ جَمِيْعَ الْمَحَارِمِ وَقَالَ مَنْ عَرَفَ الْإِمَامَ فَلْيَصْنَعْ مَا شَاءَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔

(فرق الشیعہ ص ۲۸ مطبع حیدریہ نجف اشرف سن طباعت ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ:

حمزہ بن عمارہ نے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کر رکھا تھا۔ اور وہ تمام محرم عورتوں کے ساتھ شادی کرنا حلال کہتا تھا۔ اور کہتا تھا جس نے امام کو پہچان لیا۔ وہ جو چاہے کرتا پھرے۔ اسے کوئی گناہ نہیں۔

لمحہ فکریہ!

قارئین کرام! غور طلب بات ہے۔ کہ اہل تشیع کے ہاں حلت و حرمت کا معیار کیا ہے۔ وہ یہ کہ امام کو مان لو۔ پھر حرمت کہیں نظر نہ آئے گی۔ "فرق الشیعہ" کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ جو شیعہ مطبع میں چھپی اور اس کی عبارات انہی کی تحریر کردہ ہیں۔ بصورتِ دیگر اگر ان کتابوں میں مذکورہ حوالہ جات موجود نہ ہوں۔ تو فی حوالہ بیس ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اور صرف ان کے نزدیک مسئلہ امامت پر قائم ہے۔ مان لو تو سب جائز اور نہ مانو تو بخشش کی کوئی امید نہ رکھو۔ امامت تسلیم کرنے پر ماں، بہن اور بیٹی سے جماع اور مردوں سے لواطت کر کے عجز و انکساری کا اظہار کرو۔ سب درست ہے۔ لاحول و لاقوۃ الا باللہ۔

> ایک شیعہ فرقہ کا عقیدہ ہے۔ کہ امام جعفر خدا اور ابوالخطاب ان کا رسول ہے۔ ارکان اسلام میں سے کسی کو فرض نہیں سمجھتے

فرق الشیعہ

قَالَتْ اِنَّ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ جَعْفَرَ ابْنِ مُحَمَّدٍ هُوَ اللّٰهُ

جَلَّ وَعَزَّ وَتَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا
وَاِنَّ اَبَا الْخَطَّابِ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ اَرْسَلَهُ جَعْفَرُ
وَاَمَرَ بِطَاعَتِهٖ وَاَحَلَّ الْمَحَارِمَ مِنَ الزِّنَا وَالسَّرِقَةِ
وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَتَرَكُوا الزَّكٰوةَ وَالصَّلٰوةَ
وَالصِّيَامَ وَالْحَجَّ وَاَبَاحُوا الشَّهَوَاتِ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ وَقَالُوْا مَنْ سَأَلَهٗ اَخُوْهُ لِيَشْهَدَ لَهٗ اَخُوْهُ
مُخَالِفِيْهِ فَلْيُصَدِّقْهُ وَيَشْهَدُ لَهٗ فَاِنَّ ذَالِكَ
فَرْضٌ عَلَيْهِ وَاجِبٌ وَجَعَلُوا الْفَرَائِضَ رِجَالًا
سَتَرَهُمْ وَالْفَوَاحِشَ وَالْمَعَاصِيَ رِجَالًا
وَتَاَوَّلُوْا عَلٰى مَا اسْتَحَلُّوْا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَقَالُوْا خُفِّفَ عَنَّا
بِاَبِي الْخَطَّابِ وَوُضِعَ عَنَّا الْاَغْلَالُ يَعْنُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَالزَّكٰوةَ وَالصِّيَامَ وَالْحَجَّ فَمَنْ عَرَفَ الرَّسُوْلَ
النَّبِيَّ الْاِمَامَ وَلْيَصْنَعْ مَا اَحَبَّ۔

(فرق الشیعہ ص ۴۲ تذکرہ فرقہ خطابیہ)

ترجمہ:

فرقہ خطابیہ ایسا فرقہ ہے۔ جو امام جعفر صادق کے بارے میں "خدا" ہونے کا معتقد ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بڑا اور بلند و بالا ہے۔ اور ابو الخطاب کو امام جعفر کا نبی مرسل مانتے ہیں۔ اس نے حرام باتوں کو حلال کر دیا۔ مثلاً زنا، چوری، شراب پینا۔ اور ان لوگوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دی۔ نماز پڑھنا چھوڑ دی۔ روزہ رکھنا ختم کر دیا۔

اور حج کی فرضیت کا انکار کر دیا۔ اور تمام شہوتیں مباح کر دیں حتیٰ کہ مرد کا مرد کے ساتھ خواہش پوری کرنا بھی جائز ہو گیا۔ اور ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی بھائی اپنے مخالفوں کے خلاف اپنے بھائی سے گواہی دینے کا کہے۔ تو اس کی بات مان کر گواہی دینی ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام برائیاں اور فواحش، مردوں کے نام ہیں۔ (فعل نہیں) اور ان تمام چیزوں کو حرام حلال قرار دینے کے لیے بہانہ یہ بناتے ہیں ۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وہ تمہارے ساتھ تخفیف کا ارادہ رکھتا ہے" کہتے ہیں کہ ابو الخطاب کے ذریعہ ہم پر تخفیف کی گئی۔ اور ہم سے طوق اتار کر رکھ دیئے گئے۔ طوق سے مراد نمازیں، روزے، زکوٰۃ اور حج ہے ۔ لہٰذا جس نے رسول اور امام کو پہچان لیا۔ وہ جو چاہے کرتا پھرے۔ (کوئی گناہ نہیں ہو گا۔)

لمحہ فکریہ

فرقہ خطابیہ کے امام جعفر صادق کے بارے میں "الٰہ" ہونے کے عقیدہ سے تو صاحب فرق الشیعہ نے بیزاری کا اظہار کیا۔ لیکن دیگر بکواسات کو صرف نقل کرنے پر اکتفا کیا۔ بہر حال فرقہ خطابیہ دوسرے شیعہ فرقوں کے نزدیک معیوب ہی سہی لیکن ہے تو یہ بھی شیعہ۔ اس قسم کی جرأتیں ان اہل تشیع میں نہ جانے کہاں سے آگئیں۔ یہ فرقہ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ کہ تمام حرام اشیاء کو امام جعفر نے بواسطہ اپنے پیغمبر ابو الخطاب حلال کیا۔ حالانکہ امام صاحب رضی اللہ عنہ کا ایسا کہنا محال ہے۔ اسی فرقہ کی طرح دوسرے شیعہ فرقے بھی آجا کر ہر مسئلہ کی نسبت امام جعفر یا امام محمد باقر کی طرف کرتے ہیں۔ نہ ان کے پاس قرآن کی کوئی دلیل و آیت۔ نہ احادیث

مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی تائید نہ اقوال ائمہ سے کوئی سروکار۔ صرف اور صرف مسئلہ امامت کو تسلیم کرنا ہے۔ اور پھر لگامیں اُتار کر پھینک دی جاتی ہیں۔ کسی نے تھوڑی دوڑ لگائی تو متعہ، تقیہ اور دیگر محرمات کو حلال قرار دیا۔ اور کسی نے زیادہ دوڑ لگائی۔ توسب حرام کو حلال کرتا چلا گیا۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

"تنسخ" کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک روح نکل کر دوسرے میں منتقل ہو جائے۔ پھر اس سے تیسرے چوتھے کی طرف منتقل ہوتی رہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

فرق الشیعہ

فِرْقَۃٌ قَالَتْ جَعْفَرُ ابْنُ مُحَمَّدٍ ھُوَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَتَعَالیَ اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا اِنَّمَا ھُوَ نُوْرٌ یَدْخُلُ فِیْ اَبْدَانِ الْاَوْصِیَاءِ فَیَحِلُّ فِیْھَا وَکَانَ ذَالِکَ النُّوْرُ فِیْ جَعْفَرَ ثُمَّ خَرَجَ مِنْہُ فَدَخَلَ فِیْ اَبِی الْخَطَّابِ فَصَارَ جَعْفَرُ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ ثُمَّ

خَرَجَ مِنْ اَبِی الْخَطَّابِ فَدَخَلَ فِی مَعْمَرٍ وَ صَارَ اَبِی الْخَطَّابِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فَمَعْمَرُ هُوَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَخَرَجَ ابْنُ اللَّبَّانِ يَدْعُوْ اِلٰى مَعْمَرٍ وَقَالَ اِنَّهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَصَلّٰى لَهُ وَصَامَ وَحَلَّ الشَّهْوَاتِ كُلَّهَا مَعَ مَا حَلَّ مِنْهَا وَمَا حَرُمَ وَلَيْسَ عِنْدَهُ شَيْئٌ مُحَرَّمٌ وَقَالَ لَمْ يَخْلُقِ اللّٰهُ هٰذَا اِلَّا لِخَلْقِهٖ فَكَيْفَ يَكُوْنُ مُحَرَّمًا وَحَلَّ الزِّنَا وَالسَّرِقَةَ وَشُرْبَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَنِكَاحَ الْاُمَّهَاتِ وَالْبَنَاتِ وَالْاَخَوَاتِ وَنِكَاحَ الرِّجَالِ وَوَضَعَ عَنْ اَصْحَابِهٖ غُسْلَ الْجَنَابَةِ وَقَالَ كَيْفَ اَغْتَسِلُ مِنْ نُطْفَةٍ خُلِقْتُ مِنْهَا وَزَعَمَ اَنَّ كُلَّ شَيْئٍ اَحَلَّ اللّٰهُ فِی الْقُرْاٰنِ وَحَرَّمَهُ فَاِنَّمَا هُوَ اَسْمَاءُ رِجَالٍ۔

(فرق الشیعہ ص ۴۴ تذکرہ فرقہ معمریہ،
مطبوعہ حیدریہ عراق)

ترجمہ:

فرقہ معمریہ کہتا ہے۔ کہ جعفر بن محمد "اللہ" ہے۔ وہ ایک نور ہے جو اوصیاء کے بدن میں داخل ہوتا ہے۔ اور ان میں حلول کر جاتا ہے وہ نور امام جعفر میں تھا۔ پھر ان سے نکل کر ابو الخطاب میں داخل ہو گیا۔ لہذا امام جعفر فرشتوں میں سے ہو گئے۔ پھر وہ نور ابو الخطاب سے نکل کر معمر میں داخل ہو گیا۔ تو ابو الخطاب فرشتوں میں سے ہو گیا پس معمر اللہ

بن گیا۔ پھر ابن اللبان آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ معمر اللہ ہے۔ اس نے اس کی نماز پڑھی۔ روزہ رکھا۔ اور تمام شہوات کو حلال کر دیا۔ جو حلال تھیں وہ بھی اور جو حرام تھیں وہ بھی۔ اس کے نزدیک کوئی چیز حرام ہے ہی نہیں۔ اور کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنی مخلوق کے لیے بنایا ہے۔ پس یہ کیسے حرام ہو سکتا ہے۔ اس نے زنا، چوری، شراب نوشی، مردار، خون، خنزیر کا گوشت، ماؤں بیٹیوں بہنوں کے ساتھ نکاح اور مرد کا مرد کے ساتھ نکاح حلال کر دیا۔ اور اپنے ملنے والوں سے غسلِ جنابت ختم کر دیا۔ اور کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں اس نطفہ کے نکلنے کی وجہ سے غسل کروں جس سے میں پیدا کیا گیا ہوں۔ اس کا زعم تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال و حرام قرآن میں شمار کیے ہیں وہ مردوں کے نام ہیں۔

المحمدیہ

دیگر فرقوں سے یہ فرقہ چار قدم آگے بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے محرمات کو محرمات سمجھا ہی نہیں۔ بلکہ انہیں مردوں کے نام سے تعبیر کیا۔ اور دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کے استعمال کے لیے جب سب کچھ پیدا کیا۔ تو پھر ممانعت کس بات کی؟ نہ کوئی خورد نی نوشیدنی چیز حرام اور نہ ہی کوئی رشتہ ناجائز۔ ماں بہن بیٹی سب سے خواہش نفس پوری کی جا سکتی ہے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصیاء میں حلول کیا۔ جب تک وہ اندر رہا وہ خدا ہو گئے۔ جب نکل گیا۔ تو فرشتے بن گئے۔ گویا کفر و شرک ایمان و عدم ایمان کی کوئی تفریق نہیں۔ اچھے بُرے کا امتیاز ختم۔ یہ عقائد ہم نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ "فرق الشیعہ" سے بقید صفحہ ذکر کیے

ہیں۔ اگر کوئی ایک حوالہ غلط ثابت ہو جائے۔ تو بیس ہزار روپیہ نقد انعام۔

فرق الشیعہ:

و زعموا ان علی بن موسی ومن ادعی الامامۃ من ولد موسی بعدہ فغیر طیب الولادۃ و نفوھم عن انسابھم وکفروا ھم فی دعواھم الامامۃ وکفروا القائلین بامامتھم واستحلوا دمائھم واموالھم وزعموا ان الفرض من اللہ علیھم اقامۃ الصلوٰۃ الخمس وصوم شھر رمضان وانکروا الزکوٰۃ والحج وسائر الفرائض وقالوا باباحۃ المحارم من الفروج والغلمان واستلوا ذالک بقول اللہ عزوجل او یزوجھم ذکرانا وقالوا بتناسخ وان الائمۃ عندھم

وَاحِدٌ اِنَّمَا هُمْ مُنْتَقِلُوْنَ مِنْ بَدَنٍ اِلٰى بَدَنٍ وَالْمُوَاسَاتُ بَيْنَهُمْ وَاجِبَةٌ فِيْ كُلِّ مَا مَلَكُوْهُ مِنْ مَالٍ وَكُلِّ شَيْءٍ اَوْصٰى بِهٖ رَجُلٌ مِنْهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لِسَمِيْعِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَاَوْصِيَائِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ -

(فرق الشیعہ ص ۸۲ تا ۸۴ تذکرہ فرقہ لبشریہ
مطبوعہ مطبع حیدریہ نجف اشرف)

ترجمہ:

فرقہ لبشریہ کا خیال ہے۔ کہ علی بن موسیٰ اور ان کے اولاد سے جس نے بھی امامت کا دعویٰ کیا۔ وہ حرامی ہے۔ اُن کا اہل بیت کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے امامت کا دعویٰ کر کے کفر کیا۔ اور جن لوگوں نے ان کی امامت تسلیم کی وہ بھی کافر ہیں۔ ان کے خون حلال ہیں۔ ان کے مال بھی حلال ہیں۔ اُن کا خیال یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پانچ نمازیں اور ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ زکوٰۃ اور حج اور دیگر تمام فرائض کا انکار کرتے ہیں۔ اور مرد وزن کی شرمگاہ استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل پیش کرتے ہو۔ "او اللہ نے اُن کے مردوں اور عورتوں سے جوڑے بنائے۔" تناسخ کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ امام درحقیقت ایک ہی ہے۔ وہی ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتا رہا۔ ان کے درمیان مواسات واجب ہے۔ اور ان میں سے جو کسی چیز کے بارے میں وصیت

کردے۔ وہ سمیع بن محمد اور ان کے اوصیاء کی ہو جائے گی۔

ملحہ فکریہ

جیسا کہ آپ قارئین حضرات جانتے ہیں۔ کہ اہل تشیع کا کوئی فرقہ ہو مسئلہ امامت ان کا روح رواں ہے۔ اسی کو ثابت کرنے اور ثابت ہو جانے کے بعد پھر اپنے لیے کھلی چھٹی پاتے ہیں۔ حرام وحلال جائز و ناجائز سب ختم۔ یہی فرقہ بشیریہ کہ جس نے امام موسیٰ بن جعفر تک تو دوسرے شیعہ فرقوں کی موافقت کی۔ لیکن ان کے وصال کے بعد بپھر گیا۔ اور محمد بن بشیر کو تاج امامت پہنایا۔ ان کے مقابلہ میں موسیٰ بن جعفر کو دوسرے لوگوں نے امام مقرر کیا۔ تو آپس میں کفر و شرک اور حرامی ہونے کے فتوے شروع ہو گئے۔ ان کم بختوں کو نہ اہل بیت کا احترام رہا۔ نہ اُن کی ذاتی شرافت اور خوبیاں نظر آئیں۔ ان پر اور ان کے ماننے والوں پر کفر تک کا فتویٰ لگا دیا۔ کچھ اسی قسم کی باتیں ان اہل تشیع کے دیگر فرقوں میں بھی ہیں۔ ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ یہ چند باتیں اگرچہ شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کے ہی متعلق تھیں۔ لیکن ان میں ان کی فقہ کی کچھ باتیں بھی تھیں۔ اس لیے ہم نے یہاں ذکر کر دیں۔ اب آپ اندازہ فرمائیں۔ کہ اسلام کا اور ان لوگوں کے مذہب کا کیا اتصال ہے؟ احکام الٰہی اور فرمودات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ائمہ اہل بیت کے معمولات و مقولات میں سے کسی کے ساتھ بھی ان کی بن نہیں آتی۔ ان لوگوں کی اوّل و آخر فقہ یہی ہے۔ کہ خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ بس وہ جہاں سے جیسے حاصل ہو۔ وہ جائز ہے۔ لیکن باقی سب کچھ ناجائز۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

كتاب المتعة
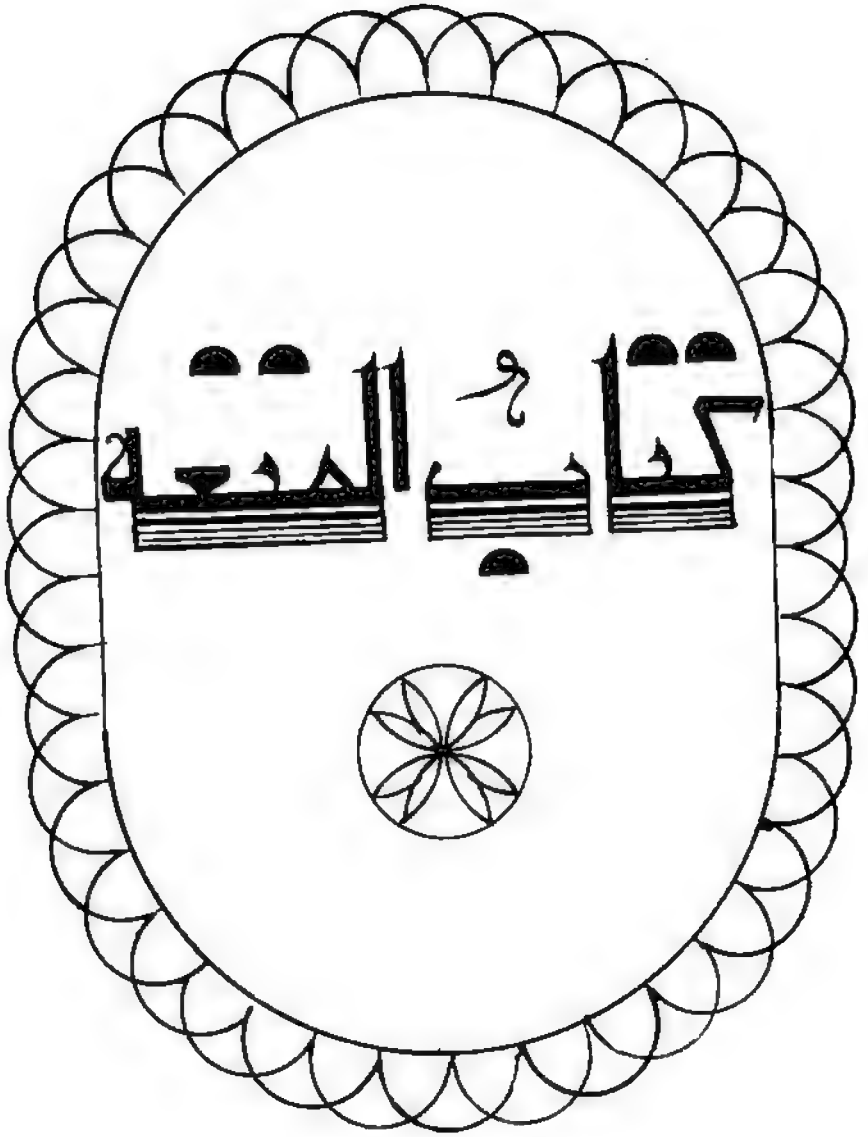
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے قبل دورِ جاہلیت میں تعلیماتِ عیسوی وموسوی میں بہت زیادہ تحریف وتغیر ہو چکا تھا۔ اور اس دور کے علماء زر پرست نے خود اپنی غرض کی خاطر بہت سی حلال اشیاء حرام ٹھہرا دی تھیں۔ اور بہت سی حرام چیزوں کو حلال کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ہوتے ہوئے سابقہ شرائع میں بہت سی ترامیم و تنسیخ کی بھی ضرورت تھی۔ تاکہ تکمیل انسانیت کے ساتھ ساتھ تکمیلِ شریعت بھی ہو جائے۔ لیکن ہر دور کے احکام شرعیہ اس وقت کے مخاطبین کے اعتبار سے اپنے طور پر ایک بہترین اصول وضوابط تھے۔

جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے۔ تو بچا کھچا دین عیسوی کہیں کہیں نظر آتا تھا۔ اس وقت شراب، خنزیر کا گوشت وغیرہ بہت سی اشیاء لوگوں میں حلال اشیاء کے طور پر معروف وقابلِ عمل تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کے وقت بھی کچھ اس قسم کی چیزوں کی حلت کا ثبوت قرآن و حدیث میں سے ملتا ہے۔ انہی اشیاء میں سے ایک متعہ بھی تھا۔ جو ابتدائی دورِ نبوت میں بعض مخصوص حالات اور مجبوریوں کے تحت مختصر وقت کے لیے قابلِ عمل ہونا جائز سمجھا گیا۔ لیکن اس متعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے دیگر احکامات

کو تدریجاً منسوخ کر دیا گیا۔ اور تنسیخ کے بعد یہ اعمال بھی ان اعمال میں داخل ہو گئے۔ جو اس وقت سے قیامت تک کے لیے حرام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے حرام قرار دیئے جانے کے بعد اب اگر کوئی ہٹ دھرم اور بے دین شخص ان کو دورِ جاہلیت کی طرح جائز اور حلال گردانے تو وہ دائرہ اسلام سے خود کو خارج جانے۔ اسی ضمن میں متعہ جو بامر مجبوری جائز ہوا تھا۔ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے تیسرے دن اللہ رب العزت کے حکم سے حرام قرار دے دیا جو تا قیامت حرام ہی رہے گا۔

اس کی حرمت کا ذکر قرآن پاک میں سورۂ مومن میں یوں ارشاد ہوا۔ "اب تمہارے لیے صرف دو قسم کی عورتیں حلال ہیں۔ ایک تو وہ کہ جن کے ساتھ تم دائمی نکاح کر لو۔ اور دوسری وہ جو تمہاری ملک میں ہوں۔ (یعنی تمہاری مملوکہ لونڈیاں جو اب ناپید ہیں۔) ان کے سوا کوئی اور عورت کسی طریقہ سے حلال نہیں۔ اگر تم نے ان (دو قسم کی عورتوں) کے سوا کسی اور عورت سے وطی کی۔ تو تم حدود اللہ کو پامال کرنے والے اور حرام کے مرتکب ہو گے۔

(پ ۱۸ سورت مومنون ع ۱)

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ جس طرح شراب نوشی اور خنزیر کا گوشت کھانے کو تمام امت متفقہ طور پر حرام کہتی ہے۔ جمیع مسلمانوں کی طرح شیعہ لوگ بھی اس کی حرمت کے قائل ہوتے۔ اور اسے حلال کہنے والوں کو اسلام سے خارج سمجھتے۔ لیکن ان کی شہوت پرستی اور فحاشی نے اللہ رب العزت کی حدود کو پامال کرنا تو برداشت کیا۔ لیکن اسے حرام کہنے کی جرأت نہ کی بلکہ حقیقت تو یوں دکھائی دیتی ہے۔ کہ ان لوگوں نے نکاحِ متعہ کو اپنے مذہب کا اہم ستون قرار دیا۔ اور اس قبیح امر اور شہوت پرستانہ فعل کی اشاعت میں غایت درجہ کوشاں

رہے۔ اور اب بھی سر توڑ کوششوں سے اسے حلال کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ یہاں تک کہ اس متعہ کے حلال ہونے کے بارے میں شیعہ لوگوں کی بہت سی کتابیں موجود ہیں اور اس کے صرف حلال ہونے پر ہی اکتفا نہ کیا گیا۔ بلکہ جو شخص یہ فعل خبیث (متعہ) نہیں کرتا۔ اس کے بارے میں اپنی طرف سے سخت سزائیں اور بہت بڑی وعیدیں گھڑی گئی ہیں۔ جن میں سے بطور نمونہ ایک وعید ملاحظہ ہو۔

"متعہ کے بغیر جو آدمی مر جائے۔ وہ قیامت کو کان اور ناک کے بغیر اٹھایا جائے گا"

اور جو اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ لوگ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور یوں اس فعل شنیع پر ابھارتے ہیں۔ کہ گویا متعہ کرنے والا صرف یہی ایک کام کرے۔ تو جنت میں اعلیٰ مقام پائے گا۔ مثلاً "جو ایک دفعہ متعہ کرے۔ اس کا مرتبہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی مثل ہے۔ الخ وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ)

حقیقت امر یہ ہے۔ کہ شیعہ مذہب کی بنیاد ہی خواہشات نفسانیہ کی تکمیل اور شہوت پرستی پر ہے۔ یہ مقصد چاہے کسی حرام یا حلال طریقہ سے حاصل ہو۔ اس کی قطعاً پرواہ نہیں۔ جو شخص بھی اس مذہب کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اور تعصب سے ہٹ کر ان کی کتب کی ورق گردانی کرے گا۔ وہ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ایک شریف النفس اور صاحب علم و حیاء یہ کیسے کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ مٹھی بھر جو کے عوض کسی بھی عورت کو راضی کر لو۔ اور پھر اسے جس طرح چاہو۔ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرو"

اس لیے میں نے مناسب سمجھا۔ کہ اُفق شرم و حیاء پر اس قسم کے شہوت پرستوں اور حیاء سے عاری لوگوں نے من گھڑت روایات کے ذریعہ جو سیاہ بادل اور بے غیرتی و بے حیائی کا گرد و غبار چڑھانے کی کوشش کی۔ اس کو قرآن و حدیث کے

آفتاب تابدار اور اقوال ائمہ کے روشن چراغوں سے اس قدر دور دھکیل دوں جس طرح کہ فَاخْرُجْ کے حکم سے شیطان کوسوں دور جا پڑا۔

لہذا میں ان کے اس عقیدۂ واہیہ اور مسلکِ فاحشہ کا قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ سے مدلل اور مفصل رد لکھتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ متقدمین شیعہ (جن کے اقوال اس مسلک کی بنیاد بنتے ہیں) کے تمام استدلالات کی بھرپور اور پرزور تردید پیش کرتا ہوں۔ تاکہ حق و صداقت کے خواہاں حق و باطل کے درمیان بااحسن وجوہ امتیاز کر سکیں۔ اور حق کو سینے سے لگائیں۔ اور قبول کریں۔ اور باطل سے بچیں۔ اور اسے اپنے نزدیک آنے کی راہ تک نہ دیں۔ میں بختہ امید اور یقین کامل سے کہتا ہوں کہ میں نے اس باب میں جتنے دلائل پیش کیے ہیں۔ انہیں پڑھ کر ہر وہ غیر متعصب آدمی جس کے دل میں ایمان کی روشنی ہے۔ اور جس کی طبیعت انصاف پسند ہے۔ وہ اس بات کو ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ کہ

"متعہ ایک منسوخ اور حرام فعل ہے۔ اور اس کو (حرام ہونے کے بعد جائز اور حلال سمجھنے والا اور اس کے عامل کو مختلف درجات کے وعدے اور غیر عامل کو سخت وعیدیں سنانے والا در اصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہلبیت رضوان اللہ علیہم کا انتہائی گستاخ اور ان پر افتراء باندھنے والا ہے۔ اور دینِ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں"

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ ابتدائے اسلام میں حسب سابق عقدِ متعہ اور نکاحِ موقت جائز تھے۔ لیکن جب عدت طلاق وغیرہ کے احکام نازل ہوئے۔ تو ان کو منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن بعض ائمہ کے نزدیک عقدِ موقت اب بھی جائز ہے۔ جس کی وضاحت عنقریب آرہی ہے۔

عقد موقت: نکاح اور تزویج کے الفاظ سے انعقاد پذیر ہوتا ہے۔ جس کے لیے شہادت شرط ہے۔ لیکن نکاح عام سے یہ مختلف ہے۔ کیونکہ عام نکاح میں میاں بیوی یا ان کے والیان کے درمیان اس نکاح کے لیے کوئی معین وقت یا زمانہ نہیں ہوتا۔ بلکہ تا زندگی ایک خاوند اور دوسری اس کی بیوی قرار پاتی ہے

بخلاف عقدِ موقت کے کہ اس میں بوقت نکاح، وقت کی تعیین ہوتی ہے۔ اسی امتیاز اور مخصوص وصف کی وجہ سے اس کو عقدِ موقت کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے منسوخ ہونے کی وجہ بھی دراصل یہی تعینِ وقت ہے۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ عالی نقل فرماتے ہیں ثلث جدہن جد و ھزلھن جد۔ النکاح و الطلاق و العتاق۔

ترجمہ: نکاح، طلاق اور غلام لونڈی کو آزاد کرنا ایسے تین امور ہیں۔ کہ ان الفاظ سے ان کا معنی بہرحال مراد اور واجب العمل ہو جاتا ہے۔ چاہے از روئے مذاق ولہو لعب کے ہوں۔ یا ان کے معانی کی نیت بھی ساتھ ہو۔ یعنی ان تین الفاظ کے بولنے والے کی نیت ہو یا نہ ہو۔ یہ واقع ہو جاتے ہیں۔ لہذا اگر کسی شخص نے لفظ نکاح یا تزویج کے الفاظ سے عقد کیا اور بوقتِ عقد گواہوں کی موجودگی بھی متحقق تھی۔ تو عقد ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی شخص نے ایسے منعقد ہونے والے عقد میں، وقت کی تعیین کی شرط رکھی۔ یعنی ایجاب و قبول اور گواہوں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ وہ اس نکاح کو ایک مخصوص و معین وقت تک کرنے کی شرط لگاتے ہیں۔ تو اس شرط کو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ شرطِ فاسد کہتے ہیں۔ اور شرطِ فاسد سے نکاح تو ہو جاتا ہے۔ لیکن خود شرطِ فاسد باطل ہو کر ملحوظ نہیں رہے گی۔ لہذا نکاح درست ہو گیا۔ اور تعیین وقت کی شرط کے بطلان پر وہ نکاح عام نکاح کی طرح تا زندگی رہے گا۔ یہ شرط اسی طرح باطل ہو جائے گی۔ جس طرح نکاح شغار میں مہر نہ ہونے کی شرط باطل ہو جاتی ہے۔

نکاحِ شغار یہ ہے۔ کہ ایک شخص اپنی بیٹی کسی دوسرے شخص کے بیٹے کو اور دوسرا شخص اپنی بیٹی اس کے بیٹے کو اس طرح نکاح میں دیتے ہیں۔ کہ ان کے درمیان یہ شرط طے پاتی ہے۔ کہ نہ میں اپنی بیٹی کا حق مہر تجھ سے لیتا ہوں۔ اور نہ تو ہی اپنی

بیٹی کا حق مہر مجھ سے طلب کرے۔ بلکہ وٹے سٹے کا نکاح کر لیتے ہیں۔ تو اس صورت میں نفس نکاح تو منعقد ہو جائے گا۔ اور عدم مہر کی شرط باطل ہو جائے گی۔ اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

عقد متعہ

یہ عقد اَتَمَتَّعُ یا اَسْتَمْتِعُ سے منعقد ہوتا ہے۔ اور اس نکاح میں شہادت شرط نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اسے ختم کرنے کے لیے طلاق اور پھر عدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس نکاح کے بعد خاوند پر نان و نفقہ اور رہائش کا بندوبست کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور بوقت نکاح اس کی مدت بھی شامل عقد ہوتی ہے۔ یعنی بالکل مختصر مدت کے لیے اسے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اور مذکورہ طے شدہ مدت گزرنے پر خود بخود نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اس مدت کے اختتام پر اگر یہی عورت بغیر عدت و طلاق کے اگر پھر عقد ثانی کرنا چاہیئے۔ تو کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

اس قسم کا عقد ابتدائے اسلام میں دو دفعہ جائز اور حلال ہوا۔ اور دو دفعہ ہی ناجائز اور حرام ہوا۔ آخر حبیب اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ عطا فرمائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا۔ جس کی وضاحت مندرجہ ذیل احادیث میں مذکور ہوئی۔

حدیث حلت

عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ كُنَّا نَغْزُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَنَا نِسَآءٌ فَقُلْنَا اَلَا

نَسْتَخْصِیْ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ تَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰى اَجَلٍ۔

(صحیح مسلم شریف جلد اول باب نکاح المتعہ
ص ۴۵۰ مطبوعہ نور محمد دہلی)

ترجمہ:
قیس روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور ہمارے ساتھ (اپنی اپنی منکوحہ) عورتیں نہیں ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ آپ ہمیں خصی ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔ تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی اجازت نہ دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی رخصت دے دی۔ کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے عوض (مہر کے طور پر) ایک مختصر مدت کے لیے نکاح کریں۔

حدیث حرمت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْحَسَنِ ابْنَیْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِیٍّ عَنْ اَبِیْهِمَا عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ یَوْمَ خَیْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِیَّةِ۔

(مسلم شریف جلد اول باب نکاح المتعہ ص ۴۵۲ مطبوعہ نور محمد دہلی۔)

ترجمہ:

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے نکاح متعہ کرنے سے خیبر کے دن منع فرما دیا۔ اور اس کے ساتھ گھریلو (پالتو) گدھوں کا گوشت کھانا بھی منع کر دیا۔

حدیث حلّت وحرمت ۱

عَنْ اِيَاسِ ابْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِى الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا۔

(مسلم شریف جلد اول باب نکاح المتعہ ص ۴۵۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع دہلی)

ترجمہ:

ابن سلمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اوطاس (فتح مکہ کے دن) صرف تین دن نکاح متعہ کی اجازت عطا فرمائی۔ پھر آپ نے اس سے منع فرما دیا تھا۔

حدیث حلّت وحرمت ۲

قَالَ حَدَّثَنِى الرَّبِيْعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِىْ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهُ اَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ قَدْ كُنْتُ اَذِنْتُ لَكُمْ فِى الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ

النِّسَاءِ وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ مِنْهُنَّ شَیْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيْلَهَا وَ لَا تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا۔

(مسلم شریف جلد اول باب المتعہ ص ۴۵۱ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

ترجمہ:

حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت ربیع بن سبرہ جہنی سے روایت بیان فرمائی۔ اور ان سے ان کے باپ نے روایت کیا۔ کہ وہ سبرہ جہنی فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ (لیکن اب) اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک حرام کر دیا۔ لہٰذا جس کے پاس اس طرح کے نکاح سے کوئی عورت ہو۔ وہ اس کو چھوڑ دے۔ اور اس سے (وطی کا) عوضانہ واپس نہ لے۔

حدیث حرمت

قَالَ حَدَّثَنِی الرَّبِيْعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِیُّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَقَالَ اَلَا اِنَّهَا حَرَامٌ مِّنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِلٰى

يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَانَ اَعْطٰى شَيْئًا فَلَا يَاْخُذُهٗ۔

(مسلم شریف جلد اوّل باب نکاح المتعہ
ص ۴۵۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع دہلی)

ترجمہ:

حضرت عمر بن عبد العزیز کو ربیع بن سبرہ جہنی نے اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ متعہ سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا خبردار! یہ (نکاحِ متعہ) آج کے دن سے تاقیامت حرام ہے۔ اور جس کسی نے اس نکاح کے عوض کسی عورت کو کوئی عوضانہ دیا ہو۔ وہ اس سے واپس نہ لے۔

حاصل کلام

نکاحِ متعہ دراصل زمانۂ جاہلیت میں ایک مروجہ عقد تھا۔ اور ابتدائے اسلام میں جاری رہا لیکن فتح خیبر کے موقعہ پر آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ اور اس کے بعد چند مجبوریوں کے پیشِ نظر اسے وقتی طور پر جائز قرار دیا۔ جس طرح مردار اور خنزیر کا گوشت کھانا اور شراب نوشی بھی مباح ہوئی تھی۔

لیکن ان مجبوریوں کے اختتام پر جو فتح مکہ کے زمانہ میں صرف تین دنوں تک پیشِ نظر تھیں۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تاقیامت اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرام فرما دیا۔ اور جب دائمی نکاح (جو فی زمانہ اہل سنت میں رائج ہے) کے احکام نازل ہو گئے۔ تو اس عقد متعہ کو زنا کا حکم دے دیا گیا۔

لہذا اب اگر کوئی متعہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اسے ابتدائے اسلام کی طرح جائز اور مباح سمجھتا ہے۔ تو ایسا کرنے والا مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں زنا کا مرتکب ہوگا۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

تحفۃ العوام

عورت کہے۔

مَتَّعْتُكَ نَفْسِي فِي الْمُدَّةِ الْمَعْلُومَةِ بِالْمَبْلَغِ الْمَعْلُومِ

مرد کہے۔

قَبِلْتُ الْمُتْعَةَ لِنَفْسِي فِي الْمُدَّةِ بِالْمَبْلَغِ الْمَعْلُومِ۔

(تحفۃ العوام مصنفہ سید ابوالحسن الموسوی
الاصفہانی شیعی حصہ دوم صفحہ نمبر ۳۰۲
مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ:

عورت مرد کو یوں کہے۔ کہ میں نے اپنے آپ کو مدت معلوم کے لیے چند معین ٹکوں کے عوض تیرے متعہ میں دیا۔ اور مرد اس کے جواب میں کہے کہ میں نے اس متعہ کو اپنی ذات کے لیے چند ٹکوں کے عوض معین وقت کے لیے قبول کیا۔

الاستبصار

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ مُتْعَةً بِغَيْرِ شُهُوْدٍ قَالَ لَا بَأْسَ بِالتَّزْوِيْجِ اَلْبَتَّةَ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِنَّمَا جُعِلَ الشُّهُوْدُ فِيْ تَزْوِيْجِ اَلْبَتَّةَ مِنْ اَجْلِ الْوَلَدِ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ بِهٖ بَأْسٌ.

(الاستبصار جلد سوم ص ۱۴۸ فی جواز العقد علی المرأۃ متعہ بغیر شہود مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

زرارہ نے کہا۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کا حکم پوچھا۔ جس نے بغیر گواہوں کے عقد متعہ کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس آدمی اور اللہ تعالیٰ مابین انعقاد کے لیے گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں ایسے نکاح میں گواہوں کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔ جس میں اولاد کی تمنا ہو۔ اور اگر خواہش اولاد نہ ہو۔ (محض شہوت کو ٹھنڈا کرنا ہو) تو پھر گواہوں کے بغیر بھی نکاح درست ہے۔ (متعہ میں چونکہ صرف خواہشات اور شہوتِ نفس کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اولاد مقصود نہیں ہوتی۔ اور اگر بھولے سے صورت متعہ میں عورت حاملہ ہو جائے تو اس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب متعہ کرنے والے سے نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس

ہیں گواہوں کی کوئی ضرورت نہیں۔)

فروع کافی

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْمُتْعَۃِ قَالَ لَیْسَتْ مِنَ الْاَرْبَعِ لِاَنَّھَا لَا تُطَلَّقُ وَلَا تَرِثُ وَاِنَّمَا ھِیَ مُسْتَاجَرَۃٌ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۵۱ کتاب النکاح
باب انھن بمنزلۃ الاماء ولیست
من الاربع مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے متعہ کے متعلق روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے۔ وہ ان چار عورتوں میں شامل نہیں۔ جن کی شریعت نے بیک وقت نکاح میں رکھنے کی اجازت دی۔ (اگر چار بیویاں کسی کے ہاں پہلے سے موجود ہوں۔ تو بطریق متعہ پانچویں چھٹی سے وطی کرنا جائز ہے۔ اور قرآن کے احکام کے خلاف نہ ہو گا۔) کیونکہ بطور متعہ نکاح میں آئی ہوئی عورت کو نہ طلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ ہی وہ متعہ کرنے والے خاوند کی وارث بن سکتی ہے۔ وہ تو صرف ایک کرایہ پر لی گئی عورت ہے۔

فروع کافی

زُرَارَۃُ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

قَالَ ذَكَرْتُ لَهُ الْمُتْعَةَ أَهِيَ مِنَ الْأَرْبَعِ؟ فَقَالَ تَزَوَّجْ مِنْهُنَّ أَلْفًا فَإِنَّهُنَّ مُسْتَأْجَرَاتٌ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۵۲ کتاب النکاح
باب انهن بمنزلة الاماء ولیست
من الاربع مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:

زرارہ کا باپ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے امام موصوف سے متعہ کے متعلق دریافت کیا۔ کہ متعہ سے نکاح میں آنے والی عورت چار عورتوں میں سے ہے؟ (جن کی شریعت نے بیک وقت نکاح میں لانے کی اجازت دی) تو آپ نے فرمایا۔ تو ایسی ہزار عورتوں سے نکاح کرلے (تو بھی وہ کسی شمار میں نہیں کیونکہ) وہ تو کرایہ پر لی گئی عورتیں ہیں۔

فروع کافی

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ آبَانِ بْنِ تَغْلِبٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْ اَكُوْنُ فِيْ بَعْضِ الطُّرُقَاتِ فَاَرَى الْمَرْاَةَ الْحَسْنَاءَ وَلَا اٰمَنُ اَنْ تَكُوْنَ ذَاتَ بَعْلٍ اَوْ مِنَ الْعَوَاهِرِ قَالَ لَيْسَ هٰذَا عَلَيْكَ اِنَّمَا عَلَيْكَ اَنْ تُصَدِّقَهَا فِيْ نَفْسِهَا۔

(فروع کافی جلد پنجم کتاب النکاح ص ۴۶۲ باب انها مصدقة
علی نفسها مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابان ابن تغلب سے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ میں ایک مرتبہ حالت سفر میں تھا۔ تو میں نے ایک خوبصورت عورت دیکھی۔ لیکن مجھے اس بارے میں کوئی یقین نہ تھا۔ کہ وہ شادی شدہ عورت ہے۔ یا بدکار ہے۔ (لیکن میں اس سے جنسی تعلقات کا خواہش مند تھا۔ تو کیا اس عورت کے بیان پر مجھے یقین کر لینا چاہیئے اور اس سے متعہ کر لینا چاہیئے۔ اگر وہ کنواری یا بے خاوند ہونا ظاہر کرے) آپ امام جعفر نے فرمایا۔ تجھے اس بارے میں چھان بین کرنے کی کیا پڑی ہے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ کہ تو اس کے کہنے پر اس کی تصدیق کرلے۔ (اور اس سے متعہ کرلے۔)

تہذیب الاحکام

مُحَمَّدٌ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قِیْلَ لَهٗ اَنَّ فُلَانًا تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً مُتْعَةً فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّ لَهَا زَوْجًا فَسَاَلَهَا فَقَالَ اَبُوْعَبْدِاللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلِمَ سَاَلَهَا.

(تہذیب الاحکام جلد ۷، ص ۲۵۲ فی تفصیل احکام النکاح
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

راوی بیان کرتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا

کہ فلاں آدمی نے ایک عورت سے نکاح متعہ کیا۔ تو اس آدمی کو بتایا گیا۔ کہ اس عورت کا تو خاوند موجود ہے۔ (اور یہ اس کے نکاح میں ہے) تو متعہ کے طور پر عقد کرنے والے نے اس عورت سے اس بارے میں پوچھا۔ یہ سن کر حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ اُس آدمی نے اُس عورت سے کیوں پوچھا۔؟ (یعنی عقد متعہ کے لیے جب یہ کوئی شرط نہیں۔ کہ عورت کنواری ہو۔ یا خاوند کے بغیر ہو۔ یا خاوند والی ہو۔ تو پھر اس کی تحقیق کی کیا ضرورت تھی۔)

تہذیب الاحکام

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ سَالَ عَمَّارٌ وَ اَنَا عِنْدَهُ عَنِ الرَّجُلِ الَّذِیْ یَتَزَوَّجُ الْفَاجِرَةَ مُتْعَةً قَالَ لَا بَاْسَ۔

(تہذیب الاحکام جلد ۷، ص ۲۵۲ فی تفصیل احکام النکاح مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ میری موجودگی میں عمار نے امام جعفر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ جس نے عقدِ متعہ کے طور پر ایک اوباش (کنجری) عورت سے نکاح کر رکھا ہے۔ (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا۔ اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ

وَرُوِیَ عَنْ یُوْنُسَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَأَلْتُ الرِّضَا عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَۃً مُتْعَۃً فَعَلِمَ بِھَا اَھْلُھَا فَزَوَّجُوْھَا مِنْ رَجُلٍ فِی الْعَلَانِیَۃِ وَھِیَ امْرَأَۃٌ صَدَقٌ. قَالَ لَا تُمَکِّنُ زَوْجَھَا مِنْ نَفْسِھَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُھَا وَشَرْطُھَا قُلْتُ اِنْ کَانَ شَرْطُھَا سَنَۃً وَّلَا یَصْبِرُ لَھَا زَوْجُھَا قَالَ فَلْیَتَّقِ اللہَ زَوْجُھَا وَلْیَتَصَدَّقْ عَلَیْھَا بِمَا بَقِیَ لَہٗ.

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد سوم ص ۴۶۹ باب المتعہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

یونس بن عبد الرحمٰن کہتا ہے۔ کہ میں نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ جس نے ایک عورت سے عقد متعہ کر لیا تھا۔ پھر جب اس عورت کے خاوند یا گھر والوں کو اس عقد کا علم ہوا تو انہوں نے اس عورت کا نکاح صحیح کسی اور آدمی سے کر دیا۔ اور علی الاعلان یہ نکاح کیا۔ لیکن ابھی اس عورت کو عقدِ متعہ کا حق مہر لینا تھا۔ (اس سوال کے جواب میں امام موصوف نے فرمایا) وہ عورت اپنے صحیح اور نئے خاوند کو اپنے ساتھ اس وقت تک ہم بستری

نہ کرنے دے۔ جب تک عقد متعہ کی مدت اور شرط پوری نہ ہو جائے
راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اگر اس عقد متعہ کی شرط ایک سال کی
ہو؟ (تو پھر بھی یہ شرط پوری کرنا چاہیے) اور ادھر خاوند کی یہ حالت
ہو۔ کہ وہ اتنی مدت تک صبر نہ کر سکتا ہو؟ تو اس پر امام موصوف نے فرمایا۔
کہ اس کے خاوند کو خوفِ خدا کرنا چاہیے۔ اور بقیہ مدت متعہ کا اس پر
صدقہ کر دے (یعنی متعہ میں ہی گزارنے دے۔)

فروع کافی

عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ جَعَلْتُ فِدَاكَ الرَّجُلُ یَتَزَوَّجُ الْمُتْعَةَ وَیَنْقَضِیْ شَرْطُهَا ثُمَّ یَتَزَوَّجُهَا رَجُلٌ اٰخَرُ حَتّٰی بَانَتْ مِنْهُ ثُمَّ یَتَزَوَّجُهَا الْاَوَّلُ حَتّٰی بَانَتْ مِنْهُ ثَلَاثًا وَتَزَوَّجَتْ ثَلَاثَةَ اَزْوَاجٍ یَحِلُّ لِلْاَوَّلِ اَنْ یَتَزَوَّجَهَا قَالَ نَعَمْ کَمْ شَآءَ لَیْسَ هٰذِهٖ مِثْلُ الْحُرَّةِ هٰذِهٖ مُسْتَاجَرَةٌ وَهِیَ بِمَنْزِلَةِ الْاِمَآءِ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۶۰ کتاب النکاح
باب الرجل یتمتع بالمرأۃ
مرارًا کثیرۃ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

زرارہ نے کہا۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ میں آپ پر قربان، کوئی آدمی کسی عورت سے جس شرط پر متعہ کرے۔ وہ پوری ہو جائے۔ پھر اسی عورت سے کوئی دوسرا شخص متعہ کرے۔ حتیٰ کہ وہ عورت اس سے بھی جدا ہو جائے۔ اور پھر وہی پہلا آدمی اس سے متعہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ عورت اس سے تین دفعہ جدا ہوئی۔ اور تین مردوں نے اس سے نکاح متعہ کیا۔ تو کیا اسی عورت کا پہلے مرد سے ایک مرتبہ پھر عقد متعہ کرنا جائز ہے؟

آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ جتنی دفعہ چاہے متعہ کرے۔ کیونکہ یہ محترمہ (آزاد) عورت کی طرح نہیں۔ بلکہ یہ تو اجرت پر لی گئی ہے۔ اور اس کا حکم لونڈیوں جیسا ہے۔

فروع کافی

عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ يُتَزَوَّجُ الْمُتْعَةُ قَالَ تَقُوْلُ يَا اَمَةَ اللّٰهِ اَتَزَوَّجُكِ كَذَا وَكَذَا يَوْمًا بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا فَاِذَا مَضَتْ تِلْكَ الْاَيَّامُ كَانَ طَلَاقُهَا مِنْ شَرْطِهَا وَلَا عِدَّةَ لَهَا عَلَيْكَ اَىْ يَجُوْزُ لَكَ تَزْوِيْجُ الْاُخْتِ فِىْ عِدَّتِهَا۔

(فروع کافی حاشیہ فروع کافی جلد پنجم کتاب النکاح باب شروط المتعہ ۴۵۵ تا ۴۵۶ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ہشام بن سالم سے روایت ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ یا حضرت! نکاحِ متعہ کیونکر کیا جاتا ہے؟ تو آپ نے اس کا طریقہ یوں ارشاد فرمایا۔ کہ نکاحِ متعہ کرنے والا مطلوبہ عورت کو کہے۔ اے اللہ کی بندی! میں تجھ سے چند دنوں کے لیے چند درہموں کے عوض نکاح کرتا ہوں۔ سو جب مذکورہ دن گزر جائیں۔ تو طلاق خود بخود ہو جائے گی۔ اور ایسی عورت کی کوئی عدت نہیں یعنی نکاحِ متعہ کرنے والے کو اُسی متمتع عورت کی سگی بہن سے دورانِ عدت (جو عام طور پر طلاق کے بعد ہوتی ہے) نکاح کرنا جائز ہے۔

فروع کافی

عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَا تَکُوْنُ مُتْعَۃٌ اِلَّا بِاَمْرَیْنِ۔ اَجَلٍ مُسَمًّی وَاَجْرٍ مُسَمًّی۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۵۵ کتاب النکاح باب شروط المتعۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زرارہ روایت کرتا ہے۔ کہ امام موصوف نے فرمایا۔ متعہ کے دو رکن ہیں۔ مدت مقررہ اور اجرت مقررہ۔

ﷺ

فروع کافی

عَنِ الْاَحْوَلِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَدْنٰی مَا یُتَزَوَّجُ بِهِ الْمُتْعَةُ؟ قَالَ كَفٌّ مِنْ بُرٍّ۔

(۱۔ فروع کافی جلد پنجم ص ۴۵۷ کتاب النکاح باب ما یجزی من المہر فیہا مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ہفتم ص ۲۶۰ فی تفصیل احکام النکاح مطبوعہ تہران، طبع جدید)

ترجمہ:

احوال کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ متعہ کی کم از کم اجرت کتنی ہے؟ تو وہ فرمانے لگے۔ مٹھی بھر گندم (کافی ہے)

تہذیب الاحکام

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ تَمَتَّعْ بِالْهَاشِمِیَّةِ۔ (اَیْضًا) وَلَا بَأْسَ بِالتَّمَتُّعِ بِالْهَاشِمِیَّةِ۔

(تہذیب الاحکام جلد ہفتم ص ۲۷۱ فی تفصیل احکام النکاح مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ہاشمی عورت سے متعہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

تہذیب الاحکام

وَلَيْسَ فِي الْمُتْعَةِ إِشْهَادٌ وَلَا إِعْلَانٌ۔

(تہذیب الاحکام جلد ہفتم ص ۲۶۱ فی تفصیل احکام النکاح مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

نکاحِ متعہ میں نہ گواہی کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی اعلان ہے۔ (مرد عورت دونوں تنہا چپکے چپکے یہ نکاح کرلیں۔ تو بھی درست ہے۔)

مذکورہ حوالہ جات سے فقہِ جعفری کے مندرجہ ذیل مسائل فقہیہ ثابت ہوئے

(۱) نکاح متعہ کے لیے نہ گواہی کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی اعلان کی۔

(۲) متعہ کے بعد چھوڑی گئی عورت پر نہ کسی قسم کی عدت لازم ہے اور نہ اُسے جُدا کرنے کے لیے طلاق کی ضرورت۔

(۳) اس عقد میں نہ اولاد کی جستجو ہوتی ہے۔ اور نہ ہی میراث مقصود۔ بلکہ یہ مرد و زن کا مخصوص رقم کے عوض مخصوص وقت تک خواہشات نفسانی کی

تکمیل کا ایک باہمی ذریعہ ہے۔ (جو شہوت رانی کا آسان طریقہ ہے)

۴ اس عقد میں عورتوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ۔ چنانچہ اگر کوئی مرد بیک وقت ستر عورتوں سے عقد متعہ کرے ۔ اور باری باری ان سے لطف اندوز ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ۔ کوئی عیب نہیں اور کوئی بے حیائی نہیں ۔

۵ ایک عورت سے بیسیوں مرتبہ متعہ ہو سکتا ہے ۔ اور ہزار مردوں سے ایک عورت متعہ کر سکتی ہے ۔ اور سینکڑوں مرتبہ متعہ کرنے والے سے جدا ہونے کے بعد پھر بھی اُجرت مقررہ پر جب چاہے وہ مرد اسے نکاحِ متعہ میں لا سکتا ہے ۔ اس میں حرمتِ غلیظہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

۶ قرآن کریم میں جن محرمات سے عقد کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ۔ اور ’’وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ‘‘ میں جن کی صراحت کی گئی ان سے متعہ کرنے کی کھلی چھٹی ہے ۔

۷ جس عورت سے کسی نے متعہ کیا ۔ اگر اس کی سگی بہن سے فوراً (عدت گزارے بغیر) نکاح (عقد متعہ) کرلے تو کوئی حرج نہیں ۔ (کیونکہ نہ طلاق کی ضرورت نہ عدت کا انتظار)

۸ ’’مٹھی بھر گندم‘‘ دے کر کسی عورت کی بکنگ جائز ہے ۔ (اتنا سستا شاید ہی کوئی سودا ہو)

۹ شیعی نفس پرستوں اور شہواتِ نفسانی کے بندوں میں متعہ اس قدر کثیر الوقوع ہے کہ اس میں کسی قسم کی عورت کا استثناء نہیں ۔ خاندانِ نبوت ۔ (بنو ہاشم) سے ہر یا کوئی طائفہ اور بازاری عورت ۔ سب سے بلا امتیاز جائز اور درست ہے ۔ (العیاذ باللہ)

ع اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔

اللہ تعالیٰ ایسے ناعاقبت اندیشوں اور ایمان سے عاری اور عقل کے اندھوں سے بچائے جنہوں نے تکمیل خواہشاتِ نفسانیہ کے نشہ میں احترام خاندانِ نبوت کا بھی لحاظ نہ کیا۔

ے چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند !

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
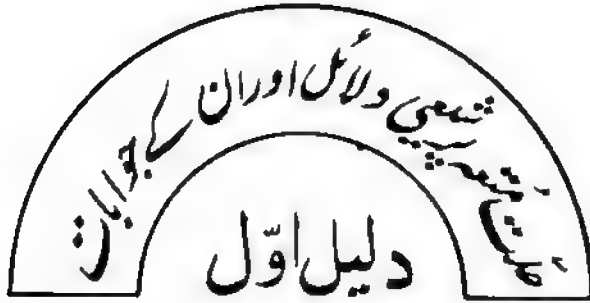
فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
فَرِيْضَةً۔ (پ۵ آیت ۱)

ترجمہ:

پھر اُن میں سے جن سے تم متعہ کرلو۔ تو مقرر کیا ہوا مہر انہیں دے دو۔
(ترجمہ مقبول)

ذکر کی گئی آیت سے ثبوت متعہ دو الفاظ سے ہوتا ہے۔ لفظِ اوّل ''اِسْتَمْتَعْتُمْ'' اور لفظِ دوم ''اُجُوْرَهُنَّ'' سے۔ طریقہ ثبوت یہ ہے۔ کہ پہلا لفظ باب استفعال سے ہے۔ جس سے اگر حروفِ زائدہ کو چھوڑ کر حروفِ اصلیہ لیے جائیں۔ تو میم، تاء اور عین بنتے ہیں۔ گویا اس لفظ کا اصل متعہ ہے۔ دوسرے لفظ میں ''اجور'' جمع ہے۔ اور اس کا واحد ''اجر'' ہے۔ اجر کا معنی اُجرت، مزدوری اور معاوضہ

ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں الفاظ کے مفہوم کے پیش نظر پوری آیت کا مفہوم یہ ہوا۔ کہ جب تم عورتوں سے متعہ کرو۔ تو ان سے مقرر کردہ اُجرت ان کو دے دو۔ تو اس ترجمہ سے بغیر تاویل کے متعہ معروفہ ثابت ہوتا ہے۔ اور لفظ اُجرت سے حق مہر اس لیے مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حق مہر کا استعمال نکاحِ دائمی کے اندر مقرر کردہ رقم پر ہوتا ہے۔ اور متعہ چونکہ مقررہ وقت کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں "اُجرت" ہی کہنا مناسب تھا۔ اور اس ترجمہ و مفہوم کی تائید ایک قراءت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ہے۔ انہوں نے اس آیت کو اس طرح پڑھا۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً۔ یعنی اے مردو! تم نے ان عورتوں سے جو مخصوص وقت تک نفع اٹھایا۔ (متعہ کیا) تو ان کو اس کی مقرر کردہ اجرت ادا کر دو۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ کہ جس عقد میں وقت بھی مقرر ہو۔ اور اجرت بھی متعین ہو۔ تو وہ عقد متعہ ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس کی تفصیل و تشریح گزر چکی ہے۔

مذکورہ استدلال کے چند دندان شکن جواب

جواب اوّل:

آیت زیر بحث کہ جس سے شیعہ لوگوں نے حلتِ متعہ پر استدلال کیا ہے۔ وہ مکمل آیت نہیں۔ بلکہ آیت کا آخری حصّہ ہے۔ اگر پوری آیت کو پڑھ کر اس کے مفہوم و معانی کو بغور دیکھا جائے۔ اور نظرِ انصاف سے سمجھا جائے۔ تو اس پوری آیت سے متعہ معروفہ کا ثبوتِ صریح تو بہت دور کی بات ہے۔ اس کا تصور بھی نہیں آتا۔ پوری آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔

(پ ۵ رکوع اوّل)

ترجمہ:

(مائیں، بیٹیاں، اور بہنیں وغیرہ عورتیں جن کا اس آیت سے پچھلی آیت میں ذکر ہو چکا۔ ان سے نکاح کرنا تم پر حرام کر دیا۔) اور انہی کی طرح اُن عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ جو شوہر والی ہیں۔ ہاں جو تمہاری لونڈیاں ہیں۔ (وہ حرام نہیں) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ حکم لازم (فرض) کر دیا ہے۔ مذکورہ محرمات کے علاوہ تم بعوضِ مال جس عورت کو چاہو۔ نکاح میں لا سکتے ہو۔ لیکن ان سے یہ تعلق بطریقہ پاکدامنی اور حرام کاری سے بچنے کی غرض سے ہو۔ اس نکاح سے محض شہوت رانی مطلوب و مقصود نہ ہو۔ اور اس مقصد کے پیشِ نظر اگر تم نے کسی عورت سے نکاح کر لیا۔ تو اُن کو اُن کا حق مہر پورا ادا کر دو۔

قارئین کرام غور فرمائیں۔ کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان عورتوں کا ذکر کیا۔ جن میں نکاح حرام ہے۔ اور پھر اُن کے سوا بقیہ عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے اور اس کے طریقہ کو بیان فرمایا۔ اور کہا۔ کہ اگر تم کسی عورت کو رشتہ ازدواجیت میں لینے کی خواہش رکھتے ہو۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ یہ خواہش اپنے مال کے ذریعہ پوری کرو۔ یعنی حق مہر ضرور باندھو۔ اور اس خواہش کی تکمیل محض پاکدامنی کی خاطر ہونی چاہیئے۔ شہوت رانی کا اس میں کوئی خیال و مقصد

نہ ہونا چاہیئے۔

پچھلے اوراق میں ہم بہت سے حوالہ جات سے یہ ثابت کر گئے ہیں۔ کہ متعہ میں آدمی کا مقصدِ وحید صرف شہوت پرستی اور حصولِ لذت ہی ہوتا ہے جس سے آیت زیرِ بحث میں منع کیا گیا ہے۔ اور پاکدامنی پر زور دیا گیا ہے۔ لہذا فما استمتعتم سے متعہ معروفہ کسی طور بھی مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے نکاحِ دائمی کے ذریعہ منکوحہ عورت سے نفع اندوز ہونا مقصود ہے۔ اور اس طرح کے نکاح میں جو مال صرف کیا جاتا ہے۔ اُسے حق مہر کہتے ہیں۔ اور "اُجُوْر" سے مراد بھی یہی ہے۔

جواب دوم

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ پ۵۔ آیت ا

"فما استمتعتم" میں لفظ "ما" سے مراد نکاح ہے۔ اور "بہ" میں باء سببیت کے لیے ہے۔ اور ضمیر مجرور (ہٖ) کا مرجع نکاح ہے "منھن" میں لفظ "من" تبعیضیہ اور "ھن" کا مرجع "احل لکم ما" میں لفظ "ما" ہے۔ اس ترکیب کے پیش نظر آیت کا معنی یہ ہوا۔ ماؤں بہنوں وغیرہ محرمات کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور اُن کو بذریعہ مال اپنے نکاح میں لاؤ۔ اس طرح ازواج (بیویوں) کی تلاش کرو۔ اور اس مقصد کے حصول میں پاکدامنی اور احصان کی نیت ہو۔

نہ کہ شہوت رانی۔

پس وہ نکاح کہ بطریقِ احصان جس کے ذریعہ اور سبب سے تم نے اُن عورتوں سے نفع اٹھایا۔ کہ جن کو تم نے پاکدامنی کی نیت سے اپنے مالوں سے تلاش کیا۔ اُن کو اُن کے مقررہ حق مہر ادا کرو۔

"فما استمتعتم بہ منھن" میں ضمیر "ھن" کا جب مرجع ہی منکوحات ٹھہریں۔ تو پھر اس آیت سے متعہ معروفہ کو ثابت کرنا کس قدر جہالت اور بے علمی ہے۔

جواب سوم

آیت مذکورہ کے الفاظ "فما استمتعتم اور اجورھن سے متعہ اور اجرت مقررہ مراد لے کر اس سے متعہ معروفہ ثابت کرنا صرف سینہ زوری ہی نہیں۔ بلکہ علوم قرآن اور مفہوم قرآن سے لاعلمی اور جہالت کا بھی جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

"فما استمتعتم" کا اصل استمتاع ہے اور استمتاع سے حروف زوائد کو نکال دیا جائے۔ تو وہ "متاع" باقی رہ جاتا ہے۔ اور متاع کا معنی نفع اٹھانا ہے۔ متعہ معروفہ نہیں۔ جس کی تفصیل ہم پہلے دو جوابات میں بیان کر چکے ہیں اس وضاحت کے ہوتے ہوئے دعوی کرنا کہ "فما استمتعتم" سے متعہ معروفہ کا ثبوت صراحتہً ہے۔ اور یہ آیت کریمہ متعہ معروفہ کے جواز کے لیے نص صریح ہے تو یہ باطل اور لغو دعوی ہے۔ کیونکہ یہ دعوی تو تب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔ جب شیعہ حضرات یہ ثابت کر دکھائیں کہ لفظ "استمتاع" کا معنی صرف اور صرف متعہ معروفہ ہی ہے۔ اس کے برعکس ہم اس لفظ کو قرآن پاک

نیں "نفع اٹھانے" کے مفہوم میں استعمال ہونے والے مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لہٰذا ملاحظہ فرمائیں۔

آیت ۱:

فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ كَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ

(پ۱۰ رکوع ۱۵)

ترجمہ:

انہوں نے اپنے حصوں سے نفع اٹھایا۔ جیسا کہ تم نے اپنے اپنے حصوں سے نفع اٹھایا۔

آیت ۲:

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ۔

(پ۲ رکوع ۱۵)

ترجمہ:

اور طلاق دی گئی عورتوں کے لیے بھی نیکی کے ساتھ نفع پہنچانا ہے۔

آیت ۳:

مَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ۔

(پ۲ رکوع ۱۵)

ترجمہ:

ان کو نیکی کے طور پر کچھ نفع پہنچاؤ۔ صاحبِ قدرت (مالدار) پر اس کی حیثیت اور غریب پر اس کی حیثیت کے مطابق لازم ہے۔

آیت ۱۲:

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۔

(پ۱۳ رکوع ۱۷)

ترجمہ:

فرما دیجئے! تم لوگ (چند روز) نفع اٹھا لو۔ پھر تمہارا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

تم کہہ دو۔ کہ (چند روز) نفع اٹھا لو کہ تمہاری بازگشت تو یقیناً جہنم کی طرف ہے۔

(ترجمہ مقبول شیعہ)

ان چار مقامات میں لفظ متاع اور اس کی فروعات کا ذکر موجود ہے۔ لیکن آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ کہ کسی ایک جگہ پر بھی اس لفظ کو "متعہ معروفہ" کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر جگہ "نفع اٹھانا" ہی مفہوم ہے۔ ہم نے ان آیات کا یہ ترجمہ از خود نہیں کیا۔ بلکہ خود شیعی مترجم مقبول کے ترجمۃ القرآن سے لیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ جب ان کے گھر کا ایک بھیدی لفظ "متاع" کے متعلق کا ترجمہ "نفع اٹھانا" کرتا ہے۔ تو پھر ان کے فریب کا لنکا ڈھے پڑے گا۔ اور ان کو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ لفظ استمتاع اور متاع کا معنی صرف "متعہ معروفہ" ہی نہیں۔ بلکہ اور بھی معنی ہیں۔ اس لیے اس لفظ کا انحصار صرف "متعہ معروفہ" میں ماننا سراسر جہالت اور لاعلمی ہے۔

دعویٰ کا دوسرا حصہ لفظ "اجورھن" ہے۔ جس کے متعلق ان کا یہ خیال ہے۔ کہ "اجرت" کا اطلاق متعہ معروفہ کے مقابلہ میں ہی آ سکتا ہے۔ نکاح دائمی کے لیے "حق مہر" کا استعمال ہوتا ہے۔ اب ان کے اس دعویٰ

کی طرف آئیے۔ ہم پچھلے لفظ کی طرح خود قرآن پاک میں اس لفظ کا استعمال "وحق مہر" کے لیے دکھاتے ہیں۔ جو دائمی نکاح کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ جس سے ان کی جہالت اور واضح ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

(پ۵ رکوع ۱)

ترجمہ:

پس اُن سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ اور ان کے مہر نیکی کے ساتھ ان کو دے دو۔ (مقبول)

۲۔ وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ

(پ۲۸ رکوع ۸)

ترجمہ:

ہاں جو کچھ وہ خرچ کر چکے ہوں۔ تم ان کو دے دو۔ اور اس میں تم پر کوئی الزام نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو۔ جب کہ تم اُن کو مہر دے دو

(مقبول)

۳۔ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

(پ۲۲ رکوع ۲)

ترجمہ:

بے شک ہم نے حلال کیں تمہارے لیے وہ بیبیاں جن کے تم مہر دے چکے ہو۔

(ترجمہ مقبول احمد)

ان تین آیات میں سے ہر ایک میں لفظ "اجور" حق مہر کے معنی میں استعمال ہوا۔ جو نکاحِ دائمی کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی "مہر" بھی خود شیعہ مفسر نے کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ لفظ "اجور" کا اطلاق صرف اجرت معینہ پر ہی نہیں ہوتا۔ جو کہ متعہ معروفہ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے۔ بلکہ "حق مہر" پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے اس لفظ کو بھی صرف "اجرتِ معیّنہ" میں محدود ماننا بھی جہالت کا بہترین اور کامل نمونہ ہے۔ تو ان گزارشات سے آپ حضرات نے یہ جان لیا ہو گا۔ کہ "متعہ معروفہ" کو آیت مذکور سے ثابت کرنے کے لیے شیعہ حضرات نے جن دو ستونوں پر اپنی عمارتِ متعہ کھڑی کی تھی۔ وہ گر گئے۔ تو اب ان کے "متعہ معروفہ" والے گھر کا قیام کب باقی رہ گیا۔ یہ تھا ان کے استدلال کا انجام جو آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

قرآتِ "ابی بن کعب رضی اللہ عنہ" کا جائزہ

۱۔ قرآتِ سبعہ متواترہ میں سے کسی ایک میں بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرآت کا ذکر نہیں ملتا۔ اور "الی اجل مسمی" کے الفاظ وارد نہیں ہیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہے۔ کہ قرآتِ سبعہ کے سوا دوسری قرارت شاذہ کہلاتی ہے۔ لہٰذا ایک طرف قرآت متواترہ صحیحہ ہو۔ اور دوسری طرف قرآتِ شاذہ ہو۔ تو ترجیح اور قابلِ عمل قرآت متواترہ ہوتی ہے۔ نہ کہ قرآتِ شاذہ۔ اور اگر بر سبیل تنزل اس قرآتِ شاذہ کو مان لیا جائے تو "الی اجل مسمی" کو "اجورھن" کے متعلق کرنا جائز ہے "...." قریب ہونے کی وجہ سے متعہ معروفہ کو ثابت کرنا باطل ہے۔ کیونکہ

ترکیب کے اعتبار سے "الی اجل مسمی" کو "اجورھن" کے متعلق کرنا جائز ہے۔ اور قریب ہونے کی وجہ سے اس کے متعلق کرنا "فما استمتعتم" کے متعلق کرنے کی نسبت بہتر ہے۔ اور اسی ترکیب کو حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص نے تفسیر "احکام القرآن" میں ذکر فرمایا۔

تفسیر احکام القرآن

وَلَوْ كَانَ فِيْهِ ذِكْرُ الْاَجَلِ لَمَا دَلَّ اَيْضًا عَلٰى مُتْعَةِ النِّسَاءِ لِاَنَّ الْاَجَلَ يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ دَاخِلًا عَلَى الْمَهْرِ فَيَكُوْنُ تَقْدِيْرُهٗ فَمَا دَخَلْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ بِمَهْرٍ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى فَاٰتُوْهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ عِنْدَ حُلُوْلِ الْاَجَلِ۔

(تفسیر احکام القرآن جلد دوم ص ۱۴۸/ باب المتعہ پارہ پنجم مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

اور اگر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ الفاظ مان بھی لیے جائیں۔ تو پھر بھی عورتوں سے "متعہ معروفہ" کا ثبوت حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ "الی اجل مسمی" کو "مہر واجورھن" پر داخل کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اس تقدیر پر مفہوم یہ ہوگا۔ کہ جن عورتوں کے ساتھ ایک مقررہ وقت تک مہر ادا کرنے کا وعدہ کرکے ہم بستری کی۔ تو ان کو ان کے حق مہر مدت مقررہ کے گزرنے پر ادا کر دو۔

۲۔ گزشتہ اوراق میں جب ہم یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ احادیث صحیحہ کی روشنی

ہیں عقد متعہ کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے تیسرے روز بحکم خدا قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا تھا۔ تو ان احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ایک قرآتِ شاذہ کا کیا وزن رہ جاتا ہے ؟ لہٰذا یہ قرآت شاذہ ناقابلِ عمل ہوئی۔

۳ - ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ - اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ - فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ - (پ۱۸ رکوع ۱)

ترجمہ :

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی ازواج کے یا اپنے ہاتھ کے مال (لونڈیوں) کے اس صورت میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ پس جو اس کے سوا خواہش کرے۔ پس وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ (مقبول)

اس نص قطعی اور حکم صریحی نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ اللہ رب العزت نے حلت کو دو اقسام کی عورتوں میں منحصر فرما دیا ہے۔ اوّل قسم ان عورتوں کی ہے۔ جن کو تم اپنی زوجیت میں لے لو۔ (یعنی منکوحہ بیویاں) اور دوسری قسم ان عورتوں کی ہے۔ جو تمہاری مملوکہ لونڈیاں ہیں۔ ان دو اقسام کی عورتوں کے سوا کسی تیسری قسم کی عورت سے وطی کرنا جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے اس پابندی کو ٹھکراتے ہوئے تجاوز کر لیا۔ تو ایسا شخص زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو گا یعنی وہ زانی، بدکار اور اللہ کا نافرمان ہو گا۔ اس کی تائید شیعہ مفسرین سے بھی لیجیے۔

منہج الصادقین

(فمن ابتغی) پس ہر کہ جوید برائے مباشرت (وراء ذالک) غیر از زنان وکنیزان خود (فاولئك) پس آنگروہ (هم العادون) ایشانند در گزرندگان از حلال بحرام۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ششم ص ۱۹۴ تا ۱۹۵ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:
پس جو شخص اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کسی عورت سے ہم بستری کی خواہش کرے۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے طلب کرے تو ایسے لوگ حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں۔ یعنی زانی اور بدکار ہیں۔ اور ان کا یہ فعل شرعاً کسی صورت میں جائز نہیں ہوگا۔

مجمع البیان

(فمن ابتغی وراء ذالك) اَیْ طَلَبَ سِوَی الْاَزْوَاجِ وَالْوَلَائِدِ الْمَمْلُوْکَۃِ (فاولئك هم العادون) اَیْ الظَّالِمُوْنَ الْمُتَجَاوِزُوْنَ اِلٰی مَا لَا یَحِلُّ لَهُمْ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ہفتم ص ۹۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: سو جس نے اپنی منکوحہ بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے سوا کسی اور

عورت کو خواہشات نفسانیہ کی برآری کے لیے طلب کیا۔ تو ایسا کرنے والے ظالم ہیں۔ اور اس فعل کی طرف تجاوز کرتے والے ہیں۔ جو اُن کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ (یعنی حرام فعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔)

حاصل کلام:

یہ ہے۔ کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پر اس کے شاذہ ہوتے ہوئے عمل کرنا کب جائز ہے۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ لہٰذا اس شاذہ روایت سے "متعہ معروفہ" کو جائز اور حلال قرار دینا ہرگز درست اور قابلِ تسلیم نہیں۔ اس کے علاوہ اگر فقہی اصل کو بھی دیکھیں۔ تو تب بھی یہ حلت ناقابلِ قبول ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جب کسی جگہ حلت اور حرمت کے دلائل مساوی ہوں۔ تو دلائل حرمت کو فوقیت اور اولیت ہوتی ہے۔ یہاں دونوں دلائل کی مساوات ہی کب ہے۔ بلکہ یہاں تو دلائل محرمہ جس قدر مضبوط اور قوی ہیں۔ اسی قدر دلائل مبیحہ کمزور اور لایعنی ہیں ایک طرف نصوصِ صریحہ اور احادیث صحیحہ متعہ معروفہ کی حرمت ثابت کر رہی ہیں۔ اور دوسری طرف ایک روایت و قراءتِ شاذہ اس کو جائز اور حلال قرار دے رہی ہے۔ تو ایسے میں کون بے وقوف یہ کہے گا۔ کہ دلائل حلت قابلِ عمل ہیں۔ اور دلائل حرمت مرجوح اور ناقابلِ عمل ہیں؟

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ الخ۔ میں جن دو قسم کی عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حلت کو منحصر فرمایا ہے۔ ان میں پہلی قسم کے اندر وہ عورتیں بھی داخل ہیں۔ جو "عقد متعہ" کے ذریعہ سے ہوں۔ کیونکہ یہ متمتعہ عورتیں بھی وقتِ مخصوص کے لیے ازواج ہیں۔ لہٰذا ان کو (وراء ذالک) میں داخل کر کے ان سے خواہشِ نفسانی کی برآری کو حرام قرار دینا قرآن پاک پر زیادتی ہے۔ اور متعہ کرنے والے مرد اور متعہ کرانے والی عورت کو زانی اور زانیہ یا حرام کار کہنا بالکل ناجائز ہے۔ اور یہ زیادتی بلا جواز ہے۔

جواب اوّل

عورتِ متمتعہ کو ازواج میں داخل کرنا قرآنی آیات کے مفہوم کے خلاف بھی ہے۔ اور فقہ جعفریہ (شیعہ) سے بھی لاعلمی اور جہالت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ "عورت متمتعہ" کے لیے "فقہ جعفریہ" میں واضح الفاظ کے ساتھ یہ موجود ہے۔ کہ اس عقد کے لیے نہ گواہی کی ضرورت ہے۔ اور نہ لفظِ نکاح کی۔ اسی طرح ایسی عورت کو طلاق دینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ مدت مقررہ کے گزرنے پر خود بخود آزاد اور خود مختار ہو جاتی ہے۔ اور نہ ہی اُسے آگے عقد کرنے کے لیے کسی عدت کی ضرورت ہے۔ جبکہ فقہ جعفریہ میں "ازواج" کے لیے گواہی

لفظِ نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ کی پابندی ہے۔ لہٰذا ازواج میں "عورت متمتعہ" کسی طور داخل نہیں ہے۔

جواب دوم

اگر قائل کے مطابق "عورت متمتعہ" ازواج میں داخل ہوتی۔ تو ازواج کی طرح اس کی تعداد پر بھی پابندی ہوتی۔ اور چار سے زائد عورتوں سے بیک وقت ایک آدمی سو عورتوں یا اس سے بھی زیادہ کو عقدِ متعہ میں اپنے پاس رکھ سکتا ہے حالانکہ ازواج کے بارے میں "مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ" کی نصِ صریح سے چار تک حد بندی ہے۔

جواب سوم

متعہ کرنے والا مرد اگر شادی شدہ نہیں۔ تو وہ اگر متعہ کرنے کے بعد کسی وقت زنا کا مرتکب ہو جائے۔ تو ثبوت زنا کے بعد اس پر حدِ رجم جاری نہیں ہو گی بلکہ اس کو کنوارے کی سزا یعنی کوڑے لگائے جائیں گے۔ کیونکہ شریعت اُسے شادی شدہ تسلیم نہیں کرتی۔ لہٰذا وہ محصن نہ ہوا۔ اگر متعہ کرانے والی عورت "ازواج" میں داخل ہوتی۔ تو اس سے ہم بستری کرنے والا لازماً شادی شدہ تسلیم ہوتا۔ اور محصن شمار کیا جاتا۔ اور اس پر جرم میں رجم کی سزا نہیں دی گئی۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

مجمع البیان

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ يعني

اِذَا كَانَا حُرَّيْنِ بَالِغَيْنِ بِكْرَيْنِ غَيْرَ مُحْصَنَيْنِ فَاَمَّا اِذَا كَانَ مُحْصَنَيْنِ اَوْ كَانَ اَحَدُهُمَا مُحْصَنًا كَانَ عَلَيْهِ الرَّجْمُ بِلَا خِلَافٍ - وَ الْاِحْصَانُ هُوَ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فَرْجٌ يَغْدُوْ اِلَيْهِ وَ يَرُوْحُ عَلٰى وَجْهِ الدَّوَامِ -

(تفسیر مجمع البیان جلد ہفتم ص ۱۲۴ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

(زانی اور زانیہ) دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ جبکہ دونوں آزاد، بالغ کنوارے اور غیر محصن ہوں۔ لیکن اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک محصن ہو۔ تو اس پر حدِ رجم ہے۔ جس میں کوئی خلاف نہیں اور احصان یہ ہے۔ کہ کسی کے ہاں فرج (عورت کی شرمگاہ) بطور نکاح ہو۔ اور وہ دائمی طور پر اُسے جب چاہے صبح و شام مباشرت کے طور پر استعمال کر سکے۔

”حلّتِ مُتعہ“ پر شیعہ حضرات کی دوسری دلیل

صحیح مسلم شریف

عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ كُنَّا نَغْزُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَسْتَخْصِيْ

فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَنْكِحَ الْمَرْاَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰى اَجَلٍ ثُمَّ قَرَءَ عَبْدُ اللّٰهِ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔

(صحیح مسلم شریف جلد اول ص ۴۵۰ باب نکاح المتعہ مطبوعہ نور محمد دہلی)

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر آپ کی معیت میں جنگوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ اور ہمارے پاس اپنی منکوحہ عورتیں نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ایک مرتبہ حضور سے خصی ہو جانے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے ہمیں منع فرما دیا۔ پھر اس بات کی رخصت (اجازت) دے دی۔ کہ تم ایک مقررہ وقت کے لیے کسی عورت سے محض ایک کپڑے کے بدلے نکاح کر لیا کرو۔ (یعنی آپ نے متعہ کرنے کی اجازت دے دی) یہ کہہ کر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (اس کی تائید میں) یا ایہا الذین امنوا لا تحرموا الخ۔ پڑھی۔ یعنی اے مومنو! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پاکیزہ اشیاء حلال کر دیں۔ انہیں حرام مت کرو۔ (یعنی متعہ حلال ہے۔ اسے حرام نہ گردانو)

جواب اوّل:

عقد متعہ اور نکاحِ موقّت میں فرق آپ پچھلے اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ عقد متعہ، میں لفظ اِسْتَمْتَعْ اور اَتَمَتَّعُ یا جو بھی لفظ "متع" کے

ماخذ سے ہو۔ اس کا اس عقد میں ذکر ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ تحفۃ العوام ص ۳۰۲ پر مذکور ہے۔ اور "عقدِ موقت" میں لفظ نکاح یا تزویج کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس میں شہادت بھی شرط ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جو عقد متعہ کی بجائے "عقدِ موقت" پر دلالت کرتا ہے۔ اور "نکاحِ موقت" کی حلت "عقد موقت" پر دلالت کرتا ہے اور "نکاح موقت" کی حلت بعض علماء کے نزدیک اب بھی ہے۔ کیونکہ اس انعقادِ نکاح میں مجوزین ائمہ کرام وقت مخصوص کی قید باطل قرار دے کر اس کو نکاحِ دائمی قرار دیتے ہیں۔ جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکی ہے۔ لہذا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی اگر شیعہ اس حدیث سے "عقد متعہ معروفہ" کو ثابت اور جائز قرار دیتا ہے۔ تو وہ دراصل خود اپنی مذہبی کتب سے ناآشنا اور جاہل ہے۔

جواب دوم:

روایت مذکورہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور انہی حضرت سے بہت سی روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ کہ آپ (عبداللہ بن مسعودؓ) حرمتِ متعہ کے قائل تھے۔ چنانچہ ان سے "بیہقی شریف" میں یوں منقول ہے۔

بیہقی شریف

عَنْ سُفْيَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَسَخَتْهَا الْعِدَّةُ وَالطَّلَاقُ وَالْمِيرَاثُ قَالَ

الْعَدَّةُ يَعْنِي الْمُتْعَةَ وَرَوَاهُ الْحَجَّاجُ بْنُ
اَرْطَاةٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اَصْحَابِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ
عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ الْمُتْعَةُ مَنْسُوْخَةٌ
نَسَخَهَا الطَّلَاقُ وَالصَّدَاقُ وَالْعِدَّةُ
وَالْمِيْرَاثُ۔

(بیہقی شریف جلد ۷ ص ۲۰۷ کتاب النکاح
مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ:

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ہمارے کچھ ساتھیوں نے حکم بن عتیبہ کے واسطہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ کہ جناب ابن مسعود نے فرمایا۔ کہ عدت، طلاق اور میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسی طرح حجاج بن ارطاۃ بھی بواسطہ حکم کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ذریعہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ طلاق، حق مہر، عدت اور وراثت نے متعہ کو منسوخ کر دیا ہے۔

حاصل کلام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث میں اول تو لفظ "متع" یا اس کے مشتقات میں سے کوئی لفظ نہیں۔ جس سے "عقد متعہ" کا انعقاد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے متعہ معروفہ کو ثابت کرنا ہٹ دھرمی اور سینہ زوری کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور اگر اس سے متعہ ہی مراد لیا جائے۔ تو بھی معاملہ

جوں کا توں رہے گا کیونکہ جب یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متعہ کی حلت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ابتداء اسلام میں مخصوص وقت تک اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز کر دیا تھا لیکن اس کا جواز دائمی نہ تھا۔ بلکہ آپ نے اسے فتح مکہ کے تیسرے روز کے بعد حرام قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا کسی طور پر حدیث مذکورہ شیعہ حضرات کی مؤید نہیں بن سکتی۔ اور نہ ہی اس سے حلت "متعہ معروفہ" ثابت ہوتی ہے۔

حلت متعہ پر شیعوں کی تیسری دلیل

تفسیر طبری

عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ مُتْعَۃِ النِّسَاءِ قَالَ اَمَا تَقْرَاُ سُوْرَۃَ النِّسَآءِ قَالَ قُلْتُ بَلٰی قَالَ فَمَا تَقْرَاُ فِیْہَا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْہُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی قُلْتُ لَا لَوْ قَرَاْتُہَا ھٰکَذَا مَا سَاَلْتُکَ قَالَ فَاِنَّہَا ھٰکَذَا۔

(تفسیر طبری جلد پنجم صفحہ نمبر ۹ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ:

ابو نضرہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی بابت دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے سورۂ نساء نہیں پڑھی۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں پڑھی ہے۔ تو آپ نے

فرمایا۔ کیا اس میں تم نے "فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی" نہیں پڑھا۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں۔ اگر میں نے آپ کی طرح اس آیت میں "الی اجل مسمی" کے الفاظ زیادہ پڑھے ہوتے۔ تو آپ سے یہ سوال ہرگز نہ کرتا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ آیت اسی طرح ہے جس طرح میں نے تمہارے سامنے ابھی پڑھی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے مجتہد صحابی بھی متعہ کی حلت کے قائل تھے۔ اور انہوں نے اس کی حلت قرآن سے ثابت فرمائی۔ تو اس کے ثبوتِ حلت کے لیے کیا یہ روایت کافی نہیں؟ ہم انشاءاللہ اس استدلال کا جواب بھی عرض کرتے ہیں۔ اور فیصلہ ناظرین کرام خود کریں گے۔

جواب اول:

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ حدیث جیسی اور بھی کئی ایک احادیث روایت کی گئی ہیں۔ لیکن ایک حقیقت یہ بھی ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس مجمع میں موجود نہ تھے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے تیسرے دن متعہ کی ابدی حرمت کا اعلان فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ کافی مدت تک متعہ کے جواز کے قائل رہے اسی لیے ایک وقت آیا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے اس خیال کی سختی سے تردید کی۔ اور انہیں زور دے کر سمجھایا۔ کہ تم جس کے جواز کے قائل ہو۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرما دیا ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں صحیح مسلم شریف کی ایک دو روایات پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

مسلم شریف:

عَنِ الْحَسَنِ وَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنَیْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ اَبِیْهِمَا عَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ یَلِیْنُ فِیْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ فَقَالَ مَهْلًا یَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ نَهٰی عَنْهَا یَوْمَ خَیْبَرَ۔

(مسلم شریف جلد اول ص ۴۵۲ باب نکاح المتعۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

ترجمہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق سنا۔ کہ وہ عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے میں کچھ نرم خیال ہیں۔ (یعنی اس کو جائز کہتے ہیں) تو آپ نے ابن عباس کو فرمایا۔ اس نرمی کو چھوڑ دیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خیبر متعہ کرنے اور پالتو گدھا ذبح کر کے کھانے سے منع فرما دیا ہے۔

مسلم شریف کے صفحہ مذکورہ پر ایک اور حدیث ان الفاظ سے مروی ہے

مسلم شریف: جلد اول ص ۴۵۲

قَالَ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ یَقُوْلُ لِفُلَانٍ اِنَّكَ رَجُلٌ تَائِهٌ نَهٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

ترجمہ:

راوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہتے سنا۔ کہ (اے ابن عباس!) تو ایک ایسا شخص ہے۔ جو متعہ کے بارے میں حق سے ہٹا ہوا ہے۔ حالانکہ متعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، بوجہ عدم سماعت فتح خیبر کے بعد بھی متعہ کرنے اور پالتو گدھے کے گوشت کھانے کو جائز سمجھتے رہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اس کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے جب اس بات کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا۔ تو انہوں نے ابن عباس کو فرمایا کہ تم حق پر نہیں ہو۔ حق یہ ہے۔ کہ ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خیبر حرام قرار دے دیا تھا۔

کتب شیعہ مثلاً مجالس المؤمنین اور منتہی الآمال وغیرہ میں موجود ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تمام علوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل کیے۔ اور انہی سے فیض یافتہ تھے۔ پتہ چلا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے استادِ محترم متعہ کی ابدی حرمت کے قائل تھے۔ البتہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہ معلوم نہ ہونے کے باعث کچھ مدت تک اس کی حلت کے قائل رہے۔ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں سختی سے منع فرمایا۔ کہ اس کی حلت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرما دیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعہ کی ابدی حرمت کا ذکر فرمایا۔ تو اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال سے رجوع فرما لیا۔ اور اس کی حرمت ابدیہ کے قائل ہو گئے۔ ترمذی شریف میں اسی مضمون کی حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

جامع الترمذی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِىْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدِمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهٗ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْاَةَ بِقَدْرِ مَا يُرٰى اَنَّهٗ يُقِيْمُ فَتَحْفَظُ لَهٗ مَتَاعَهٗ وَ تَصْلُحُ لَهٗ شَيْئَهٗ حَتّٰى نَزَلَتِ الْاٰيَةُ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ۔

(جامع الترمذی جلد اول ص ۱۳۳ / ابواب النکاح
مطبوعہ دہلی، طبع قدیم)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ متعہ ابتدائے اسلام میں (جائز) تھا۔ (وہ یوں) کہ کوئی آدمی کسی اجنبی شہر میں وارد ہوتا۔ جہاں اس کی کوئی جان پہچان نہ ہوتی۔ تو وہاں اس شہر میں کسی عورت سے اپنے قیام کی مدت تک شادی کر لیتا جس کے ذریعہ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت بھی کرتی۔ اور اس کی ضروریاتِ زندگی بھی تیار کرتی۔ یوں ہوتا رہا۔ پھر وہ وقت آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ، و الا علی ازواجہم (الخ)، آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ اس آیت کے اترنے کے بعد اس میں مذکور

دو اقسام کی عورتوں کے سوا ہر قسم کی عورت سے مباشرت کرنا حرام ہو گیا۔ (یعنی متعہ حرام ہو گیا۔)

بیہقی شریف

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ وَكَانُوا يَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْآيَةَ (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى الاية) فَكَانَ الرَّجُلُ يَقْدِمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهٗ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ بِقَدْرِ مَا يَرٰى أَنَّهٗ يَفْرُغُ مِنْ حَاجَتِهٖ لِتَحْفَظَ مَتَاعَهٗ وَتُصْلِحَ لَهٗ شَأْنَهٗ حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ) إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ نَسَخَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْأُوْلٰى فَحُرِّمَتِ الْمُتْعَةُ وَتَصْدِيْقُهَا مِنَ الْقُرْآنِ (إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ) وَمَا سِوٰى هٰذَا الْفَرْجِ فَهُوَ حَرَامٌ۔

(بیہقی شریف جلد ۷ ص ۲۰۵ تا ۲۰۶ کتاب النکاح مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ:

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا متعہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا۔

اور لوگ اس کے جواز کے لیے "فما استمتعتم بہ الخ" آیت پڑھا کرتے تھے۔ اس کی صورت یوں ہوتی تھی۔ کہ کوئی انجان آدمی کسی ایسے شہر میں وارد ہوتا۔ جہاں اس کی جان پہچان کسی سے نہ ہوتی۔ تو اپنے فارغ ہونے کے عرصہ تک وہ اس شہر کی کسی عورت سے شادی کر لیتا۔ تاکہ وہ اس کے سامان کی بھی حفاظت کرے۔ اور ضروریات زندگی بھی تیار کر کے دیتی رہے۔ ایسا ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ" پوری آیات حرمت نازل فرمائیں۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے متعہ کو حرام کر دیا۔ اور اس کی حرمت کی تصدیق قرآن کی ایک مستقل آیت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ "اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" اس آیت میں جن دو اقسام کی عورتوں سے مباشرت جائز قرار دی گئی۔ ان کے سوا اور کوئی دوسری عورت مباشرت کے لیے استعمال کرنا حرام ہے (آیت میں مذکور دو اقسام کی عورتیں یہ ہیں۔ ایک وہ عورت جس سے نکاح شرعی کر کے اُسے آدمی اپنی زوجیت میں لے لے۔ اور دوسری وہ مملوکہ لونڈی ہے۔ جس کے ساتھ بغیر نکاح کیے وطی از روئے شرع جائز اور حلال ہے۔ ان دو کے سوا کسی تیسری عورت سے ہم بستری حرام ہے۔ لہٰذا متعہ میں استعمال ہونے والی عورت چونکہ ان دو اقسام سے خارج ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا حرام ٹھہرا۔

ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے۔ کہ آپ متعہ کی حلت ابدیہ کے قائل تھے۔ اور (فما استمتعتم بہ منھن الخ)، آیت کریمہ سے اس کی ابدی حلت پر استدلال کیا کرتے تھے۔ ان دونوں احادیث سے آپ کی طرف اس قول کی نسبت باطل اور غلط ٹھہری۔ کیونکہ ان دونوں احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے واضح الفاظ ہیں۔ کہ آپ ابتدائے اسلام میں اس کے جواز کے قائل تھے۔ یہ اس وقت تک ہوتا رہا۔ جب تک وہ حرمت علیکم امھاتکم الخ۔ آیات نازل نہ ہوئیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت استمتاع کو منسوخ سمجھا۔ اور (الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم)، کے سوا کسی اور عورت سے مباشرت اور وطی حرام ہو گئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سمجھانے کے بعد بھی (معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے پہلے خیال کو ترک کر دیا تھا۔

لہٰذا اس صاف وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی ناعاقبت اندیش سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ کہے۔ کہ آپ حلت متعہ کو دائمی طور پر جائز ہونے کے قائل تھے)۔ اور اس کے لیے وہ آیت استمتاع، کو اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر ان کی طرف سے پیش کرے۔ تو ایسے شخص کے بارے میں یہی کہنا کافی ہے۔ کہ اس کو اپنے مسلک اور عقائد کے متعلق صحیح واقفیت نہیں۔

جواب دوم:

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ کہہ دینا تو آسان ہے۔ کہ آپ متعہ کی حلتِ ابدیہ کے قائل تھے۔ لیکن آپ کے مسلک اور خیالات کی اس بارے میں تحقیق کچھ اور ہی بتاتی ہے۔ وہاں تک رسائی اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو حقیقت کا متلاشی ہو۔ اور خیال پرستی کا لبادہ اتار پھینکے۔ آیئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی اس آیت کی تفسیر سنیئے۔

تفسیر ابن عباس

وَيُقَالُ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ أَنْ تَطْلُبُوا بِأَمْوَالِكُمْ فُرُوجَهُنَّ وَهِيَ الْمُتْعَةُ وَقَدْ نُسِخَتِ الْآنَ (مُحْصِنِينَ) يَقُولُ كُونُوا مَعَهُنَّ مُتَزَوِّجِينَ (غَيْرَ مُسَافِحِينَ) غَيْرَ زَانِينَ بِلَا نِكَاحٍ (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ) اسْتَنْفَعْتُمْ (بِهِ مِنْهُنَّ) بَعْدَ النِّكَاحِ (فَآتُوهُنَّ) فَأَعْطُوهُنَّ (أُجُورَهُنَّ) مُهُورَهُنَّ كَامِلَةً (فَرِيضَةً) مِنَ اللهِ عَلَيْكُمْ أَنْ تُعْطُوا الْمَهْرَ تَامًّا (وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ) وَلَا حَرَجَ عَلَيْكُمْ (فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ) فِيمَا تَنْتَقِصُونَ وَتَزِيدُونَ فِي الْمَهْرِ بِالتَّرَاضِي (مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ) الْأُولَى الَّتِي سَمَّيْتُمْ لَهَا (إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا) فِيمَا أَحَلَّ لَكُمُ الْمُتْعَةَ (حَكِيمًا) فِيمَا

حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمُتْعَۃَ وَیُقَالُ عَلِیْمًا بِاِضْطِرَارِکُمْ اِلَی الْمُتْعَۃِ حَکِیْمًا فِیْمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمُتْعَۃَ۔

(تفسیر ابن عباس جز رابع ص ۶۸ مطبوعہ بیروت۔ لبنان)

ترجمہ:

فرمایا گیا ہے۔ کہ تم اپنے مالوں کے ذریعہ عورتوں کو تلاش کرو یعنی یہ کہ تم اپنے اموال کے بدلے ان کی شرمگاہوں کو طلب کرو۔ اور یہی متعہ ہے جواب منسوخ کر دیا گیا ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا محصنین۔ یعنی ان عورتوں کے ساتھ تم شادی کرنے کے بعد میاں بیوی کی زندگی بسر کرنے والے بنو "غیر مسافحین" یعنی نکاح کے بغیر عورت سے مباشرت کر کے زانی نہ بنو۔ پھر جس عورت سے تم نے نکاح کے بعد نفع اٹھایا انہیں اُن کا کامل حق مہر ادا کرو۔ تم پر کامل حق مہر ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے۔ اور باہمی رضامندی سے اگر میاں بیوی پہلے سے مقررہ حق مہر میں کمی بیشی کر لیتے ہیں۔ تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس بات کو جاننے والا ہے۔ کہ اُس نے متعہ کو کیوں اور کب تک جائز ٹھہرایا اور اس حکمت کا بھی اُسے خوب علم ہے۔ کہ پھر متعہ کو حرام کیوں قرار دیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ متعہ کرنے والے کی مجبوریوں کو جاننے والا ہے۔ اور تم پر اُسے حرام کرنے کی حکمت سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں تفسیر کبیر میں منقول ہے۔ کہ آپ نے آدا خر عمر میں حلت متعہ سے توبہ کر لی تھی۔ اور اس

سے رجوع فرما لیا تھا۔ ملاحظہ ہو

تفسیر کبیر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ) قَالَ صَارَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ مَنْسُوْخَۃً بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی (یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْ ھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ) وَرُوِیَ اَیْضًا اَنَّہٗ قَالَ عِنْدَ مَوْتِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْکَ مِنْ قَوْلِیْ فِی الْمُتْعَۃِ۔

(تفسیر کبیر دہم ص ۴۹ پارہ پنجم مطبوعہ مصر)

ترجمہ:

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ" آیت کریمہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ آپ نے اس آیت کو "یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ الخ" آیت سے منسوخ مانا۔ اور انہی سے یہ بھی روایت کی گئی ہے۔ کہ اپنی وفات کے قریب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں توبہ کی اے اللہ! متعہ کے بارے میں جو میرا خیال تھا۔ میں اس سے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

حلتِ متعہ پر شیعہ حضرات کی چوتھی دلیل

اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے کہ عمر فاروق نے فرمایا

مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمْتُهُمَا۔

ترجمہ:

دو متعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں تھے۔ میں ان دونوں کو حرام کیے دیتا ہوں۔

مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَنْهٰى عَنْهُمَا وَاُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا

(تفسیر احکام القرآن للجصاص جلد دوم ص ۱۵۲ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو متعے جائز تھے۔ میں ان دونوں سے منع کر رہا ہوں۔ اور ان پر عمل کرنے والوں کو سزا دوں گا۔

طریقۂ استدلال

اوپر ذکر کردہ دونوں روایات میں واضح طور پر نشاندہی ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں متعہ حلال اور معمول بہ رہا۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ جب دور فاروقی تک بھی متعہ جائز تھا۔ تو فتح مکہ اور یوم خیبر کے وقت متعہ کی منسوخی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کیونکہ یہ دونوں واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں رونما ہوئے اگر اس وقت متعہ حرام کر دیا گیا ہوتا۔ تو دور فاروقی میں اس کی حلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرا ان دونوں حدیثوں میں واضح الفاظ میں موجود ہے۔ کہ متعہ کو حرام کرنے والے اور اس سے روکنے والے اور اس کے عامل کو سزا دینے والے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسا کہ صاف الفاظ بتا رہے ہیں کہ میں نے ان کو حرام کرتا ہوں۔ معلوم ہوا۔ کہ متعہ کو حلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں اس کی حرمت کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن عمر بن خطاب نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو حرام کر دیا۔ اب اہل سنت خود غور کریں۔ کہ کسی فعل کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا اختیار شرعی حضرت عمر کو ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مجاز ہیں؟ اور پھر جن اشیاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلال قرار دے چکے۔ ان کو حضرت عمر حرام قرار دے دیں۔ اور ان کے حرام کرنے سے وہ اشیاء حرام ہو جائیں۔ یہ قانون کس جگہ ہے؟ لہذا جب متعہ دورِ نبوی اور دور صدیقی میں ان روایات کے مطابق حلال تھا۔ تو وہ اب بھی حلال ہی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حرام کر دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حلال کردہ چیز حرام نہیں ہو جاتی۔

جواب اول:

اس استدلال کا تحقیقی جواب دینے سے پہلے چند باتیں گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔

۱۔ کتب شیعہ سے متعہ کی تفسیر و تفصیل آپ گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اس کا خلاصہ ایک جملہ میں بیان ہو سکتا ہے۔ کہ "متعہ" خواہشات نفسانیہ کی برآری کے لیے ایک آزاد طریقہ ہے۔ جس میں کوئی پابندی نہیں۔ اور حصولِ لذت اور شہوتِ نفس کو عام کرنے اور اس کی تکمیل کا آسان ترین طریقہ ہے۔ جب شیعہ حضرات سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دنیا دار اور نفس پرست سمجھتے ہیں۔ تو کسی دنیا دار اور نفس کے بندے کو متعہ جیسی بات کو بند کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو اس قسم کے افعال کو اور زیادہ ہمیشہ نے اور ان کی وسیع پھیلنے پر ترویج کی کوشش کرتا ہے۔ تو شیعہ لوگوں کے خیال کو ملتے ہوئے ہونا تو یوں چاہیئے تھا۔ کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس فعل کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ کیونکہ ازعم شیعہ، آپ کی پوری عمر عموماً اور آپ کا دورِ خلافت خصوصاً خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کا زمانہ تھا۔ لہذا چاہیئے تھا۔ کہ آپ خود بھی ان میں منہمک رہتے۔ اور دوسروں کو اس کی طرف رغبت دلاتے۔ تاکہ سارا آوے کا آوا ایک رنگ میں رنگا ہوا ہو جائے۔ اور کوئی اس کی مخالفت کرنے والا نہ ہو۔ اور نہ کسی طرف سے انگشت نمائی ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور اس کے برعکس آپ نے متعہ جیسے آسان ذریعہ نفس پرستی کو روک دیا۔

۲۔ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس فعل شنیع سے لوگوں کو

منع فرمایا۔ تو اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ کہ آپ خواہش نفس کے غلام نہ تھے۔ اور نہ ہی آپ دنیا دار تھے۔ بلکہ آپ کی شخصیت اعلیٰ اخلاق کی حامل اور دینی طور پر ایک اعلیٰ معیار تھی۔ خوف خدا اور اطاعت و محبت مصطفیٰ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ خود بھی فواحش سے بچتے۔ اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے دوسروں کو بھی بداخلاقی سے بچانے کی فکر کرتے۔

اب آیئے اس استدلال کا تحقیقی جواب دیا جائے۔ بات یہ ہے۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے متعہ کی حرمت کے بارے میں روشن دلائل یاد تھے۔ انہی کی بنا پر آپ نے حرمت متعہ کا اعلان فرمایا۔ آپ یہ بھی جان چکے ہیں۔ کہ ابتدائے اسلام میں چند مجبوریوں کی بنا پر متعہ کو خنزیر کی طرح جائز اور حلال قرار دیا گیا تھا۔ اس کی حلت کی خبریں دور دراز علاقہ جات میں پھیل گئی تھیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خیبر اور فتح مکہ کے تیسرے روز کے بعد اس کی حرمت کا اعلان فرما دیا

تو اس اعلان کے کچھ ہی روز بعد آپ کا اس دنیا سے انتقال ہو گیا۔ جس سے مسلمانوں پر ایک بہت بڑا امتحان آن پڑا۔ اسی عالم میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بار خلافت اٹھایا۔ اور اپنے دور خلافت میں کبھی فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے کوشاں رہے۔ اور کبھی مانعین زکوٰۃ کے خلاف صف آرائی میں مشغول رہے۔ اس لیے ان اہم امور میں ہی دور صدیقی گزر گیا۔ اور صحابہ کرام بھی ان فتنوں کی سرکوبی میں ہمہ تن برسرپیکار رہے۔ لہذا حلت متعہ کی خبر جو اس سے قبل دور دراز علاقہ جات میں پھیل چکی تھی۔ اس کی تنسیخ کی پبلسٹی اور حرمت کی تشہیر نہ ہو سکی بلکہ دور دراز کو چھوڑ کر خود عام عرب علاقہ جات میں بھی اس کی کماحقہ تبلیغ و تشہیر نہ ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرام تک بھی اس کی تنسیخ اور عدم تنسیخ کے بارے میں

مختلف روایات بیان کرتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب سُنا۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حلت متعہ کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔ تو انہوں نے ابن عباس کو ذرا سخت لہجہ میں فرمایا۔ ابن عباس! تم دیوانے تو نہیں۔ جو حلت متعہ کی بات کرتے ہو۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دائمی طور پر حرام فرما دیا ہے۔

لیکن دورِ صدیقی کے خاتمہ پر جب عنانِ خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنبھالی۔ اور حالات بہتر سے بہتر ہونے لگے۔ فتنے دب گئے۔ اور فتوحات کا عام چرچا ہوا۔ اور اس بابرکت اور پرامن دور میں آپ نے جب دیکھا۔ کہ ابھی تک بہت سے لوگ متعہ کی حلت کے قائل ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی حرمت کا اعلان ان تک نہ پہنچ پایا تھا۔ تو اس سراسر اغراض نفسانی اور خواہشات نفسانیہ کے جامع فعل سے معمولی طریقہ سے روکا گیا اور شاید نرمی کا مقصد بہ اثر نہ ہوتا۔ اس لیے ذرا سختی کی ضرورت تھی۔ تو آپ نے بڑی سختی سے اس کے ارتکاب کرنے والوں کو تنبیہ کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو حرام قرار دے دیا۔ اب جو شخص اس سے باز نہ آئے گا۔ میں اُسے سزا دوں گا۔ حضور کے زمانہ میں دو متعے حلال تھے۔ وہ بھی ایک وقت مقررہ تک بعد میں انہیں آپ نے منسوخ و حرام کر دیا تھا۔ لہٰذا ان دونوں کی حرمت کا بھرپور انداز میں اب میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ متعۃ النساء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابدی طور پر حرام کر دیا تھا۔ لہٰذا جس نے اب یہ فعل کیا۔ میں اس پر حد جاری کروں گا۔ اور یہ بہانہ قطعاً قابل قبول نہ ہوگا۔ کہ ہمیں اس کی حرمت کا علم نہ تھا۔ یعنی قولِ فاروقی حرمتهما کا معنی یہ ہے اعلنت حرمتهما۔ کہ میں ان کی حرمت کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے منع کرنے میں چونکہ شدت کی ضرورت تھی لہٰذا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی حرمت

کو اپنی طرف مجازی طور پر منسوب کیا۔ اور آپ کو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا کیونکہ آپ وقت کے حاکم اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے خلیفہ و نائب تھے۔ اور ایک خلیفہ یا نائب اپنے آقا کے کام کو اپنی طرف منسوب کرے۔ تو مجازاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ وہ کام دراصل آقا اور مالک کا ہی ہوتا ہے۔

خود قرآن مجید میں اس انداز کو اپنایا گیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے حضور جب جبرئیل امین تشریف لائے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری دینے لگے۔ ترجمہ الفاظ بولے وہ یہ تھے۔

"میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا تیرے پاس آیا ہوں۔ تاکہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں "(لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا) اور یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جبرئیل امین نے بیٹے کا دینا اپنی طرف منسوب کر دیا۔ تو ان کا ایسا کرنا اور کہنا مجازی تھا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم لانے والے تھے۔ اس کے حکم پہنچانے میں اس کے نائب تھے۔ تو جب قرآن میں اصل کا فعل مجازاً نائب کی طرف منسوب کرنا جائز ثابت ہوا۔ تو اسی طرح متعہ کی حرمت کا حکم تو دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اب اس حکم کا اجراء فاروق اعظم کر رہے تھے۔ لہٰذا مجازاً اسے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا۔ میں حرام کر رہا ہوں۔ یا میں نے حرام کر دیا۔ تو جس طرح جبرئیل امین کا عطاء ولد کی نسبت اپنی طرف کرنا قابل اعتراض نہیں۔ اسی طرح حرمت کی نسبت فاروق اعظم نے اپنی طرف کی۔ تو اس میں بھی کوئی مضائقہ اور حرج نہیں۔ اور یہ اعلان حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محض خدا خوفی اور اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے فرمایا اس میں شیطان کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ جیسا کہ مخالفین کا خیال و گمان ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَفِرُّ مِنْ ظِلِّ عُمَرَ۔

یقیناً عمر کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔ تو ایسے پاکباز شخص کا متعہ کی حرمت کا اعلان کرنا کسی غرضِ ذاتی پر مبنی نہ تھا۔

رہا یہ معاملہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متعہ کی حرمت کا اعلان "حَرَّمْتُ" کے صیغہ سے کیا۔ اور یہ فعل ماضی واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا باب تفعیل ہے۔ جس کا معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ "میں حرام کرتا ہوں"۔ تو اس صاف و صریح معنی کی بجائے اس کا معنی یہ کرنا کہ "میں حرام ہونے کا اعلان کرتا ہوں"، کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

تو اس معاملہ میں گزارش ہے۔ کہ قرآن پاک میں یہی لفظ اسی باب سے استعمال ہوا۔

لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ۔

(سورۃ توبہ رکوع ۴)

ترجمہ:

وہ اس کو حرام نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام کیا۔

اب اس مقام پر "حرام کرنا" مراد نہیں۔ بلکہ "حرام سمجھنا" مراد ہے۔ یعنی جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا۔ وہ اسے حرام نہیں سمجھتے۔ تو جیسے اس آیت میں "حرام کرنا" مراد نہیں۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد "حَرَّمْتُ" کا معنی اور مراد اگر "حرام کا اعلان کرنا" ہو۔ تو کیا قباحت ہے۔ اور کون سی زمین پھٹ جاتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا "حَرَّمْتُ" بولنا قرآن پاک کے اسلوب کے خلاف نہیں۔ بلکہ عین مطابق ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواب دوم:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا يَجْتَمِعُ اُمَّتِی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر متحد اور متفق نہ ہو گی۔ اور اسی امت کے بارے میں قرآن حکیم کا اعلان ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(پ۴ رکوع ۲)

ترجمہ:

جو امتیں ہدایت مردم کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے بہتر ہو۔ نیکی کا حکم دیتے ہو۔ اور بدی سے منع کرتے ہو۔

(ترجمہ مقبول)

قرآن پاک کی آیت مذکورہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اور تمام امت میں سے خاص کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جماعت کا کسی امر پر اتفاق قطعاً گمراہی اور اللہ کی نافرمانی پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا۔ کہ یہ لوگ نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

تو ایسے قرآنی ارشاد اور احادیث نبویہ کے شواہد کے بعد کوئی شخص یہ کیسے تصور کر سکتا ہے۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھرے مجمع میں ایسا اعلان کریں۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے ٹکراتا ہو۔ اور اس اعلان کے سننے والے چپ

سارے رکھیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سمیت کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرے۔ اور نہ ہی اس کے خلاف احتجاج کرے۔ اور یہ بھی کیونکر ممکن ہے۔ کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی ایسی بات پر عمر بن خطاب کی موافقت کریں۔ جو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکامات کے بالکل برعکس ہو۔

اس کے علاوہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بنفس نفیس اس مجمع میں ہونا اور اس اعلان پر احتجاج نہ کرنا اگر وہ غلط ہوتا ایک عجیب امر ہے۔ کیونکہ شیعہ کے مطابق کئی مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاروق اعظم کے فیصلہ جات کی مخالفت کی۔ جیسا کہ "باب خلافت" میں ہم اس کو متعدد کتب شیعہ کے حوالہ جات سے ثابت کر چکے ہیں۔ تو اگر یہ اعلان بھی غلط ہوتا۔ اور اس میں کسی شرعی قانون کی خلاف ورزی ہوتی۔ تو پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کی لازماً مخالفت کرتے۔ کیونکہ آپ کا اس وقت ایسا کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دونوں صاحبزادگان جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت فرمائی تھی۔

نہج البلاغہ

لَا تَتْرُکُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْکَرِ فَيُوَلّٰى عَلَيْکُمْ شِرَارُکُمْ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَکُمْ۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۴۷ ص ۴۲۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

اے بیٹو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا بصورت دیگر

تم پر شریر ترین لوگ مسلط کر دیے جائیں گے۔ پھر تم اللہ سے دعائیں مانگو گے۔ لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے بیٹوں اور دیگر متعلقین کو (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی اس قدر تاکید فرمائیں۔ لیکن خود اس پر عمل نہ کریں۔ تو اس سے بڑھ کر بد عملی کیا ہو سکتی ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا۔ تو یہ حق تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی اتباع تھی۔ جس کی وجہ سے تمام موجود صحابہ کرام مع حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور نہ ہی اس کی مخالفت کی۔ بلکہ اس کی تائید میں سب نے خاموشی اختیار فرما کر یہ ثابت کر دیا۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حرمت متعہ کا اعلان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عین مطابق ہے۔ اور اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کا جذبہ کار فرما ہے۔ لہذا انہوں نے اعلان کی توثیق و تصدیق کر دی۔

(فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِى الْاَبْصَارِ)

ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اسماءؓ کہتی ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں متعہ کیا کرتی تھیں۔ (نسائی طحاوی)

فتوحات شیعہ:

مبلغ اعظم نے فرمایا۔ مولوی صدیق ذرا توجہ فرمائیے میرے ہاتھ میں تفسیر مظہری جلد ثانی ہے۔ اس کے ص ۴۷ سورہ نساء سے روایت سنیئے۔

رُوِیَ النَّسَائِیُّ وَالطَّحَاوِیُّ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ فَعَلْنٰهَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(فتوحات شیعہ از افادات مولوی اسماعیل۔ مولف و مرتب الحاج ناصر حسین نجفی مبلغ اعظم اکیڈمی فیصل آباد)

ترجمہ:

حضرت اسماء ابوبکر کی بیٹی فرماتی ہیں۔ کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں خود متعہ کیا ہے۔

اب فرمائیے مولوی محمد صدیق صاحب کہ حضرت ابو بکر کی بیٹیاں بھی رسول خدا کے زمانہ میں متعہ کیا کرتی تھیں یا زنا کرتی تھیں اگر متعہ کیا کرتی تھیں تو تم ان کے فعل کو زنا کیوں کہتے ہو۔ کچھ شرم تو کرو خلیفہ اول کی بیٹیوں کی عصمت پر حملہ نہ کرو۔

جواب:

مولوی اسماعیل شیعی نے ایک طرف روایتِ بالا سے اپنا مسلک ثابت کرنا چاہا اور وہ بھی کتب اہل سنت سے۔ اور دوسری طرف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی توہین کا اسے بہترین بہانہ مل گیا۔ بس قارئین کرام! روایت بالا کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اول تو اسماعیل شیعی کو لازم تھا۔ کہ اس کی سند بیان کرتا۔ کیونکہ اس نے بارہا اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے۔ کہ ایسی روایت جو بلا سند ہو۔ وہ ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ روایتِ بالا کی سند ناپید ہونے کی بنا پر خود اس کے بقول یہ روایت ناقابل استدلال واستشہاد ہے۔ آج بھی ہمارا اعلان ہے۔ کہ اس روایت کی سند ثابت کر کے اسے مرفوع ہی ثابت کر دو۔ تو بیس ہزار روپیہ نقد انعام ملے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے مذکورہ دو کتابیں یعنی نسائی اور طحاوی میں سے متعہ کے باب میں مذکور تمام روایات کو بار بار پڑھا لیکن اس روایت کا نام ونشان تک نہ مل سکا۔ کسی روایت کے درجات اور صحت کا اعتبار اسی طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ جس کتاب سے اس کا حوالہ دیا گیا۔ اس میں اُسے دیکھا جائے۔ اگر مل جائے۔ تو پھر اس کی سند اور اس کے رواۃ کی چھان بین کرنے پر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس روایت کا سرے سے ان کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر میں کسی ایسے شخص نے کمال چالاکی سے اسے درج کر دیا۔ جو متعہ کے جواز کا قائل ہے

اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ خود قاضی ثناء اللہ صاحب متعہ کی حرمت کے قائل ہیں۔ جس آیت کے تحت تفسیری حوالہ اسماعیل شیعی نے دیا۔ اسی آیت کے تحت قاضی صاحب متعہ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

تفسیر مظہری

وَالْاِجْمَاعُ الْمُنْعَقَدُ عَلٰی عَدَمِ جَوَازِ الْمُتْعَةِ وَ تَحْرِیْمُهَا لَا خِلَافَ فِیْ ذٰلِكَ فِیْ عُلَمَآءِ الْاَمْصَارِ اِلَّا مِنْ طَائِفَةٍ مِّنَ الشِّیْعَةِ وَالْحُجَّةُ عَلٰی تَحْرِیْمِ الْمُتْعَةِ قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۔ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۔ اِذْ لَا شَكَّ اَنَّ الْمَرْاَةَ بِالْمُتْعَةِ لَا تُسَمّٰی زَوْجَةً وَلِذَا لَا تَوَرُّثَ بَیْنَهُمَا۔

(تفسیر مظہری جلد دوم ص ۵۰ زیر آیت فما استمتعتم بہ منھن)

ترجمہ:

متعہ کے ناجائز ہونے پر اجماع منعقد ہے۔ اور اس کی حرمت میں ہر دور کے علماء میں سے کسی نے خلاف نہیں کیا۔ صرف شیعوں کا ایک ٹولہ اس کی اباحت کا قائل ہے۔ اور متعہ کے حرام ہونے پر یہ آیات قرآنیہ دلیل و حجت ہیں۔ "وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

مگر اپنی بیویوں اور ملکیتی لونڈیوں کو چھوڑ کر۔ ان کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ سو جو شخص ان کے سوا کسی دوسری عورت کے سامنے بے شرم ہونا چاہتا ہے۔ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں"

یہ بات شک و شبہ سے بالکل خالی ہے۔ (یعنی یقینی ہے) کہ وہ عورت جس سے متعہ کیا گیا وہ متعہ کرنے والی کی بیوی نہیں کہلاتی۔ اور ان دونوں کے مابین وراثت بھی نہیں چلتی۔

توضیح:

قاضی صاحب نے حرمت متعہ پر اجماع نقل فرمایا۔ اور اس کی دلیل بھی پیش فرمائی۔ صرف اہل تشیع کی ایک جماعت اسے درست سمجھتی ہے۔ اس واضح اور دو ٹوک فتوے کے ہوتے ہوئے قاضی صاحب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ متعہ زمانۂ رسالت اور اس کے بعد بھی جاری رہا۔ اس کی تائید کے لیے حضرت اسماء بنت ابی بکر کا حوالہ دیتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ روایت مذکورہ نہ ان کے مسلک کے مطابق ہے اور نہ ہی ان کی خود درج کردہ ہے۔

مذکورہ اعتراض کی تائید میں ایک اور روایت

اگر کوئی یہ کہے۔ کہ چلو ہم مان لیتے ہیں۔ کہ روایت مذکورہ کا نسائی اور طحاوی میں نام و نشان تک نہیں۔ لیکن تفسیر مظہری میں اس موضوع کی ایک اور روایت جو مسلم شریف کے حوالہ سے لکھی گئی ہے۔ وہ اس کی تائید کرتی ہے۔ روایت یہ ہے۔

رَوٰی مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ قَالَ تَمَتَّعْنَا عَلٰی عَهْدِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ:

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی۔ کہ جناب جابر نے کہا۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں متعہ کیا ہے۔ جب اس روایت اور پچھلی روایت کا مضمون ایک ہی ہے۔ تو مطلب واضح ہو گیا۔

جواب:

جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں متعہ کا ہونا مذکور ہے۔ اس کا ہم بھی انکار نہیں کرتے۔ اس کی تفصیلی بحث ہم لکھ چکے ہیں۔ لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ اجازت کے بعد جب آپ نے اس کی ممانعت کر دی تھی۔ اس کے بعد کا کوئی ثبوت ہونا چاہیئے۔ اور طرفہ یہ کہ صاحب تفسیر مظہری نے مسلم شریف کی روایت مذکورہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ لیکن متعہ کے شوق میں اندھوں کو اس سے آگے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر عجیب تماشا یہ کہ صاحب تفسیر مظہری نے آیت مذکورہ کے تحت جو لکھا ہے۔ شیعہ مفسرین نے وہ بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی لکھا ہے۔ صرف ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

مجمع البیان

اِنَّمَا اَطْلَقَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اِبَاحَۃَ وَطْیِ الْاَزْوَاجِ وَالْاِمَآءِ وَاِنْ کَانَتْ لَھُنَّ اَحْوَالٌ یُحَرَّمُ وَطْیُھُنَّ فِیْھَا کَحَالِ الْحَیْضِ وَالْعِدَّۃِ لِلْجَارِیَۃِ مِنْ زَوْجٍ لَّھَا وَمَا اَشْبَہَ ذٰلِکَ لِاَنَّ

اَلْغَرَضَ بِالْاٰیَۃِ بَیَانُ جِنْسِ مَنْ یُحِلُّ وَطْؤُھَا دُوْنَ اَحْوَالِ الَّتِیْ لَا یُحِلَّ فِیْھَا الْوَطْیُ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ اَیْ طَلَبَ سِوَی الْاَزْوَاجِ وَالْوَلَآئِدِ الْمَمْلُوْکَۃِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعَادُوْنَ اَیِ الظَّالِمُوْنَ الْمُتَجَاوِزُوْنَ اِلٰی مَا لَا یَحِلُّ لَھُمْ۔

(مجمع البیان جلد ہفتم صفحہ نمبر ۹۹
سورۃ مومنون ع۱)

ترجمہ:

بے شک اللہ تعالیٰ نے بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے ساتھ وطی کرنے کو مطلقاً مباح فرمایا۔ اگرچہ ان عورتوں کے ساتھ بعض حالات میں وطی کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حالت حیض اور عدت میں۔ اور لونڈی جبکہ اس کی کسی سے شادی کر دی گئی ہو۔ اور اس کے ساتھ ملتے جلتے دوسرے احوال میں۔ کیونکہ آیت کریمہ سے غرض یہ ہے۔ کہ ان عورتوں کی جنس بیان کر دی جائے۔ جن سے وطی حلال ہے۔ یہ غرض نہیں کہ وہ احوال بیان کیے جائیں کہ جن میں وطی ناجائز ہوتی ہے۔ سو جو شخص بیویوں اور اپنی مملوکہ لونڈیوں کے علاوہ سے وطی کرنے کی خواہش کرے گا۔ وہی ظالم ہیں۔ یعنی حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں۔

توضیح:

علامہ طبرسی نے واضح طور پر لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں سے مرد کا وطی کرنا جائز فرمایا ہے۔ وہ صرف دو ہیں۔ ایک منکوحہ بیوی۔ اور دوسری مملوکہ لونڈی۔

لیکن اگر کوئی شخص ان دو کے علاوہ کسی تیسری عورت سے اباحتِ وطی کا قائل ہے تو وہ ظالم ہے۔ عقل کو دستک دیجئے۔ کہ جس عورت سے اہل تشیع دو متعہ کریں وہ بیوی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ یا ان کی مملوکہ لونڈی۔ جب ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ تو پھر وہ وہی تیسری عورت ٹھہری۔ جس کی خواہش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا۔ اور علامہ طبرسی نے اسے حلال وطی سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والا ظالم شمار کیا۔ چلو ہماری نہ سہی اپنے بڑے کی ہی مان لو۔ اور حرمت متعہ کے قائل ہو جاؤ۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

(معاذ اللہ)
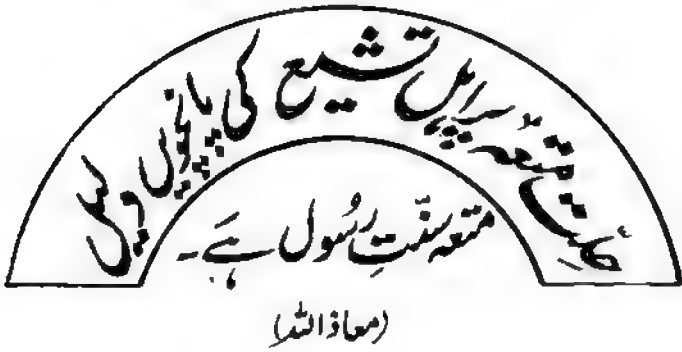
متعہ کے حلال و جائز ہونے پر اہل تشیع کی گزشتہ دلیلیں عبارات اہل سنت پر مبنی تھی۔ ہم نے اس کے جوابات مفصل طور پر واضح کر دیے ہیں۔ اس کے بعد وہ جواز متعہ پر اپنی کتب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے پیش کرتے ہیں۔ اور متعہ کو سنت قولی و فعلی قرار دیتے ہیں۔ ان کے استدلال کی عبارات بعینہٖ پیش خدمت ہیں۔

حلت متعہ پر سنت قولی

وسائل الشیعہ

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ جَآءَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ عُمَيْرِ اللَّيْثِيُّ اِلٰى اَبِيْ جَعْفَرٍ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ فِيْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ فَقَالَ اَحَلَّهَا اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَعَلٰى سُنَّةِ نَبِيِّهٖ فَهِيَ حَلَالٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ يَا اَبَا جَعْفَرٍ مِثْلُكَ يَقُوْلُ هٰذَا وَقَدْ حَرَّمَهَا عُمَرُ وَ نَهٰى عَنْهَا فَقَالَ وَ اِنْ كَانَ

فَعَلَ فَقَالَ فَاِنِّیْ اُعِیْذُكَ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اَنْ تُحِلَّ شَيْئًا حَرَّمَهٗ عُمَرُ فَقَالَ لَهٗ فَاَنْتَ عَلٰى قَوْلِ صَاحِبِكَ وَاَنَا عَلٰى قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلُمَّ اُلَاعِنْكَ اَنَّ الْحَقَّ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّ الْبَاطِلَ مَا قَالَ صَاحِبُكَ قَالَ فَاَقْبَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَيْرٍ فَقَالَ يَسُرُّكَ اَنْ نِسَآءَكَ وَبَنَاتِكَ وَاَخَوَاتِكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ يَفْعَلْنَ قَالَ فَعَرَضَ عَنْهُ اَبُوْجَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ ذَكَرَ نِسَآءَهٗ وَبَنَاتِ عَمِّهٖ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۴۳۷ ابواب المتعہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ عبداللہ بن عمیر ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ آپ عورتوں کے متعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اسے حلال کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس کی حلت تا قیامت ثابت ہے۔ پھر اس نے کہا۔ اے ابوجعفر! آپ جیسا آدمی یہ کہہ رہا ہے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حرام قرار دیا اور اس سے منع فرمایا ہے۔ (یہ سن کر) امام محمد باقر نے فرمایا۔ انہوں نے اگرچہ ایسا کیا؟ عبداللہ بن عمیر کہنے لگا۔ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ نے اس چیز کو حلال قرار دیا ہے۔ جس کو حضرت عمر نے حرام فرمایا۔ یہ سن کر حضرت امام محمد باقر نے فرمایا۔ تو اپنے صاحب

کی بات پر قائم رہ اور میں تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر قائم ہوں۔ آ۔ اور میں تیرے ساتھ لعان کرتا ہوں۔ بے شک حق وہی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور جو تیرے صاحب نے کہا وہ یقیناً باطل ہے۔ اس پر عبداللہ بن عمیر آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا تمہاری عورتیں، تمہاری بچیاں، تمہاری بہنیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں یہ کام کریں تو تجھے بہت خوشی ہوگی۔ امام باقر نے اپنی بیویوں اور چچازاد بہنوں کا نام سن کر اس سے منہ دوسری طرف کر لیا۔

وسائل الشیعہ

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اُسْرِیَ بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ قَالَ لَحِقَنِیْ جِبْرَائِیْلُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِلْمُتَمَتِّعِیْنَ مِنْ اُمَّتِكَ مِنَ النِّسَآءِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۴۴۲ کتاب النکاح باب الستحباب المتعہ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر معراج کرایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے بوقت ملاقات کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے۔ کہ میں نے آپ کی اُمت کی

عورتوں کو جو متعہ کرتی ہیں معاف کر دیا ہے۔

جواب اوّل:

اہل تشیع نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا ہے۔ کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی روشنی میں متعہ کو جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ یہ الزام اور بہتان اس لیے ہے۔ کہ روایت مذکورہ کا راوی زرارہ وہ شخص ہے۔ جس پر خود امام باقر کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے لعنت بھیجی ہے۔ امام کی طرف سے اس کے ملعون قرار دیے جانے کا ثبوت اہل تشیع کی مشہور و معتبر کتاب رجال کشی میں موجود ہے۔ لہذا ایسے آدمی کی روایت کا جو کہ زبانِ امام سے ملعون قرار دیا گیا۔ کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

جواب دوم:

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی سند سے کتب شیعہ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔ جن میں ان حضرات نے متعہ کو حرام اور ممنوع صریح فرمایا ہے۔ لیکن شیعہ مصنفین نے ان روایات کو جب اپنے من بھاتے مذہب کے خلاف پایا۔ تو اس کی یہ تاویل کر دی۔ کہ ان حضرات کے حرمت متعہ کے اقوال تقیہ پر محمول ہیں۔ یعنی اہل بیت کے عظیم ائمہ نے تو متعہ کو حقیقتاً حرام قرار دیا اور ان کے شیدائی اور فدائی، یہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے امام کا یہ قول جھوٹا ہے۔ اہل تشیع کے الزام تقیہ کو دیکھئے۔ کہ اس وقت جبکہ ان کے نزدیک اسے اپنانا چاہیئے تھا۔ امام باقر اسے قریب تک آنے نہیں دے رہے۔ ابن عمیر جس نے امام باقر سے سوال کیا۔ وہ حرمت متعہ کا قائل ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

کا قول بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ جب ابن عمیر کا مسلک امام کے مسلک کے خلاف ہے تو دشمن کے سامنے اگر تقیہ نہ کیا جائے۔ تو پھر اور کس مقام پر ہو گا۔ یہاں امام باقر رضی اللہ عنہ پرواہ نہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں۔ تمہیں اپنے صاحب کا قول مبارک ہو۔ میں تو اُسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ تو یہی ہے۔ کہ متعہ جائز ہے۔ ہاں میں ہاں نہ ملائی۔ اور اسی مسئلہ پر ابن عمیر سے لعان کرنے تک تیار ہو گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ امام محمد باقر کو تقیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے آپ کی وہ روایات جن میں متعہ کی حرمت موجود ہے۔ وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ علاوہ ازیں ائمہ اہل بیت کی سیرت جو اہل تشیع نے بیان کی۔ یہ واقعہ اس کے بھی خلاف ہے۔ جامع الاخبار وغیرہ میں مذکور ہے۔ کہ جس نے ہماری بات کو ظاہر کر دیا ہے اس نے اتنا بڑا جرم کیا۔ گویا اس نے ہمیں قصداً قتل کیا ہو۔ اب اگر امام محمد باقر کے اس قول کو اُن کا قول ہی تسلیم کیا جائے۔ تو اس شخص کو کہ جس نے یہ قول ظاہر کیا۔ اُن کا قاتل کہا جائے گا۔ اور کوئی شیعہ یہ کب چاہے گا۔ کہ وہ اپنی گردن پر امام باقر اور امام جعفر صادق کے قتل کا گناہ ڈالے۔ تو ائمہ کی یہ سیرت بھی بتلاتی ہے۔ کہ کسی ظالم نے جواز متعہ کے بارے میں اُن کا یہ مسلک بتایا ہے۔ لہٰذا یہ روایت اس طرح سے بھی موضوع اور دھوکہ سے پُر ثابت ہوتی ہے۔

جواب سوم:

اگر روایت مذکورہ میں بیان کیا گیا مسلک واقعی امام باقر کا مذہب ہے۔ اور انہوں نے جبرئیل علیہ السلام کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوش خبری دینا بھی تسلیم کیا۔ کہ آپ کی امت کی متعہ کرنے والی عورتوں اور مردوں کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ تو وضاحت طلب یہ بات ہے۔ کہ اگر متعہ جائز اور حلال ہے۔ تو اس پر عمل کرنے والا گناہ گار کیسے ہو گا۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے۔

کہ متعہ ہے۔ تو حرام لیکن اس کے کرنے کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ لہٰذا روایت کے یہ الفاظ جوازِ متعہ یا اس کے سنت ہونے پر کہاں دلالت کرتے ہیں؟

اور اگر یہ مطلب نہ لیا جائے بلکہ یہ لیا جائے۔ کہ اس سے متعہ کا حلال ہونا ثابت ہو گیا۔ جیسا کہ روایت مذکورہ کے ناقلین کا مسلک ہے۔ اور اسی کی تائید اس سے بھی کی جا سکتی ہے۔ کہ امام نے جوازِ متعہ کے حق ہونے پر ابن عمیر کو لعان کی دعوت دی۔ تو پھر دریافت طلب یہ امر ہے۔ کہ جب ابن عمیر نے اس حلال و جائز کام کو سرانجام دینے کے لیے امام باقر کی بیویوں اور چچازاد ہمشیرگان کو ان کے ذریعے اس کی دعوت دی۔ تو اس پر امام نے ناراض ہو کر منہ کیوں پھیر لیا تھا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روایت مذکورہ بے سروپا ہے۔ ورنہ جائز اور حلال کام سے ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَار

حلّتِ متعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت فعلی

وسائل الشیعہ

عَنْ بَکْرِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سَاَلْتُهٗ عَنِ الْمُتْعَةِ فَقَالَ اِنِّیْ لَاَکْرَهُ لِلرَّجُلِ الْمُسْلِمِ اَنْ یَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْیَا وَ قَدْ بَقِیَتْ عَلَیْهِ خُلَّةٌ مِّنْ خِلَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلّٰی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْضِهَا۔
قَالَ الصَّدُوْقُ فَقَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْ لَاَكْرَهُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَمُوْتَ وَ قَدْ بَقِيَتْ عَلَيْهِ خُلَّةٌ مِّنْ خِلَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْتِهَا فَقُلْتُ هَلْ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَقَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۴۴۲
کتاب النکاح استحباب المتعہ)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بکر بن محمد راوی ہے کہ میں نے ان سے متعہ کے بارے میں پوچھا پس آپ نے فرمایا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ کہ کوئی مسلمان مرد دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اور اس کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت اپنا نا باقی رہ جائے شیخ الصدوق کا کہنا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ کہ کوئی مرد مر جائے۔ اور اس کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایک خصلت باقی رہ گئی ہو۔ یعنی اس مرنے والے نے وہ نہ اپنائی ہو۔ میں نے امام سے پوچھا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اور یہ آیت پڑھی۔ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ الخ۔

جواب:

"خوئے بدرا بہانہ بسیار،، ظالموں نے اپنی ہوس برآری اور نفس پرستی کے جواز کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو بھی معاف نہ کیا۔ اور آپ کو متعہ کرنے والا ثابت کر دکھایا۔ معاذ اللہ۔

متعہ کیا ہے؟ پہلے اس کی وضاحت اور پھر مندرجہ بالا استشہاد کی حقیقت بیان ہوگی۔ متعہ ایک قسم کا عقد ہے۔ جس میں ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان مقررہ رقم پر مقررہ وقت تک عقد کیا جاتا ہے۔ اس میں نہ گواہی کی ضرورت اور نہ ایجاب و قبول کی۔ پھر جب مقررہ وقت گزر جائے۔ تو خود بخود دونوں کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ بھی یاد رہے۔ کہ متعہ خاوند والی عورت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے کتب شیعہ میں یہ موجود ہے۔ کہ اگر حضرت عمر متعہ کو حرام نہ قرار دیتے۔ تو پھر کوئی بدبخت ہی ہوتا ہے جو زنا کرتا۔ یعنی متعہ اور زنا میں معمولی فرق ہے۔ ایک میں نکاح کی صورت ہے۔ اور دوسرے میں نہیں۔

یہ مسئلہ بھی مسلمہ ہے۔ کہ اپنی زوجہ سے جو وطی کرتا ہے۔ اُسے متعہ نہیں کہتے اور مولی اپنی لونڈی سے نکاح کیے بغیر جو وطی کرتا ہے۔ اُسے بھی کوئی متعہ نہیں کہتا۔ لونڈی سے نکاح کیے بغیر وطی کرنا جائز اس لیے ہے۔ کہ وہ مولی کی مملوکہ ہوتی ہے۔ ان باتوں کی وضاحت کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کیا۔ جس پر آیت واذ اسر النبی الخ۔ دلالت کرتی ہے۔ یعنی اس آیت کا شان نزول بتاتا ہے۔ کہ آپ کے متعہ کرنے پر یہ اُتری۔ اب آیئے کہ آیت مذکورہ کے نزول سے قبل کونسا واقعہ ہوا تھا۔ اور کس عورت کے ساتھ ہوا تھا؟ اس کی تفصیل کتب شیعہ سے ملاحظہ ہو۔

تفسیر منہج الصادقین

روایت اشہر آنست کہ سبب نزول ایں آیت آں بود۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روز ہا را قسمت فرمودہ بود میان زوجات اتفاقاً یک روز نوبت حفصہ بود باپیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گفت یا رسول اللہ اجازت فرمائی تا بخدمت پدر بروم۔ وے را رخصت فرمود بعد از آنکہ او برفت آں حضرت ماریہ قبطیہ را کہ مادر ابراہیم بود و مقوقس کہ پادشاہ اسکندریہ۔ او را بتحفہ نیز د رسول فرستادہ بود۔ بخانہ حفصہ طلبید و وراں بخدمت خودش مشرف گردانیدہ حفصہ چوں مراجعت نمود در سرراہ بستہ دید ہمانجا بنشت تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروں آمد عرق از روئے مبارکش می چکید حفصہ بر قضیہ مطلع شدہ بگریست وگفت یا رسول اللہ کنیز را نجانہ من آوردی و با وخلوت فرمودی وحرمت مرا نگاہ نداشتی و با دیگر زناں ایں عمل نکردی حضرت فرمود اے حفصہ ایں کنیز من است وخدائے تعالیٰ او را برمن مباح گردانیدہ ومن او را برائے رضائے تو برخود حرام گردانیدم۔

(۱۔ تفسیر منہج الصادقین جلد ۹ ص ۳۲۹
سورۃ التحریم)
(۲۔ مجمع البیان پارہ ۲۸ زیر آیت واذ
اسر النبی الخ)

ترجمہ:

واذ اسر النبی الخ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مشہور ترین روایت یہ ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

ازواج مطہرات کی باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ اتفاقاً جس دن حضرت حفصہ رضی کی باری تھی۔ تو حفصہ نے آپ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اپنے والد صاحب سے مل آؤں؟ آپ نے اجازت دے دی۔ اجازت دینے کے بعد آپ نے ماریہ قبطیہ کو بلوایا۔ یہ جناب ابراہیم کی والدہ تھیں۔ اور اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے بطور تحفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی تھیں جب ماریہ قبطیہ حضرت حفصہ کے گھر آ گئیں۔ تو آپ نے اسے اپنی خدمت سے مشرف فرمایا۔ حفصہ جب واپس لوٹیں۔ تو دروازہ بند پایا۔ وہیں بیٹھ گئیں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے چہرہ انور سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ حفصہ اس سے واقعہ پر مطلع ہو گئیں اور رونے لگیں۔ اور عرض کی یا رسول اللہ! لونڈی کو میرے گھر بلوا کر اس سے خلوت فرمائی۔ اور حرمت کو نظر میں نہ رکھا اور دوسری عورتوں کے ساتھ یہ کام آپ نے نہ کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حفصہ! یہ میری لونڈی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے مباح فرما دیا ہے اور میں تیری خوشنودی کی خاطر اسے اپنے اوپر حرام کیے دیتا ہوں۔

لمحہ فکریہ:

جس آیت کریمہ کو امام جعفر صادق کے حوالہ سے جواز متعہ پر پیش کیا گیا ناظرین کرام! آپ ملاحظہ فرمائیں۔ کہ کس ڈھٹائی کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے "عمل متعہ" کا ثبوت اس آیت سے پیش کیا گیا؟ آپ کی لونڈی ماریہ قبطیہ کہ جن کے ساتھ آپ نے تنہائی فرمائی۔ کیا لونڈی کے ساتھ خلوت "متعہ" شمار ہوتی ہے؟ ہم یہ لکھ چکے ہیں۔ کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کیے بغیر وطی کرنا مولیٰ کا حق ہے۔ نیز اس وطی کو "متعہ" بالاتفاق

نہیں کہتے۔ لیکن ان ناہنجاروں نے ان قواعد کو بالائے طاق رکھ کر ایک حرام فعل کو حلال قرار دینے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو بھی معاف نہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس حرام فعل کی نسبت کرنا کفر سے کم نہیں۔ متعہ کے حرام ہونے کا اہل سنت کو تو اقرار ہے ہی لیکن مزے کی بات یہ ہے۔ کہ اسے حلال و جائز کہنے والے بھی "وہ حرام" تسلیم کرتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

مسالك الافهام

عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ سَبُرَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ . شَكَوْنَا الْعَذْبَةَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ اِسْتَمْتِعُوْا مِنْ هٰذِهِ النِّسَآءِ فَتَزَوَّجْتُ اِمْرَاَةً ثُمَّ غَدَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ قَآئِمٌ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنِّيْ كُنْتُ اَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ اَلَا وَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

(مسالک الافہام جلد سوم ص ۲۰۰ کتاب نکاح المتعہ مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:

ربیع بن سبرہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور شہوت کی کثرت کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہاں کی عورتوں سے نکاح متعہ کر لو۔ سو میں نے بھی ایک عورت سے نکاح متعہ کر لیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت

جب میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے تھے۔ اور یہ فرما رہے تھے۔ "بے شک میں نے تمہیں نکاح متعہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو قیامت تک حرام فرما دیا ہے۔

نوٹ:

اہل تشیع جب کوئی روایت یا حدیث اپنے مطلب کی نہیں پاتے۔ تو اُسے تقیہ پر محمول کر دیتے ہیں۔ ان کو تقیہ ہر جگہ کام دے دیتا ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تقیہ کرنے کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے تمام دین ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کا مذکورہ ارشاد تقیہ پر محمول نہیں۔ اور متعہ کی حرمت ابدی ثابت ہو گئی۔ ایک طویل روایت سے اقتباس بھی ملاحظہ ہو۔ جو اہل تشیع کی صحاح اربعہ میں سے ہے۔

الاستبصار

عَنْ زَيْدِ ابْنِ عَلِيٍّ عَنْ اٰبَآئِهٖ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمُ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَ نِكَاحُ الْمُتْعَةِ۔

(۱۔ الاستبصار جلد سوم صفحہ منبر ۱۴۲ الباب المتعہ)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ہفتم ص ۲۵۱ باب تفصیل احکام النکاح)

ترجمہ:

زید بن علی اپنے جد بزرگوار حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو پالتو گدھے کا گوشت اور نکاح متعہ دونوں کو حرام فرما دیا۔

چونکہ اس روایت کے سارے راوی ائمہ اہل بیت ہیں۔ اور "حرمت متعہ"، اہل تشیع کے مسلک کے خلاف اور مسلک اہل سنت کے مطابق ہے۔ اور اس روایت میں مسلک اہل سنت کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے۔ اس لیے دل کے چور نے جھنجوڑا۔ اور شیطان کے اُکسانے پر اس روایت کے ساتھ ہی صاحب الاستبصار نے یہ بڑھانک دی۔

فَالْوَجْهُ فِيْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ اَنْ نَحْمِلَهَا عَلَى التَّقِيَّةِ لِاَنَّهَا مُوَافِقَةٌ لِلْعَامَّةِ۔

ترجمہ:

یعنی چونکہ یہ روایت عام مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق ہے۔ اس لیے اپنے مسلک کو درست رکھنے کے لیے ہم اُسے تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ گویا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی حرمت بطور تقیہ بیان کی۔ اور شیعہ مصنف ان حضرات کو اپنا ہم نوا اور ہم مسلک ثابت کرنے کے لیے ان پر یہ الزام لگا رہا ہے

کم بخت کو اپنی غلطی اور بدعقیدگی درست کرنے کی نہ سوجھی۔ اگر سوجھی تو یہ کہ ان کو اپنے تابع بنا ئے۔ و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔ الاٰیۃ کے مصداق ایک طرف یہ جرأت اور دوسری طرف یہ کہ پیغمبر در تقیہ،، کی بیماری سے کوسوں دُور ہوتے ہیں۔ پیغمبر کے تقیہ نہ کرنے پر ان کی مشہور و معروف کتاب تلخیص الشافی کی عبارت ایک سے زائد مرتبہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب ان عبارات کے پیش نظر آپ فیصلہ کریں۔ کہ مذہب امامیہ کی اصلیت کیا ہے ؟ مختصر یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ قولی اور فعلی سے جو جواز متعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم نے اس کی پوری پوری خبر لی۔ اور منہ توڑ جواب دیئے ہیں۔ جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ ایسی روایات نا قابلِ اعتبار و استشہاد ہیں بلکہ موضوع ہیں۔ اور اصول و قواعد اہل تشیع کے بھی خلاف ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

کتب شیعہ میں یہ بات بڑی تفصیل و صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ کہ ان کے ہاں متعہ کرنے پر اجر جبریل ملتا ہے اس کے فضائل میں یہاں تک کہا گیا ہے۔ کہ تکمیل ایمان اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ملاحظہ ہو

وسائل الشیعہ:

رُوِیَ اَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَکْمُلُ حَتّٰی یَتَمَتَّعَ ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۴۴۲ باب استحباب المتعہ)

ترجمہ:

امام باقر سے مروی ہے۔ کہ کوئی مومن متعہ کیے بغیر کامل نہیں ہو سکتا۔

ایک طرف یہ دعویٰ کہ ان کے ہاں مومن اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک متعہ نہ کرے۔ اور دوسری طرف ان کے ہم مشرب لوگ اس فعل کو اپنے لیے بدنما داغ تصور کرتے ہیں۔

چنانچہ محمد بن جواد مغنیہ لکھتا ہے۔

عراق، لبنان اور شام میں شیعہ "متعہ" کو دین میں بدنما داغ سمجھتے ہیں

الفقہ علی المذاہب الخمسہ:

لٰكِنَّ الشِّيْعَةَ لُبْنَانَ وَ سُوْرِيَةَ وَالْعِرَاقَ لَا يَسْتَعْمِلُوْنَ الْمُتْعَةَ عَلَى الرَّغْمِ مِنْ اِيْمَانِهِمْ بِجَوَازِهَا وَاِبَاحَتِهَا الْحَاكِمُ الشَّرْعِيَّةُ الْجَعْفَرِيَّةُ فِيْ لُبْنَانَ لَمْ تَجْرِ وَلَمْ تَأْذَنْ لِلزَّوَاجِ الْمُتْعَةَ مُنْذُ اِنْشَائِهَا اِلَى الْيَوْمِ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ صفحہ نمبر ۳۲۷
تذکرہ ولا المتعہ)

ترجمہ:

لبنانی، شامی اور عراقی شیعہ متعہ پر عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اس کی اجازت و اباحت کو اپنے دین کا بدنما داغ سمجھتے ہیں اور فقہ جعفریہ کے یہ احکام لبنان میں نہ تو جاری ہیں۔ اور نہ ہی لبنانی شیعوں نے اپنی عورتوں کو متعہ کی اجازت دی۔ ان کا یہ وطیرہ اس وقت سے آج تک چلا آرہا ہے جب سے متعہ کی حلت و اجازت بنائی گئی۔

ملحہ فکریہ: امام اول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں

کوفہ کو دار الخلافہ بنایا۔ کوفہ ملک عراق میں واقع ہے۔ ان کا مزار شریف نجف اشرف میں ہے اور یہ شہر بھی عراقی ہے۔ امام حسینؓ اور ان کے بہتر جانثار جنہوں نے میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ان حضرات کی قبریں کربلائے معلیٰ میں سرزمین عراق پر ہیں۔ امام موسیٰ کاظم، امام رضا کے مقبرے بغداد میں ہیں۔ گویا عراق شروع سے ائمہ اہل بیت کا مرکز رہا ہے۔ شیعیت کے بانی یہی حضرات بتائے ہیں۔ تو بانیانِ مسلک شیعہ کے علاقہ جات میں شروع سے آج تک متعہ ایسی قبیح حرکت کی اجازت نہ دی گئی بلکہ ان علاقہ جات کے کٹر شیعہ اسے اپنے دین کا بدنما داغ اور بدنامی سمجھتے ہیں۔ تو اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ مرکز سے دور رہنے والے اہل تشیع نے اس بے حیائی کو خود گھڑا۔ اور نفس پرستی کے لیے اسے رواج دیا۔ لبنانی، عراقی اور شامی شیعہ کیا شیعیت میں دوسرے شیعوں سے کم ہیں؟ کیا انہیں اپنے ائمہ کی تعلیمات سے پیار نہیں ہے کیا انہیں آخرت میں ائمہ کے سامنے سرخرو ہونے کی تمنا نہیں ہے؟ کیا انہیں اپنے ایمان کی تکمیل منظور نہیں؟ کیا انہیں یہ خوف نہیں۔ کہ اگر ہم نے متعہ پر عمل نہ کیا تو ہمارے کان اور ناک کل قیامت کو کاٹ دیئے جائیں گے؟ ان حالات میں جب کہ شیعہ مراکز متعہ کو اپنے دین کا بدنما داغ قرار دیں۔ اور ادھر اُدھر سے مُنہ بولے شیعہ اسے تکمیل ایمان کا سبب کہیں۔ ایک خالی الذہن قاری یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس بارے میں جواز و اباحت کے قائل شیعہ محض ہوس کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور زنا سے بچنے کے لیے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مزے لوٹنے کے لیے یہ بکواس گھڑلتے ہیں۔ ورنہ اس کی حرمت کا عقل سلیم بھی فیصلہ کرتی ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

وسائل الشیعہ

عَنْ زُرْعَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ سَمَاعَةَ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ اَدْخَلَ جَارِيَةً يَتَمَتَّعُ بِهَا ثُمَّ اُنْسِيَ اَنْ يَشْتَرِطَ حَتّٰى وَقَعَهَا يَجِبُ عَلَيْهِ حَدُّ الزَّانِيْ قَالَ لَا وَلٰكِنْ يَتَمَتَّعُ بِهَا بَعْدُ وَ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ مَاتَ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ ص ۴۹۲ کتاب النکاح)

ترجمہ:

زرعہ کہتا ہے۔ کہ سماعہ نے کہا کہ میں نے پوچھا۔ اگر ایک مرد کسی عورت کو اپنے گھر لے آئے۔ اور اس سے متعہ کرنے کی خواہش ہو۔ پھر اُسے نکاح متعہ کرنا بھول گیا اور بغیر اس کے اُس سے متعہ کر لیا تو کیا ایسے مرد پر زانی کی حد جاری واجب ہو گی؟ فرمایا نہیں۔ لیکن وہ بعد میں نکاح متعہ کر کے پھر متعہ کرے۔ اور جو کچھ کر لیا۔ اس کی اللہ سے معافی مانگے۔

نوٹ:

"وسائل الشیعہ" میں یہ روایت جس باب کے تحت ذکر کی گئی۔ اُسے ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَنْ اَرَادَ التَّمَتُّعَ بِامْرَاَةٍ فَنَسِيَ الْعَقْدَ حَتّٰى وَطِئَهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ۔

یعنی اس باب میں ائمہ اہل بیت سے مروی روایات ذکر کی جائیں گی۔ جن میں یہ مسئلہ موجود ہوگا۔ کہ ایک مرد کسی عورت سے متعہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن (جلد بازی یا کسی اور وجہ سے) وہ عقد کرنا بھول گیا۔ اور بغیر عقد کیے اُس عورت سے وطی کر لیتا ہے تو ایسے مرد پر حدِ زنا ہرگز جاری نہیں ہوگی۔

اس وطی کو خود تسلیم بھی کیا جا رہا ہے۔ کہ یہ متعہ کے شرائط پورے کیے بغیر ہوئی۔ لہذا نکاح متعہ نہ ہونے کی وجہ سے متعہ نہ بن سکی۔ اور عورت مذکورہ سے اس صورت میں جو کچھ کیا گیا وہ زنا ہے۔ لیکن فقہ جعفریہ اسے زنا تسلیم کر کے بھی اس پر حدِ زنا نہیں لگاتی۔ بلکہ اس جرم کے چھپانے یا معدوم کرنے کا یہ طریقہ سکھایا۔ کہ بھول چوک معاف۔ اب سنجیدہ ہو کر نکاح متعہ کر کے پھر بازار عیش و عشرت گرم کرو۔ اور ایک تیر دو شکار کا فائدہ حاصل کرو۔ نظر انصاف سے دیکھو۔ کہ کیا اہل تشیع کی فقہ میں زنا ایسی بدکاری کی کوئی شکل موجود ہو سکتی ہے۔ ایک مرد کو اجنبی عورت کے ساتھ بدکاری کرتے ہاتھوں ہاتھ دھر لیا جائے۔ اور اسے اس کی حدِ زنا لگانے کی کوشش کی جائے تو وہ پکار اُٹھے گا۔ کہ ہم نے آپس میں مخصوص رقم پر مخصوص وقت تک کے لیے نکاح کر لیا تھا۔ لہذا یہ زنا نہیں۔ اگر بھول سے یہ شرائط طے نہ کر پائے ہوں۔ تو پھر کہا جائے گا۔ کیا ہوا۔ ہم ابھی پھر شرائط متعہ طے کر کے وطی کر لیتے ہیں۔ جس سے پہلی وطی کی گربڑ ختم ہو جائے گی۔

غور سوچیے۔ کیا حضرات ائمہ اہل بیت نے بدکاری کی اس طرح حوصلہ افزائی کی۔ جو تم ان کے سر تھوپنے جا رہے ہو۔ حاشا و کلا ان حضرات کی اصل تعلیمات ایسی خباثتوں سے پاک ہیں۔ اور ردیار لوگوں، نے عبد اللہ بن سبا کے مشن

کی تکمیل کے طور پر امت محمدیہ کے ستونوں کے خلاف گھناؤنی سازش کر رکھی ہے تاکہ ان کی بدنامی اور بے عزتی میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

ولاحول ولاقوۃ الاباللہ

آیت نمبر (۱)

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (پ ۱۸ ع ۱۰)

ترجمہ:

اور جو تم میں سے (بوجہ غربت) نکاح (کے اخراجات ولوازمات) کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ انہیں عفت یعنی پاکدامنی برتنی چاہیے۔ (اور صبر کرنا چاہیئے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں صاحب مال کردے۔

دلیل دوم آیت (۱)

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ

الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ذَالِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃ النساء پ۵ ع۱)

ترجمہ:

جو مرد تم میں مومن آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ (یعنی مالی طور ان کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو) تو انہیں مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کر لینا چاہیئے۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے۔ جو تم میں سے بدکاری اور زنا سے خوف کھاتا ہو۔ اور اگر تم صبر کرو۔ تو یہ تمہارے حق میں بہت اچھا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

دلیل سوم آیت (۳)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذَالِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ۔

(پ۱۸ ع۱)

ترجمہ:

جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا دیگر عورتوں سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ان پر کوئی ملامت نہیں۔ سو جو اس کے

سوائے بیوی اور عورت کے طلب گار ہوں گے۔ تو وہی لوگ (حد شرم سے) تجاوز کرنے والے ہیں۔

حاصل کلام:

پہلی آیت میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ اگر انہیں آزاد عورتوں کے نکاح پر ہونے والے اخراجات اور بعد میں خورد و نوش اور رہائش وغیرہ ضروریات کا پورا کرنا مشکل نظر آتا ہو۔ تو پھر انہیں اس وقت تک صبر سے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں مذکورہ ضروریات میں خود کفیل نہ کر دے۔

دوسری آیت میں اسی مضمون کو قدرے آسان انداز میں ایک دوسرے پیرایہ میں ذکر کیا گیا۔ وہ یہ کہ اے مسلمانو! اگر تمہیں آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت نہیں۔ تو تمہیں مسلمان لونڈیوں سے نکاح کی اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر تم آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہوئے اپنے بارے میں یہ محسوس کرتے ہو۔ کہ صبر نہ کر سکو گے تو بدکاری نہ کرنا۔ ہاں مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر کے مقصد برآری کر لینا۔ کسی اور طریقہ سے مقصد برآری کی تمہیں اجازت نہیں۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں۔ اگر لونڈیوں سے نکاح کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا آسان طریقہ عند اللہ جائز ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور نشاندہی کر دیتا۔ اور متعہ کو دیکھ لیجئے۔ کہ مقصدِ شادی (جبکہ صرف تسکینِ خواہشِ بہیمیہ ہی ہو۔) اس سے کتنا آسان اور سستا حاصل ہو سکتا ہے۔ نہ حق مہر کی ضرورت۔ نہ رہائش و خوراک کی ذمہ داری اور نہ ہی دیگر ضروریات زندگی کی پابندی۔ اگر اس آسان طریقہ کی حلت کی گنجائش ہوتی۔ تو پھر صبر و ضبط کی تاکید کیوں کی جاتی ؟ بلکہ اس کی بجائے صاف اور سیدھے الفاظ

میں یہ کہا جاتا۔ کہ اگر تمہیں آزاد عورتوں پر اٹھنے والے اخراجات کی طاقت نہیں۔ تو پھر یہ ہوا۔ چند ٹکوں اور کپڑے کے ایک ٹکڑے کے عوض تم متعہ کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکتے ہو۔

روایتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کی شیعی تاویل

اہل تشیع جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے متعہ کے بارے میں یہ روایت اپنی کتب میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی۔ کہ آپ نے متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت فتح خیبر کے وقت حرام کر دیئے تھے تو ساتھ ہی اس کی تاویل بھی کرتے ہیں۔ کہ متعہ حقیقت میں جائز اور حلال تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کرتے ہوئے اس کو حرام اور نا جائز کہا۔

چلو مان لیتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ڈرتے ڈرتے تقیہ کا دامن تھام کر اس کی حرمت بیان کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو کہ احکم الحاکمین ہے۔ اسے تو کسی کا ڈر نہیں۔ اور نہ ہی اسے تقیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ تو اس قادر و قیوم نے متعہ کی حلت اور اس کے جواز پر کوئی حکم یا اعلان کیوں نازل نہ فرمایا۔ بلکہ مذکورہ آیات میں سے تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا۔ کہ جس نے اپنی منکوحہ بیویوں اور زیر تصرف لونڈیوں کے علاوہ کسی تیسری قسم کی عورت کو اپنے لیے طلب کیا۔ اور اس سے مقصد برآری چاہی۔ تو ایسے شخص کی یہ حرکت زنا اور حرام کاری ہو گی۔ اور وہ شخص اللہ کی حدود کو پھاندنے والا ہو گا۔ حرام کا مرتکب ہو گا۔ اور اس کو اس جرم کی سزا رجم یا کوڑوں کی شکل میں دی جائے گی۔ اس مضمون کی تائید

کتب شیعہ سے ملاحظہ ہو۔

تفسیر منہج الصادقین

(فَمَنِ ابْتَغٰی) پس ہر کہ جوید برائے مباشرت (وَرَآءَ ذٰلِكَ) غیر از زنان و کنیزانِ خود (فَاُولٰٓئِكَ) پس آں گروہ (هُمُ الْعٰدُوْنَ) ایشانند درگزرندگان از حلال بحرام۔

(منہج الصادقین ص ۱۹۴-۱۹۵ جلد ششم
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

پھر جو شخص اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ کسی اور عورت کو مباشرت کے لیے تلاش کرے گا۔ پس وہی گروہ حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والا ہے۔

مجمع البیان

(فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ) اَیْ طَلَبَ سِوَی الْاَزْوَاجِ وَالْوَلَائِدِ الْمَمْلُوْكَةِ (فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ) اَیْ الظَّالِمُوْنَ الْمُتَجَاوِزُوْنَ اِلٰی مَا لَا یَحِلُّ لَهُمْ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد
ہفتم صفحہ ۹۹ مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ:

سو جس شخص نے اپنی بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے سوا کسی عورت کو (مباشرت کے لیے) طلب کیا۔ پس یہ لوگ ظالم ہیں۔ اور غیر حلال کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں۔

شیعہ حضرات کی ان دونوں تفاسیر نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ کہ جو آدمی بھی ان دو طرح کی عورتوں کے سوا کسی اور عورت سے مباشرت طلب کرے گا۔ اور بصورت متعہ کسی کو ان دو قسم کی حلال عورتوں کے علاوہ استعمال میں لانے کی جسارت کرے گا۔ وہ بدکار اور زانی قرار پائے گا اور اس کی سزا رجم یا کوڑوں کی صورت میں دی جائے گی

دلیل چہارم آیت ۴

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ ۔

(پ ۲۲ ع ۴)

ترجمہ:

اے نبی! بے شک حلال کیں ہم نے تمہارے لیے وہ بیبیاں جن کے تم مہر دے چکے ہو۔ اور وہ لونڈیاں جو خدائے تعالیٰ نے بطور مال غنیمت تم کو عطا فرمائیں اور جن کے تم مالک ہو۔

(ترجمہ مقبول احمد)

اس آیت کریمہ میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا۔ لیکن اس کا حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے صرف دو طرح کی عورتیں حلال اور جائز فرمائیں۔ ایک وہ جن سے تمہارے حق مہر کے عوض نکاح ہو چکا

اور دوسری وہ لونڈیاں جو تمہاری ملک میں ہوں۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات میں صرف دو طرح کی عورتوں کو حلال ٹھہرایا۔ اور وہ تمام آیات محکمات غیر منسوخہ ہیں۔ اس لیے ماننا پڑے گا۔ کہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک "متعہ معروفہ" کے ذریعہ ملنے والی عورت ان دونوں اقسام میں داخل نہیں۔ اس لیے اس صورت میں یہ فعل زنا اور حرام ہی ہوگا اور متمتع عورت ان دونوں اقسام میں داخل نہ ہوگی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

دلائل از کتبِ شیعہ بر حرمتِ متعہ

دلیل ۱: فروع کافی

عِدَّةٌ مِنْ اَصْحَابِنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ شَمُّوْنَ قَالَ كَتَبَ اَبُو الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى بَعْضِ مَوَالِيْهِ لَا تُلِحُّوْا عَلَى الْمُتْعَةِ اِنَّمَا عَلَيْكُمْ اِقَامَةُ السُّنَّةِ فَلَا تَشْتَغِلُوْا بِهَا عَنْ فُرُشِكُمْ وَحَرَائِرِكُمْ فَيَكْفُرْنَ وَيَتَبَرَّيْنَ وَيَدَّعِيْنَ عَلَى الْاٰمِرِ بِذَالِكَ وَيَلْعَنُوْنَا

(فروع کافی جلد پنجم مطبوعہ تہران طبع جدید کتاب النکاح باب انہ یجب ان یکف عنہا من کان مستغنیا ص ۴۵۳)

ترجمہ:

جناب ابوالحسن نے اپنے بعض خدام کو لکھ بھیجا۔ متعہ پر اصرار مت کرو۔ تم پر صرف سنت کی پابندی لازم ہے۔ اپنی منکوحہ اور آزاد عورتوں کو جو نکاح میں ہوں۔ انہیں چھوڑ کر متعہ میں مصروف نہ ہو جاؤ۔ اگر تم نے

ایسا کیا۔ تو وہ عورتیں (جو تمہارے نکاح میں ہیں) تمہاری ناشکری ہو جائیں گی۔ یا کفر کی طرف منسوب کریں گی اور تم سے بیزاری کا اظہار کریں گی۔ اور اس کی شکایت حاکم وقت کے پاس لے جائیں گی۔ اور وہ ہم سب پر لعنت بھیجیں گے (کیونکہ وہ سمجھیں گے۔ کہ تمہیں حکم متعہ ہم نے دیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی تمہارے ساتھ لعنت کرنے میں اکٹھا کریں گے۔

حاصل کلام:

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی کرم وجہہ نے اپنے ماتحتوں اور غلاموں کو متعہ پر اصرار کرنے سے روکتے ہوئے یہاں تک فرمایا۔ کہ لوگ ہم پر لعنت کریں گے۔ اور تکفیر تک سے نہیں چوکیں گے۔ جو شخص اس فعل شنیع کی اس حد تک مذمت کرتا ہو۔ تو اس فعل کے متعلق اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فدائی اور جان نثار کہلانے والوں کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ کہ جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرتا ہے۔ اس کو امام حسین کا درجہ اور دو دفعہ متعہ کرنے والے کو امام حسن کا درجہ اور تین دفعہ کا مرتکب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ اور چار دفعہ ارتکاب کرنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ پاتا ہے؟ کیا یہ بکواسات نہیں۔ اور کیا یہ من گھڑت لغویات نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایک دفعہ متعہ کرنے کو بھی خلاف سنت قرار دے کر اس سے منع کر رہے ہیں۔ کیونکہ آپ ہی تو وہ شخصیت ہیں۔ کہ جن سے سنی شیعہ سبھی یہ روایت کرتے ہیں۔ کہ یوم خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھا اور متعہ حرام کر دیئے تھے۔ جب آپ اسے خلاف سنت بھی قرار دیں۔ اور اس کی حرمت کے روایت کرنے والے بھی ہوں۔ تو پھر ان کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ متعہ کو سنت قرار دیتے ہیں۔ کس قدر ظلم

اور بغض و عداوت کا بھرپور مظاہرہ ہے۔

دلیل دوم فروع کافی

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَيْرِ اللَّيْثِيّ إِلَى أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ مَا تَقُولُ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَقَالَ أَحَلَّهَا اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ وَعَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ وَآلِهِ صَلَّى اللّٰهُ فَهِيَ حَلَالٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ يَا أَبَا جَعْفَرٍ مِثْلُكَ يَقُولُ هٰذَا وَقَدْ حَرَّمَهَا عُمَرُ وَنَهَى عَنْهَا فَقَالَ وَإِنْ كَانَ فَعَلَ قَالَ إِنِّي أُعِيذُكَ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ أَنْ تُحِلَّ شَيْئًا حَرَّمَهُ عُمَرُ قَالَ فَقَالَ لَهُ فَأَنْتَ عَلَى قَوْلِ صَاحِبِكَ وَأَنَا عَلَى قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَهَلُمَّ أُلَاعِنْكَ أَنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّ الْبَاطِلَ مَا كَانَ صَاحِبُكَ قَالَ فَأَقْبَلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَيْرٍ فَقَالَ يَسُرُّكَ أَنَّ نِسَاءَكَ وَبَنَاتِكَ وَأَخَوَاتِكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ يَفْعَلْنَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ ذَكَرَ نِسَاءَهُ

وَ بَنَاتِ عَمِّہٖ۔

(۱۔ البرہان فی تفسیر القرآن علامہ سید ہاشم البحرانی
طبع قم سورۃ النساء ص ۳۶۰ جلد پنجم)
(۲۔ فروع کافی جلد پنجم مطبوعہ تہران طبع جدید
کتاب النکاح ابواب المتعۃ ص ۴۴۹)

ترجمہ:

زرارہ نے کہا۔ کہ عبداللہ بن عمیر اللیثی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ہاں آیا۔ اور عورتوں کے متعہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا۔ تو امام باقر نے کہا۔ متعہ اللہ نے اپنی کتاب میں اور اپنے پیغمبر کی زبان سے حلال قرار دیا ہے۔ تو وہ تا قیامت حلال رہے گا۔ سائل نے عرض کیا۔ اے ابو جعفر! آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے اس کو حرام کر دیا ہے۔ اور اس سے روک دیا ہے۔ امام باقر نے کہا۔ اگرچہ انہوں نے ایسا کیا ہو۔ (ان کے حرام کرنے سے متعہ تھوڑا ہی حرام ہو گیا ہے۔) عبداللہ بن عمیر نے کہا۔ میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ جس چیز کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حرام قرار دیں۔ آپ اسے حلال سمجھ رہے ہیں۔ تو امام باقر نے کہا۔ تمہیں اپنے صاحب (عمر) کا قول مبارک ہو۔ اور مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منظور ہے۔ آؤ میں اور تم اس بات پر مباہلہ کریں۔ کہ جو کچھ متعہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں نے پیش کیا۔ اور جو تم نے حضرت عمر کی روایت بیان کی۔ ان میں سے میں سچا اور تم جھوٹے ہو۔ عبداللہ بن عمیر یہ سن کر کچھ آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اگر آپ کی اپنی عورتیں، بیٹیاں۔ اور چچا زاد ہمشیرگان متعہ کریں

تو کیا آپ خوش ہوں گے۔ یہ سن کر امام باقر نے اس سے منہ پھیر لیا۔ (اور کچھ جواب نہ بن پڑا)

کیا امام باقر رضی اللہ عنہ نے مباہلہ سے واقعی فرار اختیار کیا؟

فروع کافی کی مندرجہ ذیل روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ دعوت مباہلہ دینے والے بھی خود امام باقر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس سے فرار بھی آپ نے ہی کیا۔ اگر واقعہ (روایت) کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو اسی سے متعہ کے ناجائز اور فعلِ بد ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ جب امام باقر رضی اللہ عنہ کو سائل نے دو ٹوک الفاظ میں یہ کہا کہ اگر آپ کی اپنی عورتیں، مائیں بہنیں وغیرہ متعہ کریں۔ تو اسے پسند کریں گے۔ اور ایک حکم شرعی پر عمل پیرا ہوتا دیکھ کر مسرت محسوس کریں گے؟ اگر واقعی تا قیامت متعہ معروفہ جائز اور حلال ہوتا۔ تو امام موصوف کا اس پیش کش کے جواب میں خوشی و مسرت کا اظہار فرمانا ایک دین دار کی علامت ہوتی۔ اور آپ قطعًا مباہلہ سے نہ کتراتے۔ لہذا آپ کا اعراض کرنا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ آپ اس فعل کو شریفانہ اور مسلمانہ فعل نہیں سمجھتے تھے۔

رہا یہ معاملہ کہ اسی روایت کے ابتدائی الفاظ میں راوی نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے متعہ کی حلتِ ابدی کا ذکر فرمایا۔ اور اس کی حلت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ اور اس کی کیا حقیقت ہے۔؟

تو اس سلسلہ میں گزارش ہے۔ کہ امام موصوف کی طرف یہ واقعہ ان لوگوں نے خود گھڑ کر منسوب کر دیا ہے۔ ورنہ امام موصوف حلت و حرمت کے

مسائل میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ اور اس بارے میں کسی قسم کی شرم و ملامت کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ کا ذاتی فرمان سماعت فرمائیے۔

فروع کافی

اِنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْىَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرِيْضَةٌ عَظِيْمَةٌ بِهَا تُقَامُ الْفَرَائِضُ۔ هُنَالِكَ غَضَبُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمْ فَيَعُمُّهُمْ بِعِقَابِهٖ فَيَهْلَكُ الْاَبْرَارُ فِيْ دَارِ الْفُجَّارِ وَ الصِّغَارُ فِيْ دَارِ الْكِبَارِ .... وَلَا تَخَافُوْا فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

(فروع کافی جلد پنجم کتاب الجہاد باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۵۵ تا ۵۶)

ترجمہ:

امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ایسا عظیم فرض ہے۔ کہ اسی کی وجہ سے فرائض کا قیام ہوتا ہے۔ (اگر اس فریضہ میں کوتاہی اور غفلت آن پڑے) تو اللہ کا غضب ایسے لوگوں پر مکمل طور پر آتا ہے اور بُروں کے گھروں میں نیک لوگ اور بڑوں کے گھروں میں چھوٹے سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔ اللہ کے دین میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر کسی کی ملامت کی پرواہ تک نہ کرو اور اس فریضہ کو انجام دیتے رہو۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کے اس ذاتی ارشاد کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اگر امام موصوف واقعی متعہ کی حلت ابدیہ کے قائل ہوتے۔ تو عبداللہ بن عمیر کے ساتھ دعوت مباہلہ میں مستورات کے متعلق باتوں سے شرم کھا کر کبھی اعراض نہ کرتے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ یہ واقعہ اول تا آخر سراسر من گھڑت ہے۔ اور حرام کاری کی لت اور بدکاری کی عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان ظالموں نے امام باقر رضی اللہ عنہ کو درمیان میں لا کھڑا کرنے میں ذرا بھی شرم و حیا نہ کی۔

ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔

دلیل سوم فروع کافی

عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ فِي الْمُتْعَةِ دَعُوْهَا اَمَا يَسْتَحْيِيْ اَحَدُكُمْ اَنْ يَرٰى فِيْ مَوْضِعِ الْعَوْرَةِ فَيَحْمِلُ ذَالِكَ عَلٰى صَالِحِيْ اِخْوَانِهِ وَاَصْحَابِهِ۔

(فروع کافی جلد پنجم مطبوعہ تہران طبع جدید
کتاب النکاح انہ یجب ان یکف
عنہا من کان مستغنیا ص۴۵۳)

ترجمہ:

مفضل کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ متعہ کے بارے میں فرما رہے تھے کہ اس کو چھوڑ دو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے۔ کہ ایک شخص عورت کی شرمگاہ کو دیکھے

پھر اس کا تذکرہ اپنے بھائیوں اور احباب سے کرے۔

حضرات قارئین! یہ حدیث اس کتاب کی ہے۔ جو شیعہ لوگوں کے نزدیک صحیح ترین کتب حدیث میں سے ہے۔ اور اس کی (حدیث) صحت میں کوئی قیل وقال نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جس فعل (متعہ) کو بے حیائی کا نمونہ اور بے شرمی کی علامت قرار دیں۔ تو اس فعلِ بد کے مرتکب کو جنتی اور صاحبِ تقویٰ قرار دینا کس قدر بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔ کسی محبِ اہل بیت کا ایسا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اور امام جعفر صادق کا کوئی غلام اسے جائز متصور نہیں کر سکتا۔ محبان اہل بیت غلامانِ آلِ رسول اس کو زنا اور بدکاری کے زمرہ میں ہی شمار کرتے ہیں۔ اور شمار کریں گے۔

دلیل چہارم۔ الاستبصار

عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اٰبَائِهِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَنِكَاحَ الْمُتْعَةِ۔

(۱۔ الاستبصار جلد سوم مطبوعہ تہران
طبع جدید ابواب المتعہ ص ۱۴۲)
(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ مطبوعہ تہران
طبع جدید باب تفصیل احکام
النکاح ص ۲۵۱)

ترجمہ:

زید بن علی اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو

پالتو گدھوں کا گوشت کھانا اور نکاح متعہ حرام کر دیا ہے۔

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعہ کی حرمت کو واضح اور صریح الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ جس کی وجہ سے کوئی تاویل نہیں ہو سکتی لیکن اس صراحت و وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شیعہ اس کی یہ تاویل کرے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا از روئے تقیہ ہے۔ تو ہم عرض کریں گے۔ کہ ایسا کہنے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتہا درجہ کا بزدل سمجھتا ہے۔ اور آپ کے اس خطبہ کی قطعاً خبر نہیں رکھتا۔

جس میں آپ نے فرمایا۔

نہج البلاغہ

اگر میرے مقابلہ میں تمام عرب بھی آ جائے۔ تو میں ان کو پشت نہیں دکھاؤں گا۔ بلکہ میں ان کی گردن اتارنے میں حتی الامکان جلدی کروں گا۔ تاکہ میں زمین کو برے لوگوں سے پاک کر دوں۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۴۵

طبع جدید چھوٹا سائز ص ۴۱۸)

جب شیعہ لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ کہ جس طرح شریعت کے قوانین کا بانی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اسی طرح ائمہ اہل بیت بھی بانیان شریعت ہیں تو ان کے اس عقیدہ کے بعد میں ان سے پوچھتا ہوں۔ اگر شریعت کا بانی ہی احکام شرعیہ کو بیان کرنے میں تقیہ کا سہارا لینا شروع کر دے۔ تو پھر کس در سے احکام شرعیہ صحیح طور پر معلوم ہو سکیں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقیہ کا الزام ہی نہیں بلکہ

اتہام ہے۔ اور مولائے کائنات کی شان میں ان نام نہاد محبان اہل بیت کی ناقابل معافی گستاخی ہے۔

دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تادم آخر اپنا، اپنے رسول اور ان کی آل پاک کا خادم و غلام رکھے۔ اور ان کے افعال و اقوال پر عمل پیرا ہو کر اخروی سرخروئی سے سرفراز فرمائے۔
آمین ثم آمین۔

مسلک شیعہ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کہ وہ فعل جس کا بے حیائی اور بے غیرتی سے خواہ تھوڑا بہت ہی تعلق کیوں نہ ہو۔ اس کے حلال و جائز کرنے میں اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے میں انہیں بہت زیادہ دلچسپی رہتی ہے۔ اسی دلچسپی کا نمونہ آپ گزشتہ اوراق میں متعہ کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔ وہ فعل جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت نے حرام و ناجائز قرار دیا۔ اسے جائز و حلال کرنے کے لیے انہوں نے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے۔ اور کیسی کیسی غلط در رکیک تاویلات کا سہارا لے کر اپنی بات کو منوانے کی کوشش کی۔ ان کی یہ روش صرف متعہ تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہر بے حیا اور حرام فعل سے انہیں دلی لگاؤ ہے اپنی لذت برآری اور اغراض ہی کی خاطر ائمہ اہل بیت کو ملحوظ نہ رکھا۔ ہم اس سلسلہ میں انہی کی کتب سے اسی موضوع پر بطور نمونہ چند حوالہ جات پیش کر رہے ہیں۔

عورت کی شرمگاہ اُدھار دینی جائز ہے

فروع کافی

عَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ الْبَقْبَاقِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ عَنْ عَارِيَةِ الْفَرْجِ فَقَالَ حَرَامٌ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا ثُمَّ قَالَ لٰكِنْ لَا بَأْسَ بِاَنْ يُّحِلَّ الرَّجُلُ الْجَارِيَةَ لِاَخِيْهِ۔

(۱- فروع کافی جلد پنجم ص ۴۷۰ کتاب النکاح باب الرجل یحل جاریتہ لاخیہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲- استبصار جلد سوم ص ۱۴۱ باب حکم ولد الجاریۃ المحللۃ طبع جدید۔ تہران)

ترجمہ:

ابو عباس بقباق روایت کرتا ہے۔ کہ کسی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عورت کی شرمگاہ کو اُدھار پر لینے دینے کے بارے میں پوچھا

تو فرمایا۔ حرام ہے۔ پھر کچھ دیر توقف کے بعد ارشاد فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے اپنی لونڈی کو حلال کر دے۔ تو کوئی حرج نہیں۔

اس موقع پر اگر ایک بات ذکر کر دوں۔ تو شاید نامناسب نہ ہو گی۔ شیعہ حضرات حرمت متعہ کے بارے میں اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و جائز کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسے منع کرنے والے کون ہیں؟ انہیں کس نے یہ حق دیا؟ میں بھی یہی سوال اب شیعہ حضرات سے کرتا ہوں۔ کہ تمہاری کتابوں میں مذکورہ بالا حدیث میں جو اپنے بھائی کی تسکین کی خاطر لونڈی (کی شرمگاہ) کو ادھار دینا لکھا ہے۔ اور حلال کہا ہے۔ اس کے حلال کرنے کی کس نے اجازت دی ہے؟ جبکہ قرآن پاک میں صرف دو قسم کی عورتوں کو حلال قرار دیا گیا۔ جس کا تفصیلی ذکر پچھلے اوراق میں ہو چکا ہے۔ تو کسی عورت کی شرمگاہ ادھار کے طور پر کسی کو دینا اور اسے حلال سمجھنا کیا دین میں دخل اندازی نہیں؟ لیکن شیعہ حضرات کو اس کی کیا پرواہ۔ انہوں نے تو اپنی شہوت کو پورا کرنے اور بے حیائی کو فروغ دینے کی ٹھان رکھی ہے۔ یہ جیسے بھی ہو سکے۔ اس کی پرواہ نہیں۔

(لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

عورت سے لواطت بھی جائز ہے

الاستبصار

قَالَ قُلْتُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّأْتِيَ اِمْرَأَتَهُ فِيْ دُبُرِهَا قَالَ نَعَمْ ذَالِكَ قَالَ قُلْتُ وَ اَنْتَ تَفْعَلُ ذَالِكَ قَالَ لَا اِنَّا لَا نَفْعَلُ ذَالِكَ۔

(الاستبصار مصنفہ ابی جعفر طوسی شیعی جلد ۳
ص ۲۴۲ فی اتیان النساء فیما دون
الفرج مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

صفوان کہتا ہے۔ میں نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ اس کی دُبر میں وطی کرتا ہے۔ (تو اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا۔ ہاں! ایسا درست ہے۔ سائل نے پوچھا۔ یا حضرت! آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ فرمایا ہم ایسا نہیں کرتے۔

فروع کافی وغیرہ

عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ صَفْوَانَ بْنَ يَحْيٰى يَقُوْلُ لِلرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَجُلًا مِنْ مَوَالِيْكَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَسْأَلَكَ عَنْ مَسْأَلَةٍ

هَا بِكَ وَاسْتَحْيِي مِنْكَ اَنْ يَسْئَلَكَ قَالَ وَمَا هِيَ ؟ قُلْتُ الرَّجُلُ يَأْتِي اِمْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا قَالَ ذَالِكَ لَهُ قَالَ قُلْتُ فَاَنْتَ تَفْعَلُ؟ قَالَ اِنَّا لَا نَفْعَلُ ذَالِكَ۔

(۱۔ فروع کافی جلد پنجم ص ۵۴۰ کتاب النکاح باب محاش النساء مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۱۵ فی السنۃ فی عقود النکاح و زفاف النساء و اداب الخلوۃ و الجماع مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:

علی بن حکم کہتا ہے۔ میں نے صفوان بن یحییٰ سے سنا۔ انہوں نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ آپ کے غلاموں میں سے ایک نے مجھ سے کہا ہے۔ کہ امام موصوف سے ایک مسئلہ پوچھنے میں مجھے کچھ جھجک سی آتی ہے۔ لہٰذا تم دریافت کرکے مجھے بتانا۔ امام موصوف نے پوچھا۔ وہ مسئلہ کیا ہے۔ کہا کہ ایک شخص اگر اپنی عورت کی دُبر میں وطی کرتا ہے۔ (تو اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا۔ یہ اس کا حق ہے۔ (جائز ہے) میں نے پوچھا۔ آپ بھی ایسا شغل کرتے ہیں؟ کہنے لگے۔ ہم ایسا نہیں کرتے۔

تہذیب الاحکام

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ یَعْفُوْرَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ یَأْتِی الْمَرْأَۃَ فِیْ دُبُرِھَا قَالَ لَا بَأْسَ اِذَا رَضِیَتْ

(تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۴۱۴،
فی السنۃ فی عقد النکاح الخ
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عبداللہ بن ابی یعفور کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ایسے شخص کے متعلق پوچھا۔ جو اپنی عورت کی دُبر میں وطی کرتا ہے۔ فرمایا۔ جب عورت راضی ہو۔ تو کوئی گناہ نہیں۔

روایات مذکورہ میں آپ نے غور کیا۔ کہ کس قدر بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ ہوا ہے۔ اور پھر ڈھٹائی یہ کہ اس بے غیرتی کو ایک ایسے عظیم انسان کی طرف منسوب کیا گیا۔ جن کی عمر ہی تقوای اور شرم وحیاء کی آئینہ دار تھی۔ پھر اس پر بھی ظالموں نے بس نہ کی۔ بلکہ امام رضا رضی اللہ عنہ سے ان کی اپنی زوجہ کے بارے میں بھی سوال کر بیٹھے۔ یا حضرت! کبھی آپ نے بھی یہ شغل فرمایا ہے؟ (معاذ اللہ)۔ تو آپ نے جوابًا فرمایا۔ ہم ایسا نہیں کرتے۔

فروع کافی

عَنْ عَمَّارِ بْنِ مَرْوَانَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

قَالَ قُلْتُ لَهُ رَجُلٌ جَآءَ اِلَى امْرَأَةٍ فَسَأَلَهَا اَنْ تُزَوِّجَهُ نَفْسَهَا فَقَالَتْ اُزَوِّجُكَ نَفْسِيْ عَلٰى اَنْ تَلْتَمِسَ مِنِّيْ مَاشِئْتَ مِنْ نَظَرٍ اَوِ الْتِمَاسٍ وَتَنَالَ مِنِّيْ مَايَنَالُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِهٖ اِلَّا اِنَّكَ لَا تُدْخِلُ فَرْجَكَ فِيْ فَرْجِيْ وَتَتَلَذَّذُ بِمَا شِئْتَ فَاِنِّيْ اَخَافُ الْفَضِيْحَةَ قَالَ لَيْسَ لَهُ اِلَّا مَا اشْتَرَطَ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۶۷ کتاب النکاح
باب النوادر مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عمار بن مروان سے روایت ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا کہ وہ ایک عورت کے پاس گیا۔ اور اس سے شادی کی درخواست کی۔ عورت کہنے لگی۔ میں اس شرط پر تجھ سے شادی کروں گی۔ کہ نظر اور ہاتھ کے ذریعے تو مجھ سے جو چاہے کر لے۔ اور اس طرح بھی تو مجھ سے وہی کچھ پائے گا۔ جو کسی مرد کو اپنی عورت سے ہم بستری کرنے سے ملتا ہے۔ لیکن تو اپنی شرمگاہ میری شرمگاہ میں داخل نہیں کرے گا۔ اور اپنی خواہش کے مطابق لطف اندوز ہوگا۔ کیونکہ (صحیح وطی کرنے کی صورت میں) مجھے رسوائی کا خطرہ ہے۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعات و شرائط سن کر فرمایا۔ اس مرد کو باندھی گئی شرائط کی پابندی لازم ہے۔

حاصل کلام:

روایت مذکورہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

نے بقول شیعہ وطی فی الدبر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ جب عورت مذکورہ نے یہ شرط لگائی۔ کہ شرمگاہ سے شرمگاہ نہیں ملے گی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ کر لطف میں کمی نہ آئے گی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ شرمگاہ سے شرمگاہ نہ ملنے سے جو اُسے رسوائی کا خطرہ تھا۔ وہ اولاد کا ہو جانا تھا۔ کہ کہیں صحیح وطی کرنے سے استقرارِ حمل ہو گیا۔ اور بعد میں اولاد ہو گئی۔ تو لوگ کیا کہیں گے۔ جب فرج کا فرج سے چھونا ممنوع ٹھہرا۔ تو پورا مزہ لینے کے لیے عورت کی دُبر ہی باقی رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ قوم لوط کے رویّہ سے ثابت ہے۔

لیکن یاد رہے۔ کہ یہ مکروہ اور غیر مہذب فعل شیعہ حضرات کی اپنی پسند ہے۔ لیکن اسے مستند ثابت کرنے کے لیے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے پیش کیا۔ کیونکہ اس طریقہ کے بغیر دنیا انہیں جوتے مارتی۔ اب امام موصوف کی گردن پر بوجھ ڈالا۔ حالانکہ ان کے خواب و خیال میں بھی ایسی حرام کاری نہ آئی ہو گی۔ وہ تو دنیا سے پاکیزہ زندگی بسر کر کے اللہ کے ہاں سرخرو ہو گئے۔ اب یہ منحوس اور ہوس پرست ان کے نام سے اپنا کام نکال رہے ہیں۔ حضرات اہل بیت اور ائمہ کرام اس قسم کے واہی تباہی افعال سے پاک و صاف تھے۔ کہاں امام صاحب اور کہاں یہ خبیث فعل؟ شیعوں نے کیسی کیسی خباثتوں کو طیب و طاہر ائمہ کرام سے منسوب کر کے اپنے لیے دوزخ میں بکنگ کرائی ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات کو اس قسم کے حرام اور بے حیا افعال سے گہری دلچسپی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو قرآن حکیم کے اس ارشاد سے ضرور سبق سیکھتے اللہ رب العزت صاف صاف فرماتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں۔ تم اپنی کھیتی کو جس طرف سے چاہو۔ آؤ۔ یعنی مباشرت کی کیفیت پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن مقام مباشرت مخصوص ہے۔ یعنی جہاں سے

اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرماتا ہے۔ اور وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ اللہ نے جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا۔ اُسے تلاش کرو یعنی اولاد کی خاطر اپنی عورت سے ہم بستری کرو اگر مقصد اولاد ہو۔ تو یہ وطی فی الدبر سے کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے ؟

لیکن شیعہ حضرات کو قرآن سے کیا تعلق ؟ بس ان کی ہوسِ نفس اور شہوت فرج کسی نہ کسی طرح پوری ہونی چاہیئے۔ اور اگر یہ میسر آجائے۔ تو زہے قسمت۔ بلکہ معاملہ اس حد تک بڑھاتے ہیں۔ کہ اس حیوانی طریقۂ وطی کے بعد بعض صورتوں میں غسل کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ مسئلہ سنیئے۔

فروع کافی

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا اَتَی الرَّجُلُ الْمَرْاَۃَ فِیْ دُبُرِهَا فَلَمْ یُنْزِلْ فَلَا غُسْلَ عَلَیْهِمَا وَاِنْ اَنْزَلَ فَعَلَیْهِ الْغُسْلُ وَلَا غُسْلَ عَلَیْهَا۔

(فروع کافی جلد سوم ص ۴۷ کتاب الطہارۃ
باب ما یوجب الغسل علی الرجل
والمرأۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ پچھلی طرف (یعنی اس کی دُبر میں) وطی کرے اور اسے انزال نہ ہو۔ تو اس صورت میں دونوں پر کوئی غسل نہیں۔ اور اگر انزال ہو جائے۔ تو مرد پر غسل ہے۔ عورت کو غسل کی ضرورت نہیں۔

اب آپ حضرات اندازہ لگائیں۔ کہ اہل تشیع کو افعال مذمومہ اور بے حیا کاموں سے کتنی دلچسپی ہے۔ اور حوالہ بھی ان کی ایسی کتاب سے پیش کیا گیا۔ جو ان کے ہاں اصح الکتب ہے۔ اور پھر ظلم کی حد کر دی گئی ہے۔ کہ اس شہوت پرستی اور حرام کاری کو سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور یہ اسی طرح من گھڑت روایت کا سہارا لے کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ امام موصوف کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ایک حیلہ ہے۔ اگر اس پر کاربند ہو گے۔ تو مزے کا مزہ اور غسل سے نجات وہ اس طرح کہ عورت کے ساتھ اس کے پچھلے مقام میں وطی کرو۔ اور جب منی خارج (انزال) ہونے لگے۔ تو مادہ منویہ کو اس کی دبر سے باہر خارج کر دو۔ اس حکمت بھرے طریقہ سے مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ اور غسل کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔ نہ مرد کو اور نہ عورت کو قطعاً غسل کی کوئی ضرورت ہے۔ اس طریقہ سے زندگی مزے سے گزرے گی۔ اور خاص کر موسم سرما میں ٹھنڈے پانی سے نہانے کا عذاب بھی ٹل جائے گا۔ سبحان اللہ! مذہب شیعہ کس قدر مہذب اور پاکیزہ مسائل اور کیسے سلجھے ہوئے افعال پیش کرتا ہے۔

ہینگ لگے نہ پھٹکڑی رنگ بھی چوکھا چڑھے

بوقت ضرورت "زنا" بھی نکاح صحیح ہوتا ہے

فروع کافی

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاَۃٌ اِلٰی عُمَرَ فَقَالَتْ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَطَھِّرْنِیْ فَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُرْجَمَ فَاُخْبِرَ بِذَالِكَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ کَیْفَ زَنَیْتِ فَقَالَتْ مَرَرْتُ بِالْبَادِیَۃِ فَاَصَابَنِیْ

عَطَشٌ شَدِيدٌ فَاسْتَسْقَيْتُ اِعْرَابِيًّا فَاَبٰى اَنْ يَسْقِيَنِي اِلَّا اَنْ اُمَكِّنَهُ مِنْ نَفْسِي فَلَمَّا اَجْهَدَنِي الْعَطَشُ وَخِفْتُ عَلٰى نَفْسِي سَقَانِي فَاَمْكَنْتُهُ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَزْوِيْجٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۶۷ کتاب النکاح،
باب النوادر مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک عورت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی۔ میں نے زنا کر لیا ہے لہذا مجھے (اس گناہ کی سزا دے کر) پاک فرمائیے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے رجم کا حکم سُنایا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ تو آپ نے اُس عورت سے پوچھا۔ تو نے زنا کیونکر کیا؟ کہنے لگی۔ ایک گاؤں میں سے میرا گزر ہوا۔ اور پیاس کی شدت کی بنا پر ایک اعرابی سے پانی مانگا۔ لیکن اُس نے کہا۔ کہ میں تمہیں پانی تب دوں گا۔ جب تم مجھے اپنے نفس پر اختیار دو۔ لیکن جب پیاس کی شدت سے میں نے مرجانے کے آثار دیکھے۔ تو میں نے وہ شرط قبول کر لی۔ اور اُس نے مجھے پانی دیا۔ پھر اُس نے شرط مجھ سے پوری کی۔ (یعنی وطی کی) یہ سُن کر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ نکاح ہے۔ زنا نہیں۔

بے حیائی کی حد ہو گئی

ناظرین کرام اس واقعہ پر غور فرمائیں متعہ کی بے حیائی تو واضح تھی ہی۔ یہ واقعہ اس بے حیائی کو بھی میلوں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ کیونکہ متعہ میں تو عقد کرتے وقت "استمتع" یا "تمتع" اور ان سے ملتے جلتے مفہوم والے الفاظ کہنے پڑتے ہیں۔ اور ایجاب و قبول کی شرط کسی طور تھی۔ لیکن اب اس کی بھی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور جب چاہو کسی شریف عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا لو۔ کوئی گناہ نہیں یہ مسئلہ مذکورہ میں اگرچہ عورت مجبور تھی۔ لیکن اس سے بدکاری کا مرتکب اعرابی تو بے بس نہ تھا۔ اس نے پیاسی عورت کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے بدکاری کی۔ اور پھر ان پر خدا کا غضب یہ کہ جنہوں نے ایسا کرنا "نکاح صحیح" قرار دے دیا۔ اور اس کی توثیق و تصدیق کے لیے ان ناہنجاروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام استعمال کیا۔ اور وہ بھی موکد بقسم ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہوئے منسوب کیے "رب کعبہ کی قسم! یہ زنا نہیں بلکہ نکاح ہے"

اس سے ثابت ہوا۔ کہ جس طرح کسی عورت کی بے بسی اور مجبوری میں اس سے زنا کرنا "نکاح" ہوا۔ اسی طرح بالجبر کسی عورت سے ہوس نفس پورا کرتی بھی "نکاح" ہی ہو گی۔ کیونکہ جبر و اکراہ میں بھی بے بسی اور مجبوری ہو جاتی ہے۔ مجبوری کے عالم میں کی گئی بدکاری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق نکاح ٹھہری۔ تو اب اگر کوئی شخص شیعہ عورت سے بجبر و اکراہ اور اس کی بے بسی کے عالم میں زنا کر بیٹھے۔ اور پھر یہی حوالہ پیش کر کے نکاح ثابت کر دے۔ تو ایسے شخص کے اس فعل پر شیعہ حضرات کو ناراض ہونے اور اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں

ہونی چاہیے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِى الْاَبْصَار

فروع کافی

عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنِ الدَّلْكِ قَالَ نَاكِحُ نَفْسِهٖ لَا شَيْئَ عَلَيْهِ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۵۴۰ کتاب النکاح
باب الخضخضۃ و نکاح البھیمۃ
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابن اعین کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے "مشت زنی" کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے والا اپنے ہاتھ سے اپنی منی نکال کر لطف اندوز ہو رہا ہے۔ (گویا) اس نے اپنے نفس سے نکاح کر کے ایسا کیا ہے۔

ایک طرف یہ قول اور دوسری طرف اس موضوع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنیئے۔ فرمایا۔ نَاکِحُ الْیَدِ مَلْعُوْنٌ۔

(یعنی "مشت زنی" لعنتی ہے۔ ایک لعنتی کو اگر شیعہ حضرات لعنتی نہیں مانتے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ انہیں تو اپنا مقصد محبوب ہے۔ اور جہاں تک نفس پرستی کی بات ہے وہ تو ان کے ہاتھ میں ہی ہے۔ آخر کہاں جائے گا۔

ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔ کہ ایک فعل کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملعون کہیں۔ اور اسی فعل کے مرتکب کو شیعہ حضرات اپنے فتویٰ کے ساتھ زمرِ گوشہ سے دیکھیں۔ اور بڑا جرم تو کجا اُسے معمولی جرم بھی نہ گردانیں تو اندریں حالات "حق" کس جانب ہوگا۔ اور بے حیائی اور شہوت پرستی کس کے پلڑے میں پڑے گی؟ اور پھر اس پر ظلم یہ کہ اس خبیث بات کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا کس قدر ڈھٹائی اور بے ایمانی کا مظاہرہ ہے۔ (غور کا مقام ہے)

پھوپھی کی رضامندی سے بھتیجی اور خالہ کی رضامندی سے بھانجی سے نکاح درست ہے

فروع کافی:

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃِ الْحَذَّاءِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَا تُنْکَحُ الْمَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِہَا وَلَا خَالَتِہَا اِلَّا بِاِذْنِ الْعَمَّۃِ وَالْخَالَۃِ

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۲۵ کتاب النکاح باب المرأۃ تزوج علی عمتہا او خالتہا مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابو عبیدہ حذاء کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو کہتے سُنا۔ کہ کوئی شخص کسی عورت کی پھوپھی اور خالہ سے ان کی مرضی کے بغیر اُن کی بھتیجی اور بھانجی سے شادی نہ کرے۔ (یعنی اگر ایک مرد کے نکاح میں کسی عورت کی پھوپھی یا خالہ ہے۔ اور وہ اس کے نکاح میں ہوتے اُسی عورت کی بھتیجی یا بھانجی سے بھی شادی کرنا چاہے۔ تو یہ شادی ایک شرط کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ پھوپھی یا خالہ بھی اس کی اجازت دے دے۔

اس حدیث کے الفاظ کو دیکھئے۔ صراحت کے ساتھ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی دونوں بیک وقت کسی کے نکاح میں آسکتی ہیں۔ اور اس میں کوئی عیب نہیں جبکہ پھوپھی اور خالہ اس نکاح میں راضی ہوں۔ حالانکہ تمام مکاتبِ فقہ میں یہ قانون مسلّم ہے کہ ہر وہ دو عورتیں جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے۔ تو دونوں کا باہمی عقد شرعاً درست ہو تو ایسی دو عورتوں کو کوئی مرد اپنے نکاح میں بیک وقت جمع کر سکتا ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک کو مرد تسلیم کرنے پر ان کا باہمی نکاح منعقد ہونا از روئے شرع ناجائز ہو۔ تو ایسی دو عورتیں بیک وقت کسی کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس متفقہ قانون کی مذکور مسئلہ پر تطبیق کریں۔ تو یہ نکاح ناجائز ٹھہرتا ہے لہٰذا اہل تشیع کے ذکر شدہ مسئلہ کے مطابق دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوئیں۔

۱۔ ماموں کا بھانجی کے ساتھ اور چچا کا بھتیجی کے ساتھ نکاح درست ہے۔

۲۔ بھانجے کا خالہ کے ساتھ اور بھتیجے کا پھوپھی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

اب قرآن پاک کی اس بارے میں وضاحت اور نص صریح ملاحظہ فرمائیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ

وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ۔

(پ ۴ آخری رکوع)

ترجمہ:

تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں حرام کر دی گئی ہیں۔ اور بھتیجیاں اور بھانجیاں بھی حرام کر دی گئی ہیں۔ (یعنی مذکورہ عورتوں سے شادی حرام ہے)

یہ تھا قرآن کا فیصلہ۔ لیکن جہاں مقصد شہوت رانی اور بے حیائی کا فروغ ہو۔ وہاں قرآن کریم کی نص قطعی کی پرواہ کی کیا ضرورت ہے؟ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ پھوپھی اور خالہ راضی ہوں۔ بس پھر بھتیجی اور بھانجی سے مطلب برآری کیوں ناجائز ٹھہرتی ہے؟ جب جانبین راضی تو اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کی کیا ضرورت ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیعہ حضرات کے نزدیک حرام کاری اور خواہشات نفس کی تکمیل قرآنی احکامات سے کہیں بلند و بالا ہے۔ اور قابل ترجیح ہے۔ اس کی جھلک آپ گزشتہ اوراق میں بہت سے حوالہ جات سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

(فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ)

فروع کافی

اَلَّذِیْ یَتَزَوَّجُ ذَوَاتَ الْمَحَارِمِ الَّتِیْ ذَکَرَ
اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ کِتَابِہٖ تَحْرِیْمَہَا
فِی الْقُرْاٰنِ مِنَ الْاُمَّہَاتِ وَالْبَنَاتِ اِلٰی اٰخِرِ
الْاٰیَۃِ کُلُّ ذٰلِکَ حَلَالٌ فِیْ جِہَۃِ التَّزْوِیْجِ
حَرَامٌ مِّنْ جِہَۃِ مَا نَہَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَالَّذِیْ
یَتَزَوَّجُ وَہُوَ مُحْرِمٌ فَہٰؤُلَآءِ کُلُّہُمْ تَزْوِیْجُہُمْ
مِنْ جِہَۃِ التَّزْوِیْجِ حَلَالٌ حَرَامٌ فَاسِدٌ
مِّنَ الْوَجْہِ الْاٰخَرِ لِاَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ
یَتَزَوَّجَ اِلَّا مِنَ الْوَجْہِ الَّذِیْ اَمَرَ اللّٰہُ عَزَّ وَ
جَلَّ فَلِذٰلِکَ صَارَ سِفَاحًا مَرْدُوْدًا ذٰلِکَ
کُلُّہٗ غَیْرُ جَائِزِ الْمُقَامِ عَلَیْہِ وَلَا ثَابِتَ لَہُمُ التَّزْوِیْجُ
بَلْ یُفَرِّقُ الْاِمَامُ بَیْنَہُمْ وَلَا یَکُوْنُ

نِكَاحُهُمْ زِنًا وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنْ هٰذَا الْوَجْهِ اَوْلَادُ الزِّنَاءِ وَمَنْ قَذَفَ الْمَوْلُوْدَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ وُلِدُوْا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ جُلِّدَ الْحَدَّ لِاَنَّهٗ مَوْلُوْدٌ بِتَزْوِيْجٍ رُشْدَةٍ وَاِنْ كَانَ مُفْسِدًا لَهٗ بِجِهَةٍ مِّنَ الْجِهَاتِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْوَلَدُ مَنْسُوْبٌ اِلَى الْاَبِ مَوْلُوْدٌ بِتَزْوِيْجٍ رُشْدَةٍ عَلٰى نِكَاحِ مِلَّةٍ مِّنَ الْمِلَلِ خَارِجٌ مِّنَ الْحَدِّ الزِّنَاءِ وَلٰكِنَّهٗ مُعَاقَبٌ عُقُوْبَةَ الْفُرْقَةِ ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۵۷۱ تا ۵۷۲ کتاب النکاح باب تفسیر ما یحل من النکاح و ما یحرم الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جو شخص ان محرمات سے نکاح کرتا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نکاح کرنا حرام فرما دیا۔ مثلاً مائیں، بیٹیاں وغیرہ یہ سب عورتیں باعتبار نکاح کر لینے کے حلال ہیں۔ اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے نکاح حرام فرمایا۔ حرام ہیں۔ اور جو شخص ان سے شادی کرتا ہے۔ تو یہ سب باعتبار نکاح میں لانے کے حلال ہیں۔ ان میں حرمت اور فساد دوسری وجہ سے ہے۔ وہ اس لیے کہ ان سے شادی کرنے والے کو چاہیئے یہ تھا۔ کہ وہ اس طرح (ان عورتوں سے) شادی کرتا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی اس مخالفت

کی وجہ سے ایسا کرنے والا سفاح اور مردود ہے۔ لہذا اس کا یہ نکاح تادیر باقی نہیں رکھا جائے گا۔ اور نہ اُسے اس نکاح پر ثابت رہنے دیا جائے گا۔ بلکہ امام وقت ان کے درمیان فوراً جدائی کا حکم دے گا۔ لیکن ان کا یہ نکاح زنا نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی اس نکاح سے پیدا شدہ اولاد حرامی ہوگی۔ اور جس نے اس طرح پیدا ہونے والے کسی بچہ کی والدہ پر بدکاری (زنا) کی تہمت لگائی اُس پر کوڑوں کی حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ بچے ایک صحیح اور قابل تسلیم نکاح کے بعد پیدا ہوئے۔ اگرچہ حرام ہونے کی وجہ سے ان میں کچھ فساد آگیا ہے۔ یہ بچہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوگا۔ جو صحیح نکاح سے پیدا ہوا۔ الغرض مذاہب میں سے ہر مذہب کے مطابق یہ نکاح درست قرار پائے گا۔ اور زناء کی تعریف سے خارج ہوگا۔ لیکن اس طرح دونوں میاں بیوی بننے والوں کو جدائی کی سزا دی جائے گی۔

دُنیا میں کوئی عورت حرام نہیں ہے

اس روایت میں تو اہل تشیع نے عیاشی، بدکاری اور خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کی حد کر دی۔ اس روایت کے پڑھنے سے پہلے ہی خیال آتا تھا۔ کہ ان لوگوں نے متعہ معروفہ کی صورت میں اپنی شہوت کی آگ بجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس بارے میں یہ خیال بھی آتا تھا۔ کہ عین ممکن ہے۔ کہ ایک عورت سے کسی نے متعہ کیا۔ اور شومیٔ قسمت کہ اس کا حمل ٹھہر گیا۔ اور اتفاق سے اس نے لڑکی جنی۔ پندرہ بیس سال کے بعد چلتے چلاتے پھر اسی لڑکی کے والد گرامی کو ثواب

لوٹنے کی ٹھانی ہو۔ اور وہ جنتی ہونے کی کوشش میں اس لڑکی سے متعہ کرے۔ تو ایسے احتمالات کی موجودگی کا سوچ کر انسانی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ تو صورتِ متعہ میں احتمال تھا۔ روایت مذکورہ کو پڑھ کر تو پاؤں سے زمین سرکنے لگی۔ وہاں اپنی لڑکی کے ساتھ وطی کا احتمال تھا۔ اور یہاں تو ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ محرمات سے نکاح کو درست قرار دے دیا۔ جب اپنی اِن رشتہ کی حقیقی عورتوں سے نکاح کے جواز کا فتوای دیا جا رہا ہے۔ تو متعہ سے پیدا ہونے والی لڑکی بہرحال سگی لڑکی سے رشتہ کے اعتبار سے کہیں کم ہے۔ اس سے وطی بطریقہ اولی جائز ہو گی۔ پھر نہلے پہ دہلا یہ کہ اس طرح ماں، بیٹی اور بہن کے ساتھ وطی کے بعد اگر استقرار حمل ہو گیا۔ اور بعد میں بچہ، بچی آ دھمکا۔ تو اُسے حرامی نہیں کہا جائے گا۔ اور جو اس نومولود کو حرامی کہے گا اس پر حد جاری ہو گی۔ اُسے کوڑے مارے جائیں گے۔ جس کا کھلم کھلا یہ مطلب ہوا کہ شیعہ حضرات کے نزدیک دنیا میں کوئی عورت حرام نہیں۔ ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات تک کو بھی نکاح میں دیا جا سکتا ہے۔ ایک چھوڑ دو چار چار محرمات بیک وقت ہوس کی تسکین کا ذریعہ بنائی جا سکتی ہیں۔ ہزاروں عورتوں سے، بیک وقت عقدِ متعہ کر کے جشنِ بہاراں منایا جا سکتا ہے۔ اور اگر فرج فارغ نہ ہو تو دُبر سے قوم لوط کی سنت زندہ کرنی جائز ہے۔ کچھ نہ ملے۔ تو اپنے ہاتھ سے شہوانی لذت کا موقعہ حاصل کرنا بھی کوئی معیوب نہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ الخ

شرمگاہ کے ذکر سے لطف اندوزی

فروع کافی

رُوِیَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ الدَّابِقِیِّ قَالَ دَخَلْتُ حَمَّامًا بِالْمَدِیْنَۃِ فَإِذَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ وَّھُوَ قَیِّمُ الْحَمَّامِ فَقُلْتُ لَہٗ یَا شَیْخُ لِمَنْ ھٰذَا الْحَمَّامُ؟ فَقَالَ لِأَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ فَقُلْتُ کَانَ یَدْخُلُہٗ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ کَیْفَ کَانَ یَصْنَعُ قَالَ کَانَ یَدْخُلُ فَیَبْدَأُ فَیَطْلِیْ عَانَتَہٗ وَمَا یَلِیْھَا ثُمَّ یَلُفُّ إِزَارَہٗ عَلٰی طَرَفِ إِحْلِیْلِہٖ وَیَدْعُوْنِیْ فَأَطْلِیْ عَلٰی سَائِرِ جَسَدِہٖ فَقُلْتُ لَہٗ یَوْمًا مِّنَ الْأَیَّامِ الَّذِیْ تَکْرَہٗ أَنْ أَرَاہُ قَدْ رَأَیْتُہٗ قَالَ کَلَّا إِنَّ النُّوْرَۃَ سُتْرَۃٌ۔

(۱۔ فروع کافی جلد ششم ص ۴۹۷ کتاب الزی والتجمل مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۴۴ فی آداب الحمام مطبوعہ لکھنو طبع قدیم ۔ طبع جدید جلد اول ص ۶۵ مطبوعہ تہران غسل جمعہ)

ترجمہ:

عبید اللہ الرافقی سے روایت ہے۔ کہ میں ایک مرتبہ مدینے ایک حمام میں داخل ہوا۔ اچانک اس حمام کا نگران میرے سامنے آیا۔ میں نے پوچھا۔ اے شیخ! یہ حمام کس کا ہے؟ کہنے لگا۔ کہ یہ حمام امام باقر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ میں نے پھر پوچھا۔ کیا وہ خود اس حمام میں تشریف لاتے ہیں؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ میں نے پوچھا۔ وہ یہاں کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگا؟ وہ یہاں آکر پہلے اپنے آلۂ تناسل اور اس کے اردگرد زیر ناف بالوں (کو صاف کرنے کے لیے) چونا لگاتے ہیں۔ پھر کپڑے کی ایک پٹی آلۂ تناسل پر لپیٹ کر مجھے بلاتے ہیں۔ میں بقیہ تمام بدن پر لیپ کرتا ہوں۔ میں نے ایک دن امام سے پوچھا۔ کہ جس چیز (آلۂ تناسل اور غلیظ شرمگاہ) کو آپ خود دیکھنا اچھا نہیں سمجھتے۔ میں اُسے حالتِ لیپ میں دیکھ لیتا ہوں۔ فرمایا۔ چونا لگا ہوا ہونا اس کے پردہ کے لیے کافی ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ

وَمَنْ اَطْلٰی فَلَا بَأْسَ اَنْ یُلْقِیَ السِّتْرَ عَنْہُ لِاَنَّ النُّوْرَۃَ سِتْرَۃٌ۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۶۵ فی غسل الجمعۃ وآداب الحمام مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جس نے اپنی شرمگاہ پر چونا لگایا۔ تو اسے پردہ کا کپڑا اُتار

دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ چونا ہی اس کا ستر ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ

فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْحَمَّامِ سَأَلْنَا عَنِ الرَّجُلِ فِي الْمَسْلَخِ فَإِذَا هُوَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَمَعَهُ ابْنُهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَفِي هٰذَا الْخَبَرِ إِطْلَاقٌ لِلْإِمَامِ أَنْ يَدْخُلَ وَلَدَهُ مَعَهُ الْحَمَّامَ دُونَ مَنْ لَيْسَ بِإِمَامٍ وَذٰلِكَ أَنَّ الْإِمَامَ مَعْصُومٌ فِي صِغَرِهٖ وَكِبَرِهٖ لَا يَقَعُ مِنْهُ النَّظَرُ إِلٰى عَوْرَةٍ فِي الْحَمَّامِ وَلَا غَيْرِهٖ۔

(۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص ۲۵ فی آداب الحمام و النورۃ مطبوعہ لکھنؤ طبع قدیم)

(۲۔ " " جلد اول ص ۶۴ فی غسل الجمعۃ و آداب الحمام مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

راوی کہتا ہے۔ جب ہم حمام سے نکلے۔ تو ہم نے غسل خانے میں موجود آدمی کے بارے میں پوچھا۔ کہ وہ کون ہے۔ اچانک پتہ چلا کہ وہ جناب علی بن حسین ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے محمد بن علی بھی تھے۔

اس خبر میں امام کے لیے اس بات کی اجازت ہے۔ کہ وہ حمام میں اپنے ساتھ بیٹے کو بھی لے جا سکتا ہے۔ اور (باوجود ناجائز ہونے کے صرف امام کے لیے) یہ اس لیے جائز ہے۔ کیونکہ امام عمر کے ہر حصہ میں معصوم ہوتا ہے۔ چاہے بچپن ہو یا بڑھاپا۔ لہذا معصوم سے یہ توقع نہیں ہو سکتی۔ کہ اس کی نظر کسی شخص کی شرمگاہ کی طرف حمام یا دوسری جگہ میں پڑے۔

فروع کافی

عَنْ بَعْضِ مَنْ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقُولُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِئْزَرٍ قَالَ فَدَخَلَ ذَاتَ يَوْمٍ الْحَمَّامَ فَتَنَوَّرَ فَلَمَّا اَنْ اَطْبَقَتِ النُّوْرَةُ عَلٰى بَدَنِهٖ اَلْقَى الْمِئْزَرَ فَقَالَ لَهٗ مَوْلًى لَهٗ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنَّكَ لَتُوْصِيْنَا بِالْمِئْزَرِ وَلُزُوْمِهٖ وَقَدْ اَلْقَيْتَهٗ عَنْ نَفْسِكَ فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ النُّوْرَةَ قَدْ اَطْبَقَتِ الْعَوْرَةَ۔

(فروع کافی جلد ششم ص ۵۰۲ تا ۵۰۳
کتاب الزی والتجمل
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: امام باقر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس کا اللہ اور قیامت پر

ایمان ہو۔ اُسے تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل ہونا منع ہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ ایک دن امام باقر رضی اللہ عنہ حمام میں داخل ہوئے۔ آپ نے (زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کے لیے) چونا لگایا جب چونے کا اچھی طرح لیپ کر لیا۔ تو آپ نے تہبند اتار پھینکا۔ یہ دیکھ کر آپ کے ایک غلام نے عرض کیا۔ حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ خود ہی ہمیں حمام میں تہبند باندھے بغیر آنے سے منع فرماتے ہیں۔ اور آپ نے اب خود ہی اُسے اتار پھینکا ہے۔ فرمایا۔ کیا تو اس بات کو نہیں جانتا۔ کہ چونے نے شرمگاہ کو ڈھانپ لیا ہے۔ (تہبند سے بھی مقصد پردہ کرنا تھا۔ اور یہ مقصد چونے کے لیپ سے حاصل ہو گیا ہے۔ لہٰذا اگر چادر اُتار دی ہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اور میرا ارشاد اور میرا عمل باہم مختلف نہیں ہیں۔)

روایاتِ مذکورہ سے ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو چکا ہوگا۔ کہ شیعہ حضرات شرمگاہ کے ذکر اور اس کے دیدار سے کس قدر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آلہ تناسل کی زیارت ان کا من پسند فعل ہے۔ اور اس فعل کے جواز کے لیے ائمہ کرام کی طرف من گھڑت روایات منسوب کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ حقیقت میں ان کی اپنی خواہشات نفسانی انہیں یہ گُر سکھاتی ہیں۔ کہ ایسا لطف جائز ہونا چاہیئے۔ اور ملامت سے بچنے کی خاطر اس قسم کی روایات ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا پردہ کرنا فرض قرار دیا ہے۔ لیکن شیعہ حضرات نے خاص کر شرمگاہ کی زیارت حاصل کرنے کے لیے صرف اس پر لیپ کیا ہوا چونا ہی پردہ کے قائم مقام کر دیا۔ اور پھر غضب یہ کرتے ہیں کہ اس غیر شرعی فعل اور ناجائز عمل کے لیے ائمہ اہل بیت

کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں۔ کہ ان پاکیزہ اور شرم وحیا کے پیکروں نے اپنی شرمگاہوں پر چونا لگا کر تہبند وغیرہ کے پردہ کو اتار پھینکا۔ اور شیعوں کو زیارت کا موقعہ بخشا۔

معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی امام اہل بیت اپنے جدامجد حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکامات کو پس پشت ڈالے اور ان کے خلاف نئے من گھڑت مسائل پر عمل کرے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دارِ فانی سے عالمِ بقا کی طرف انتقال ہوا۔ تو حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دینے کے لیے آپ کے جسم اطہر سے کپڑے اتارنے کا ارادہ فرمایا۔ تو فوراً انہیں اونگھ سی آگئی۔ اور اونگھ کے عالم میں انہیں غیبی آواز سنائی دی۔ کہ خبردار! میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جسم اقدس سے کپڑے اتارنے کی کوئی کوشش نہ کرنا۔ اور نہ ہی انہیں اتارنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ کپڑوں سمیت ہی آپ کو غسل دیا جائے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شرم وحیا کا یہ عالم کہ زندگی میں ان کی ازواج مطہرات آپ کی جائے ستر کو نہ دیکھ سکیں۔ اور بعد از انتقال اللہ تعالیٰ نے اس پردہ کو قائم رکھنے کا اہتمام فرما دیا۔ تو اسے دیکھ کر یہ کہنا کیونکر ممکن ہوگا کہ آپ کی نسلِ پاک میں سے وہ حضرات جو منصبِ امامت اور مقام رشد وہدایت سے سرفراز ہوں۔ وہ اس قسم کی گھٹیا حرکات کریں۔ اور پھر اس کی من مانی توجیہات بھی کریں۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت ان واہیات سے پاک تھے۔ صرف ان کے "مدعیان محبت" کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں۔ کہ محبت اہل بیت کی آڑ میں ہر مکروہ اور شرم وحیاء سے عاری کام ان کے ہاں کارِ ثواب

بن گیا۔ اور اس کے جواز و حلال ہونے کے لیے ان برگزیدہ ہستیوں کو ملوث کر کے اپنی خباثت کا راستہ ہموار کر لیا۔

شیعہ مذہب میں برہنہ ہونے کی آزادی

فروع کافی

عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الْمَاضِی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اَلْعَوْرَۃُ عَوْرَتَانِ اَلْقُبُلُ وَ الدُّبُرُ فَاَمَّا الدُّبُرُ مَسْتُوْرٌ بِالْاَلْیَتَیْنِ فَاِذَا اسْتَرْتَ الْقَضِیْبَ وَ وَالْبَیْضَتَیْنِ فَقَدْ سَتَرْتَ الْعَوْرَۃَ۔ وَ قَالَ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی وَ اَمَّا الدُّبُرُ فَقَدْ سَتَرَتْہُ الْاَلْیَتَانِ وَ اَمَّا الْقُبُلُ فَاسْتُرْہُ بِیَدِکَ۔

(فروع کافی جلد ششم ص ۵۰۱ کتاب الزی والتجمل مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ شرمگاہیں دو ہیں۔ پیشاب والی جگہ اور پاخانہ کرنے والی جگہ ان میں دوسری شرمگاہ کو تو دونوں چوتڑ چھپا لیتے ہیں۔ تو جب آلہ تناسل اور دونوں خصیے تو نے کسی طرح چھپا لیے۔ تو تو نے پردہ کر لیا۔ ایک اور روایت میں فرمایا۔ پاخانہ کرنے کی جگہ کو تو دونوں چوتڑ چھپا لیتے ہیں۔ رہا پیشاب والی جگہ (آلہ تناسل) کا معاملہ تو اُسے اوپر ہاتھ رکھ کر چھپا لے۔ (پردہ

ہو جائے گا۔)

شیعہ حضرات کی وہ کتاب جو ان کے امام غائب کی مصدقہ ہے۔ اس کی اس روایت صحیحہ سے واضح ہوا۔ کہ ان کے ہاں پردہ کا وجود بالکل نہیں۔ کیونکہ آپ نے روایت مذکورہ میں دیکھا کہ جب دُبر چوتڑوں میں گھرے ہونے کے باعث پردہ میں ہے اور ذکر کے اوپر ہاتھ رکھ کر پردہ قائم ہو گیا۔ تو انہی دو جگہوں کا پردہ ضروری تھا۔ وہ ہو گیا۔ دُبر کا تو خود بخود پردہ چوتڑوں نے کر دیا۔ اور ذکر کا اپنے ہاتھ سے کر لیا۔ اس کے بعد جسم پر کسی کپڑے کی پردہ کرنے کے لیے ضرورت نہیں۔ ایک ہاتھ ذکر پر رکھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں ”فروع کافی“ کو لیا۔ اور خرید و فروخت کے لیے گلیوں بازاروں میں گشت کی اور تبلیغ و تقریر کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر گئے۔ ریل، بس، ہوائی جہاز اور ٹیکسی رکشہ پر ادھر ادھر آئے گئے۔ بارات میں شرکت کی۔ نمازیں پڑھیں۔ اور اگر کسی نے اس برہنگی پر اعتراض کیا۔ تو ”فروع کافی“ کا حوالہ دے دیا۔ تو آپ خود ہی اندازہ فرمائیں۔ کہ ایسے کامل اور مکمل پردہ کے ساتھ سیر و سیاحت کس شان کی ہو گی۔

ؔ

آپ اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی۔

فروع کافی

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ النَّظَرُ اِلٰی عَوْرَۃِ مَنْ لَیْسَ بِمُسْلِمٍ مِثْلُ نَظَرِكَ اِلٰی عَوْرَۃِ

الحِمَارِ۔

(۱۔فروع کافی جلد ششم ص ۵۰۱ کتاب الزی والتجمل مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

(۲۔من لایحضرہ الفقیہہ ص ۳۲ فی غسل یوم الجمعہ مطبوعہ لکھنو طبع قدیم)

(۳۔من لایحضرہ الفقیہہ جلد اول ص ۶۳ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا غیر مسلم (مرد و زن) کی شرمگاہ کو دیکھنا ایسا ہی (جائز) ہے۔ جیسا کہ گدھے کی شرمگاہ کو دیکھنا۔

گدھے یا دیگر حیوانات کی شرمگاہیں اور غیر مسلم مرد اور عورت کی شرمگاہیں کیا مناسبت رکھتی ہیں پردہ کے احکامات انسانوں کے لیے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہیں اور باپردہ رہنا ہر آدمی کے حیاء و شرم کا آئینہ دار ہے۔ جو مسلم اور غیر مسلم دونوں میں بلا امتیاز مذہب جاری و ساری ہے۔ مقام انسانیت اور درجہ حیوانیت میں کس قدر بُعد ہے۔ لیکن ان لوگوں کی لطف اندوزیوں نے غیر مسلم مرد و عورت کو اس قدر بے حیا اور شرم سے عاری سمجھا۔ کہ وہ بھی اسی طرح ہیں۔ جس طرح حیوانات پھر اس پر بس نہیں۔ بلکہ ان کی شرمگاہوں کو دیکھنے والے بھی قابلِ ملامت نہیں ٹھیک ہے۔ کہ غیر مسلم پردہ کے احکامات شرعیہ کے پابند نہ سہی۔ لیکن اپنے مذہب کی اخلاقی قدروں سے تو باغی نہیں۔ چلو یہ بھی مان لیا۔ کہ وہ اخلاقی طور پر انتہائی گراوٹ میں پڑ گئے۔ لیکن یہ کہاں کی شریعت ہے۔ کہ ایک مسلمان مرد یا عورت بھی اپنی

اسلامی اقدار اور احکامات شرعیہ کو پس پشت ڈال کر غیر مسلموں کی شرمگاہوں کو دیکھتا پھرے؟
حقیقت یہ ہے۔ کہ شیعہ لوگوں کے نزدیک ہر وہ چیز جس سے ان کی خواہش نفس اور ہوس پوری ہوتی ہو۔ وہ جائز اور حلال ہے۔ وہ اگر محرمات شرعیہ میں سے بھی ہو۔ تو اُسے بھی کسی امام کی طرف نسبت کر کے حلال و جائز کر لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

شیعہ مذہب میں عورت کی شرمگاہ دیکھنا اور اس کو بوسہ دینا جائز ہے

فروع کافی

عَنْ عَلِیِّ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ یُقَبِّلُ قُبُلَ الْمَرْاَةِ قَالَ لَا بَأْسَ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۹۷ کتاب النکاح باب نوادر مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

علی بن جعفر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ اگر مرد، عورت کی شرمگاہ کو چومتا ہے۔ تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔

فروع کافی

عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَیَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی فَرْجِ

اِمْرَأَتِہٖ وَ ھُوَ یُجَامِعُہَا فَقَالَ لَا بَأْسَ۔

(فروع جلد پنجم ص ۴۹۷ کتاب النکاح،

باب نوادر مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

ابی حمزہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا آدمی جماع کے وقت اپنی بیوی کی شرمگاہ دیکھ سکتا ہے؟ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔

صرف دو روایات کے ذکر میں ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ انہیں پڑھ کر ہر صاحبِ انصاف یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ یہ سب روایات لچر اور واہی تباہی باتیں ہیں۔ اور اس قسم کی خرافات کا ائمہ اہل بیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ شیعہ لوگوں نے محض اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل اور محض مزہ لینے کی خاطر ان بکواسات کو حضرات ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ورنہ ان عظیم شخصیات سے اس قسم کی گھٹیا اور تہذیب سے گری ہوئی باتیں محال نہ سہی لیکن ناممکن ضرور ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حلیۃ المتقین

از حضرت امام موسیٰ پرسیدند۔۔۔۔۔ اگر کسی فرجِ زن را ببوسد چوں است فرمود باکی نیست۔ واز حضرت صادق پرسیدند کہ اگر کسی زنِ خود را عریاں کند و با و نظر کند چوں است؟ فرمود کہ مگر لذتی از ایں بہتر مے باشد۔ و پرسیدند کہ اگر بدست و انگشت با فرجِ زن و کنیز خود بازی کند چوں است؟ فرمود باکی نیست۔

(حلیۃ المتقین ص ۱۴۲ در آداب زنان
مطبوعہ تہران طبع قدیم)

ترجمہ:

جناب امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ چوم لیتا ہے۔ تو یہ فعل کیسا ہے؟ فرمایا۔ کوئی خطرہ (گناہ) نہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو ننگا کر دے۔ اور پھر اس کی (شرمگاہ وغیرہ کی) طرف دیکھے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا شاید اس سے بہتر ہی کوئی لذت ہو۔ (یعنی یہ بہترین لذت والا فعل ہے) اور پوچھا۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ اور انگلیوں سے اپنی بیوی اور اپنی لونڈی سے کھیلتا ہے

تو یہ فعل کیسا ہے؟ فرمایا کہ اس میں کوئی خطرہ کی بات نہیں۔

ناظرین کرام! نیک بندوں کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا اور انہیں چومنا تو اختلافی مسئلہ چلا آرہا ہے۔ بعض اسے ناجائز اور اکثر اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ مگر مذکورہ بالا حوالہ کو دیکھئے۔ کہ شیعہ حضرات نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہاتھ پاؤں چومنا تو زہے قسمت! ہمارے لیے تو عورت کی شرمگاہ بھی چومنے کی چیز ہے۔ اور اُسے بوسہ گاہ سمجھتے ہیں۔

دراصل کسی چیز کو چومنا اس سے عقیدت و محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے چونکہ ہم اہل سنت و جماعت کو اللہ کے نیک بندوں سے عقیدت و محبت اور دلی الفت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا اظہار ہم دست بوسی سے کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایمانی فعل ہے۔ لیکن شیعہ حضرات کو دیکھئے۔ کہ ان ”نام نہاد محبانِ اہلبیت“ کو کس چیز سے محبت اور عقیدت ہے۔ ان کے لیے عورت کی شرمگاہ مرکز عقیدت اور منبع محبت ہے۔ لہٰذا اُسے چوم کر اپنی عقیدت کا اظہار کر دیا۔ اب آپ ہی سوچیں۔ کہ ان کا یہ فعل ایمان کی نشانی ہے۔ یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کی علامت؟ چونکہ ان لوگوں میں بے حیائی اور فسق و فجور ایک فطرت ثانی بن چکے ہیں۔ اس لیے آپ دیکھیں گے۔ کہ کبھی تو عورت کو ننگا کر کے ایک مرغوب چیز کی زیارت کے درپے ہوتے ہیں۔ اور کبھی اس میں انگلیاں پھیر کر حیوانات کو شرمائے جا رہے ہیں۔ اور بعض دفعہ فرط محبت و عقیدت میں اس کے بوسے لے کر شقاوتِ قلبی کو تسکین کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔

ع

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

شیعہ کتب سے متعہ کی فضیلتیں اور برکتیں

گزشتہ اوراق میں آپ متعہ کی تعریف اور پھر اس کے جائز و حلال ہونے کے شیعی دلائل پڑھ چکے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان بے معنی اور غلط دلائل کے جوابات بھی ہم نے گوش گزار دیئے۔ آگے چل کر حرمتِ متعہ پر قرآن و اقوال ائمہ اہل بیت سے شواہد و دلائل بھی پیش کیے۔ چونکہ متعہ کی حلت و جواز کے یہ حضرات قائل ہیں۔ اس لیے ضروری ہے۔ کہ اس جائز کام کی ان کے ہاں فضیلت اور برکت بھی ہو گی۔ لہٰذا ہم خود ان کی کتب سے چند ایسے حوالہ جات پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ جن میں حضرات ائمہ اہل بیت کا نام لے کر اس (متعہ) فعل مذموم کے ان لوگوں نے فضائل اور برکات بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

متعہ کرنے والے کی مغفرت ہو چکی ہے۔

روایت اول:

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أُسْرِيَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ قَالَ لَحِقَنِي جِبْرَئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ إِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِلْمُتَمَتِّعِينَ مِنْ أُمَّتِكَ مِنَ النِّسَاءِ۔

(من لایحضرہ الفقیہ جلد سوم ص ۲۹۵،
فی المتعہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے جبرئیل امین ملے۔ اور کہنے لگے بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے ان مردوں کی مغفرت فرما دی۔ جو عورتوں سے متعہ کرتے ہیں۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا۔ کہ شیعہ حضرات کے عقائد کے مطابق "متعہ" اس قدر اللہ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہے۔ کہ اس پر عمل پیرا ہونے والا یقیناً جنتی ہونے کے لیے کافی ہے۔ کسی دوسرے فرض، واجب وغیرہ افعالِ خیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب متعہ کرنے والے کی مغفرت متعہ سے ہو گئی۔ تو پانچوں گھی میں۔ (استغفر اللہ)

روایت دوم:

وَرُوِيَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَكْمُلُ حَتَّى يَتَمَتَّعَ۔

(من لایحضرہ الفقیہ جلد سوم ص ۲۹۷۔
فی المتعہ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

روایت کی گئی ہے۔ کہ متعہ کیے بغیر کوئی آدمی کامل مومن نہیں بن سکتا۔

اس روایت سے بالکل واضح معلوم ہوا۔ کہ شیعہ حضرات کے نزدیک متعہ تکمیل ایمان کی شرط ہے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو ایمان ناقص ہو گا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ شیعہ حضرات اس شرط ایمان کی دولت سے تہیدست ہیں۔ وہ ناقص الایمان ہیں ابھی سے انہیں ایمان کی تکمیل کی فکر کرنی چاہیئے۔ کہیں نامکمل ایمان کے ساتھ سپرد خاک نہ ہو جائیں۔

روایت سوم:

وَفِي الْفِقْهِ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِكَرَّتِنَا وَ يَسْتَحِلَّ مُتْعَتَنَا اَقُوْلُ الْكَرَّةُ الرَّجْعَةُ وَهِيَ إِشَارَةٌ إِلَى مَا ثَبَتَ عَنْهُمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ رُجُوْعِ عَلَيْهِمْ إِلَى الدُّنْيَا مَعَ جَمَاعَتِهِمْ مِنْ شِيْعَتِهِمْ فِي زَمَنِ الْقَائِمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَنْصُرُوْهُ۔

(۱۔ تفسیر صافی جلد اول ص ۳۴۷ سورۃ النساء مطبوعہ تہران طبع جدید۔)
(۲۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد سوم، ص ۲۹۱ باب المتعہ طبع جدید تہران۔)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جو ہماری "کرّت" پر ایمان نہ لایا۔ اور جس نے ہمارے متعہ کو حلال نہ جانا۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

"کرّت"۔ کی تفسیر صاحب تفسیر صافی نے یوں کی۔ میں کہتا ہوں۔ کہ "کرّت" سے مراد رجعت ہے۔ جس کا معنی لوٹنا ہے۔ اور یہ اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ جو ہمارے ائمہ اہل بیت سے ثابت ہے۔ کہ وہ دنیا میں امام قائم کی نصرت اور معاونت کے لیے اپنے شیعوں کے ساتھ دوبارہ تشریف لائیں گے۔

آیت "فما استمتعتم" الخ کے تحت تفسیر منہج الصادقین میں مذکورہ فضائل متعہ کی روایات

روایت چہارم:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً وَاحِدَةً عُتِقَ ثُلُثُهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَيْنِ عُتِقَ ثُلُثَاهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ عُتِقَ كُلُّهُ مِنَ النَّارِ۔

(جلد دوم۔ (ص ۴۹۸)

ترجمہ:

(بقول شیعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ایک مرتبہ متعہ کیا۔ اس کا تہائی دوزخ کی آگ سے آزاد ہو گیا۔ اور جس نے دو مرتبہ متعہ کیا۔ اور اس کا دو تہائی آگ سے آزاد ہو گیا اور جس نے تین مرتبہ متعہ کیا اس کا دوزخ سے بالکل چھٹکارا ہو گیا۔

روایت پنجم:

قَالَ النَّبِیُّ (ص) مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّۃً اٰمِنَ مِنْ سَخَطِ الْجَبَّارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَیْنِ حُشِرَ مَعَ الْاَبْرَارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ زَاحَمَنِیْ فِی الْجِنَانِ۔

(جلد دوم ص ۴۸۰)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مرتبہ متعہ کرنے والا اللہ کے غضب سے بچا۔ دو مرتبہ متعہ کرنے والا کل قیامت کو نیک لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور جس نے تین مرتبہ متعہ کیا۔ وہ جنت میں مجھ سے ملاقات کرے گا۔

روایت ششم:

اَیْضًا قَالَ مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّۃً دَرَجَتُہٗ کَدَرَجَۃِ الْحُسَیْنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَیْنِ دَرَجَتُہٗ کَدَرَجَۃِ الْحَسَنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ دَرَجَتُہٗ کَدَرَجَۃِ

عَلِيٍّ وَمَنْ تَمَتَّعَ اَرْبَعَةَ مَرَّاتٍ دَرَجَتُهٗ كَدَرَجَتِيْ۔

(جلد دوم ص ۴۸۱)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا جس نے ایک مرتبہ متعہ کیا۔ اس کا درجہ حسین کے درجہ کی مانند ہے۔ اور جس نے دو مرتبہ متعہ کیا۔ اس کا درجہ امام حسن اور تین مرتبہ متعہ کرنے والے کا درجہ حضرت علی کے درجہ کے برابر اور جو چار مرتبہ متعہ کرے۔ اس کا درجہ میرے (خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) درجہ جیسا ہے۔ (معاذ اللہ)

روایت ہفتم:

اَيْضًا قَالَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَتَمَتَّعْ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ اَجْدَعُ۔

(جلد دوم ص ۴۸۱)

ترجمہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ جو شخص دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور وہ زندگی بھر ایک مرتبہ بھی متعہ نہ کر سکا تو بروز قیامت وہ اس حال میں اٹھے گا۔ کہ اس کی ناک بھی کٹی ہو گی۔ اور کان بھی۔

روایت ہشتم:

فرمود بدرستیکہ برادرم جبرئیل نزد من آمد و تحفہ از نزد پروردگار من آورد و آں تمتع زنانِ مومنہ است و پیش از من ایں تحفہ را ہیچ پیغمبری ارزانی نداشتہ

ومن شما را بآں امر میکنیم وایں سنت من است در زمان من وبعد از من ہر کہ آں را قبول کند وبآں عمل کند واحیائے آں کند از من باشد ومن آزوی راضی وہر کہ مخالفت من کند بآں چہ بآں امر کردہ ام بخدائے مخالف کردہ بدانید ای مردماں کی از اہل ایں مجلس کسی کہ تکذیب آں کند بجہتِ بغض او من بسی من گواہی میدہم کہ او از اہل دوزخ ہست۔ پس لعنتِ خدا براں کسے باد کہ مخالفت من کند ودرایں ہر کہ انکار آں کند انکار نبوت من کردہ وہر کہ مخالفتِ آں کند مخالفت من کردہ وہر کہ مخالفت من کردہ مخالفتِ خدا کردہ وہر کہ مخالفتِ خدا کردہ از اہل دوزخ باشد۔ وبدانید کہ متعہ امر لیست کہ حق تعالیٰ مرا بآں مخصوص ساختہ بجہتِ شرفت من بر غیر از انبیاء سابق۔

(ص ۴۸۱)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مرتبہ جبرئیل امین میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک تحفہ لے کر آئے۔ وہ تحفہ مومن عورت کے ساتھ متعہ کرنے کا تھا۔ مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو یہ تحفہ نہ عطا ہوا۔ میں تمہیں اس (پر عمل پیرا ہونے) کا حکم دیتا ہوں۔ اور یہ میری سنت ہے میری موجودگی میں اور میرے بعد جو بھی اس کو قبول کرے گا۔ اور اس پر عمل کرے گا۔ وہ مجھ سے ہو گا۔ اور میں اس سے بھی اس کی مخالفت کی۔ وہ اور بوجہ مجھ سے بغض کے اس کی تکذیب کی۔ تو اس کے بارے میں میں دوزخی ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ لہٰذا اس پر اللہ کی لعنت جس نے میری مخالفت کی۔ جس نے اس کا انکار کیا۔ اس نے میری نبوت کا انکار کیا۔ اور جس نے متعہ کی مخالفت کی۔ اس نے میری

مخالفت کی۔ اور میرے مخالفت کرنے والے نے دراصل اللہ کی مخالفت کی۔ اور اللہ سے مخالفت کرنے والا ہر شخص دوزخی ہوگا۔ اور خوب جان لو۔ کہ متعہ ایک ایسا حکم ہے۔ جو صرف اور صرف مجھے عطا ہوا کیونکہ دیگر انبیاء کرام پر مجھے شرف حاصل ہے۔ (اس بنا پر ایک قابلِ فخر کام (متعہ) بھی مجھے ہی ملنا چاہیئے تھا۔)

متعہ میں ہر بوسے پر حج و عمرہ کا ثواب اور ہر حرکت پر پہاڑوں جتنا ثواب

روایت ۹:

ہر کہ یک بار در مدت عمر متعہ کند از اہل بہشت باشد۔ و ہر گاہ کہ متمتع و متمتعہ باہم بنشینند فرشتہ بر ایشاں نازل گردد و حراست ایشاں کند تا آنکہ از آں مجلس بر خیزند و اگر باہم سخن کنند سخن ایشاں ذکر و تسبیح باشد و چوں دست یکدیگر را بدست گیرند ہر گناہیکہ کردہ باشند از انگشتاں ایشاں ساقط گردد و چوں یکدیگر را بوسہ نہند حق تعالیٰ بہر بوسہ حجے و عمرہ برائے ایشاں بنویسد و چوں خلوت کنند بہر لذت و شہوت حسنات بنویسد مانند کوہ ہائے برافراشتہ

(جلد دوم صفحہ نمبر ۴۸)

ترجمہ: فرمایا جس نے عمر میں صرف ایک مرتبہ متع کیا۔ وہ جنتی ہوگا۔ اور جس وقت متعہ کرنے والا مرد اور متعہ کرانے والی عورت باہم مل بیٹھتے ہیں۔ تو ان پر فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ اور ان کی حفاظت مجلس کے برخاست ہونے تک کرتا رہتا ہے۔ اور اگر وہ دونوں باہم گفتگو کرتے ہیں۔ تو ان کی باتیں ذکر اور تسبیح شمار ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ تو ان کے

تمام گناہ ان کی انگلیوں سے نکل جاتے ہیں۔ اور جب دونوں بوسہ بازی کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے ہر ایک بوسہ کے عوض ایک حج اور عمرہ کا ثواب عطا کرتا ہے۔ پھر جب خلوت (وطی) کرتے ہیں۔ تو ہر لذت اور شہوت کے بدلہ میں پہاڑ جیسی بلند و بالا نیکی ان کے اعمال میں درج کی جاتی ہے۔

روایت ۱۰:

فرمود کہ جبرئیل مرا گفت یا رسول اللہ حق تعالیٰ میفرمائید۔ کہ چوں متمتع و متمتعہ برخیزند و بغسل کردن مشغول شوند در حالیکہ عالم باشند کہ من پروردگار ایشانم و ایں متعہ سنت من است بر پیغمبر من ملائکہ خود گویم کہ اے فرشتگانِ من نظر کنید بایں دو بندۂ من کہ برخاستہ اند و بغسل کردن مشغول اند و میدانند کہ من پروردگار ایشانم گواہ باشید برآنکہ من آمرزیدم ایشاں را و آب بر ہیچ موئے از بدن ایشاں نگذرد مگر آنکہ حق تعالیٰ بہر موئے۔ دہ حسنہ برائے ایشاں بنویسد و دہ سیئہ محو کند و دہ درجہ رفع نماید۔ پس امیر المومنین (ع) برخواست و گفت۔ اَنَا مُصَدِّقٌ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) چیست جزائے کسی کہ دریں باب سعی کند فرمود لَهُ اَجْرُهُمَا (ص ۴۸۱ تا ۴۸۲)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل نے مجھ سے کہا۔ کہ اے اللہ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جب متعہ کرنے والا مرد اور متعہ کرانے والی عورت (متعہ سے فارغ ہو کر) اٹھتے ہیں۔ اور نہانے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ میں ان کا پروردگار ہوں۔ اور متعہ میرے پیغمبر پر میری سنت ہے۔ تو میں اپنے مقرب فرشتوں کو کہتا ہوں۔ اے فرشتو! میرے ان دو بندوں کی طرف دیکھو۔ کہ جو متعہ کر کے اٹھے ہیں۔ اور غسل کرنے میں مشغول ہیں۔ اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں۔ کہ میں ان کا

پروردگار ہوں۔ تم گواہ ہو جاؤ۔ کہ میں نے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں اور ان کے جسم کے کسی بال سے جب پانی گزرتا ہے۔ تو میں اس ایک بال کے عوض دس نیکیاں عطاء کرتا ہوں۔ دس برائیاں ختم کر دیتا ہوں۔ اور دس درجے بلند کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے۔ اور کہا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کی (اس بات کی) تصدیق کرتا ہوں لیکن ارشاد فرمائیے۔ کہ جس نے متعہ کے لیے جدوجہد کی اس کی جزا کیا ہے؟ فرمایا۔ اس کو ان دونوں کے مجموعہ کے برابر ثواب ہوگا۔

روایت ۱۱:

گفت یا رسول اللہ اجر ایشاں چہ چیز است فرمود چوں بغسل مشغول شوند ہر قطرۂ آب کہ از بدن ایشاں ساقط شود حق تعالیٰ فرشتہ میا فریند کہ تسبیح و تقدیس او سبحانہ کند و ثواب آں برائے غاسل ذخیرہ شود تا روز قیامت اے علی ہر کہ ایں سنت را سہل فرا گیرد و احیائے آں نکند از شیعہ من نباشد و من از وی بری باشم۔　　(جلد دوم ص ۴۸۲)

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! متعہ کرنے والے مرد اور عورت کا کیا ثواب ہے؟ فرمایا۔ جب متعہ سے فراغت پانے پر وہ غسل میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو ان کے ایک ایک بال سے قطرہ گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتا رہتا ہے۔ اور اس کا ثواب اس غسل کرنے والے کے لیے ذخیرہ ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت آجاتی ہے۔ اے علی! جس نے اس سنت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اور اس پر عمل پیرا نہ ہوا۔ وہ میرا شیعہ نہیں ہے۔ اور میں اس سے بیزار ہوں گا۔

روایت ۱۲:

رسول خدا (ص) روزے با صحابہ نشستہ بود از ہر جانب سخنی در پیوستہ از جملہ سخن متعہ درمیاں آمد آنحضرت فرمود اے مرداں: ہیچ میدانید کہ متعہ را چہ فضیلت وثواب است۔ گفتند نہ یا رسول اللہ! فرمود جبرئیل اکنوں بر من نازل شد وگفت اے محمد! حق سبحانہ ترا سلام میرساند وتحیۃ واکرام میفرماید ومیفرماید کہ امتِ خود را بمتعہ کردن امر کن۔ کہ آں از سُنن صالحاں است۔ ہر کہ روز قیامت بمن رسد ومتعہ نکردہ باشد حسناتِ او بقدر ثوابِ متعہ ناقص باشد۔ اے محمد (ص)! درہمی کہ مؤمنی صرف متعہ کند نزد حق تعالیٰ افضل از ہزار درہم است کہ در غیر آں انفاق نماید۔ اے محمد! در بہشت جمعے از حور العین ہستند کہ حق تعالیٰ ایشاں را برائے اہل متعہ آفریدہ۔ اے محمد! (ص) چوں مومنے مومنہ را عقد متعہ کند از جائے خود برنخیزد تا آنکہ حق تعالیٰ اورا بیامرزد واں مومنہ را نیز مغفور سازد ومنادی از آسمان ندا کند کہ اے بندۂ مومن حق تعالیٰ میفرماید کہ اے بندۂ مومن من متعہ کردہ ای بامید ثواب من ہر آئینہ امروز ترا مسرور سازم بتکفیر سیئات تو ومضاعف حسنات تو واز صادق (ع) مرویست کہ متعہ از دین ما است ودین آباء ما۔ ہر کہ باں عمل کند بدینِ ما عمل کردہ باشد وہر کہ انکار کند انکار دین ما کردہ ولنیز از دین ما اعتقاد نمودہ بدرستی کہ متعہ تو است در سلف وامان است از شرک۔ (ص ۴۸۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ رونق افروز تھے اور ادھر اُدھر کی مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔ چلتے چلاتے متعہ بھی زیر بحث آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! کیا تم میں سے کوئی جانتا ہے۔ کہ متعہ کی فضیلت کیا ہے۔ اور اس کا ثواب کس قدر ہے؟ انہوں نے کہا۔ نہیں کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی جبرئیل آیا۔ اور اللہ کا سلام واکرام دے کر کہا

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اپنی امت کو متعہ کرنے کا حکم دیں۔ کیونکہ وہ صالحین کی
سنت ہے۔ جو بروز قیامت میرے پاس آیا۔ اور اس نے متعہ نہ کیا ہوگا تو
اس کی نیکیوں میں متعہ کی نیکی نہ ہوگی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ایک درہم
جو کوئی مومن متعہ کرنے میں خرچ کرے گا۔ کسی دوسری جگہ میں ہزار درہم کے
خرچ کرنے سے افضل ہوگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جب کوئی مومن مرد
کسی مومن عورت سے عقد متعہ کرے گا۔ اور پھر متعہ میں مشغول ہو جائے گا۔
تو اللہ تعالیٰ متعہ سے فراغت سے قبل ہی اس کے گناہ معاف کر دے گا۔
اور وہ مومن عورت جس سے متعہ کیا جا رہا ہے۔ وہ بھی بخشی گئی۔
ایک آواز دینے والا آسمان سے آواز دے گا۔ کہ مومن آدمی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ اے مومن بندے! چونکہ تو نے ثواب کی غرض سے متعہ کیا ہے۔ لہٰذا میں آج تیرے تمام
گناہ معاف کر کے تجھے خوش کرتا ہوں۔ اور تیری نیکیوں کو دگنا کر کے تجھے مسرت عطا کرتا ہوں

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ متعہ ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کے
دین میں سے (ایک اہم کام) ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا۔ اس نے ہمارے دین پر عمل کیا۔ اور جس نے
انکار کیا۔ اس نے ہمارے دین کا انکار کیا۔ اور اس دین کا اقرار کیا جس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں
یہ بات حق ہے۔ کہ متعہ اسلاف دگزرے ہوئے نیک لوگ) میں قریب العمل تھا۔ اور اس کی بجا آوری
میں شرک سے امن مل جاتا ہے۔

متعہ سے پیدا شدہ بچہ دوسرے بچوں سے افضل ہے۔

روایت ۱۲:

وولد متعہ افضل است از ولد زوجہ دائمہ و منکر آں مرتد و کافر است۔

(تفسیر منہج الصادقین صفحہ ۴۹۲ جلد دوم۔ سورۃ النساء الجزء الخامس مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

متعہ کے ذریعہ پیدا ہونے والا بچہ بچی اس بچہ بچی سے کہیں بہتر ہے۔ جو دائمی نکاح کے ذریعہ کسی عورت کے ہاں پیدا ہو۔ اور اس (افضیلت کا) منکر مرتد اور کافر ہے۔

منہج الصادقین سے مذکورہ نو عدد روایات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ تین مرتبہ متعہ کرنے والے پر دوزخ حرام ہے۔

۲۔ تین مرتبہ متعہ کرنے والا یقیناً جنتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں ملاقات کرے گا۔

۳۔ ایک دفعہ متعہ کرنے سے مرتبہ حسینی، دو مرتبہ متعہ کرنے سے مرتبہ حسنی، تین دفعہ متعہ کرنے سے مرتبہ حیدری اور چار دفعہ متعہ کرنے سے مرتبہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ملتا ہے

۴۔ متعہ نہ کرنے والے کو قیامت کے دن ناک، کان کٹے کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ یعنی اس کا مثلہ کیا جائے گا۔ جو کہ دین اسلام میں حرام ہے۔ لیکن شیعہ لوگوں کے نزدیک یہ قیامت کو بھی واقع ہو گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متعہ ایک مخصوص تحفہ عطا فرمایا۔ جو آپ سے پیشتر کسی بھی پیغمبر کو عطا نہ ہوا۔ لہٰذا اس مخصوص تحفہ پر رات دن عمل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پروردگار عالم کو راضی کرنا چاہیئے۔ اور اس سے رو گردانی کر کے دوزخ کے مستحق نہ بنیں۔

۶ - چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے زیادہ اشرف واکرام ہیں۔ اس لیے آپ کو متعہ جیسا اشرف واکرم تحفہ دیا گیا۔

۷ - متعہ کرنے والے دونوں مرد اور عورت کے غسل کے وقت گرنے والے پانی کے ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہو کر ان کے لیے تا قیامت ذکر و تسبیح کرتا رہتا ہے جس کا ثواب ان دونوں کے نامۂ اعمال میں درج کیا جائے گا۔

۸ - متعہ کرتے وقت ایک بوسہ لینا۔ حج و عمرہ کے ثواب سے کم نہیں۔ اور متعہ میں مشغول ہونے والے سے ہر شہوانی حرکت پر ایک عظیم پہاڑ کے برابر نیکی و ثواب کا وعدہ ہے۔

۹ - متعہ میں معاونت اور اس کے لیے راستہ ہموار کرنے والا متعہ کرنے والے دونوں کے ثواب کے برابر ثواب لوٹے گا۔

۱۰ - متعہ کرنے والے کے نہانے سے ہر قطرہ پر ایک فرشتہ کے پیدا ہونے اور اس کی تسبیح کا انکار کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ماننے والوں (شیعوں) سے خارج ہے۔

۱۱ - امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق متعہ دینِ آئمہ کا جزء ہے۔ اور اس کی جزئیت کا منکر دین سے خارج ہے۔

۱۲ - متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح دائمی نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد سے کہیں بہتر ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے۔ تو وہ مرتد اور کافر ہے۔

۱۳ - جو شخص متعہ نہ کرے وہ ہرگز شیعہ کہلانے کا حقدار نہیں۔

۱۴ - متعہ کرنے سے سابقہ زندگی کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یعنی نماز چھوڑی ہے زکوٰۃ نہیں دی حج سے اعراض کیا ہے۔ جھوٹ اور غیبت کا ارتکاب کیا ہے اور دنیا جہان کا ہر گناہ دامنِ معصیت میں لپیٹ لیا ہے۔ تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ بس متعہ کر لو سب گناہ صاف، شائد اسی لیے شیعہ فرقہ نماز

وغیرہ میں سستی کا ارتکاب کرتا ہے۔ کہ انہیں متعہ ہی کافی ہے۔

۱۵۔ وہ ایک درہم جو متعہ والی عورت کو بطور "فیس" ادا کیا جاتا ہے۔ کسی اور جگہ ہزار درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ یعنی راہ خدا میں ہزار درہم خرچ کرنے سے وہ ثواب نہ ملے گا۔ جو متعہ میں ایک درہم صرف کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۱۶۔ جنت میں کچھ حوریں ہیں جو اللہ نے صرف متعہ کرنے والوں کے لیے پیدا کی ہیں۔

متعہ کرنے والے کے تمام گناہ معاف اور غسل کے ہر قطرے کے برابر درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے

وسائل الشیعہ:

عَنْ صَالِحِ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لِلْمُتَمَتِّعِ ثَوَابٌ قَالَ اِنْ كَانَ یُرِیْدُ بِذٰلِكَ وَجْهَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ خِلَافًا عَلٰى مَنْ اَنْكَرَهَا لَمْ یُكَلِّمُهَا كَلِمَةً اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً وَ لَمْ یَمُدَّ یَدَهٗ اِلَیْهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ حَسَنَةً فَاِذَا دَنٰی مِنْهَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ بِذٰلِكَ ذَنْبًا فَاِذَا اغْتَسَلَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ بِقَدْرِ مَا مَرَّ مِنَ الْمَآءِ عَلٰى شَعْرِهٖ قُلْتُ بِعَدَدِ الشَّعْرِ قَالَ بِعَدَدِ الشَّعْرِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۴۴۲
کتاب النکاح باب استحباب المتعہ)

ترجمہ:

صالح بن عقبہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے میں نے متعہ کرنے والے کے ثواب کے بارے میں پوچھا۔ کہ کیا اُسے اس پر ثواب ہوگا؟ فرمایا۔ اگر وہ متعہ اس نیت سے کرتا ہے۔ کہ اس سے اللہ راضی ہو جائے۔ اور جو متعہ کے منکر ہیں۔ ان کی مخالفت ہو جائے۔ (تو اس کا بہت ثواب ہے تفصیل یہ ہے) عورت کے ساتھ جتنی باتیں کرے گا۔ اس کے ایک ایک کلمہ پر ایک ایک نیکی ملے گی۔ اور جب اس کی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔ تو اُسے ہاتھ لگنے سے پہلے ایک نیکی اِسے عطا ہو جائے گی۔ پھر جب اس کے قریب جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ فراغت پر جب غسل کرے گا۔ تو پانی کے ہر اس قطرے کے موافق اس کی مغفرت ہوگی۔ جو اس کے بالوں پر سے گزرا۔ میں نے پوچھا۔ بالوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔ فرمانے لگے۔ ہاں۔ بالوں کی تعداد کے برابر۔

متعہ کرنے کے بعد غسل کرنے پر ہر قطرہ سے ستر فرشتے پیدا ہوں گے۔ جو اُس کے لیئے تاقیامت مغفرت مانگیں گے

وسائل الشیعہ

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ تَمَتَّعَ ثُمَّ اغْتَسَلَ اِلَّا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ کُلِّ قَطْرَةٍ

تَقْطُرُ مِنْهُ سَبْعِيْنَ مَلَكًا يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَلْعَنُوْنَ مُتَجَنِّبِهَا اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۴ص ۴۴۴ کتاب النکاح۔)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جو مرد متعہ کرتا ہے۔ پھر غسل کرتا ہے۔ تو اس کے غسل کے پانی کے ہر ایک قطرہ پر اللہ تعالیٰ ستر فرشتے پیدا فرماتا ہے۔ یہ فرشتے قیامت تک متعہ کرنے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور جو متعہ سے اجتناب کرتا ہے۔ اس پر قیامت کے قائم ہونے تک لعنت بھیجتے ہیں۔

لمحہ فکریہ:

باپ (امام محمد باقر) کی روایت سے متعہ کرنے والے کی مغفرت اور درجات کی بلندی ثابت ہوئی تھی۔ اور بیٹے (امام جعفر صادق) کی روایت سے کروڑوں فرشتے پیدا ہو کر متعہ کرنے والے کی مغفرت اور اس سے منہ موڑنے والے پر تا قیامت لعنت کرتے ہیں۔ ان فوائد وافرہ وکثیرہ کی کسے ضرورت نہیں۔ کون ہے جسے اپنے گناہوں کی مغفرت مطلوب نہ ہو۔ اور کون ہے جو فرشتوں ایسی معصوم مخلوق کی لعنت سے بچنا نہ چاہتا ہو۔ جب شیعیت میں یہ سب کچھ صرف متعہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر آسانی کیا ہو گی لیکن سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ عراقی، شامی اور لبنانی شیعہ اپنی مغفرت کیوں نہیں پسند کرتے۔ اور وہ مغفرت کے ہی سبب عظیم کو اپنے دین کی توہین کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ "متعہ" کی اباحت صرف اور صرف اس لیے کی گئی کہ کس طرح بھی زنا کا الزام نہ آسکے۔ اور عیش و عشرت بھی نہ چھوٹنے پائے۔ مزاج شریعت تو یہی ہے کہ ہر اس بات کی حوصلہ شکنی کی جائے جس میں خواہشات نفسانیہ کی برآری نظر آتی ہو۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "متعہ" کو حرام فرما دیا تھا۔ اور اسے کتب شیعہ بھی تسلیم کرتی ہیں اور مسلک شیعہ کے مراکز بھی اس بدمعاشی سے زمانہ قدیم سے لے کر آج تک دور رہے اول تا آخر اس کی اباحت و اجازت خود ساختہ ہے۔ اور بس۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار

فصل ہفتم

ضلع بھکر کے ایک قصبہ منکیرہ میں ایک مرتبہ تبلیغی جلسہ میں شرکت کے لیے جانا پڑا تو جلسہ کے منتظمین میں سے خطیب اہل سنت مولینا حافظ احمد حسن رضوی خطیب اعظم منکیرہ، مولینا غلام رسول اور محمد رمضان عطشی (ایم۔ اے تاریخ) نے اصرار کیا۔ کہ ہمارے علاقہ کے ایک شیعہ عالم نے جواز متعہ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جو بظاہر عالمانہ دلائل سے بھرپور نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہمارے بہت سے سادہ لوح سنی متعہ کے جواز کے قائل ہو جائیں۔ اس لیے اس کا جواب آنا چاہیئے۔ بہرحال میں نے اُن سے مذکورہ کتاب لے لی۔ اور وعدہ کیا۔ کہ اگر کوئی نئی دلیل ہوئی۔ تو ضرور اس کا جواب دے دیا جائے گا۔ اور اگر وہی پرانی باتیں ہوئیں تو میں اس سے قبل متعہ کی بحث میں ان کے جوابات سے فارغ ہو چکا ہوں۔ اب جبکہ "فقہ جعفریہ" کے امتیازی اور انوکھے مسائل پر بحث ہو رہی تھی۔ اور یہ بحث "باب النکاح" تک پہنچ چکی تھی تو مجھے انیر جاڑوی کا مذکورہ کتابچہ

مختصر یہ کہ "متعہ" کی اباحت صرف اور صرف اس لیے کی گئی ہے کہ کس طرح بھی زنا کا الزام نہ آسکے۔ اور عیش و عشرت بھی نہ چھوٹنے پائے۔ مزاج شریعت تو یہی ہے۔ کہ ہر اس بات کی حوصلہ شکنی کی جائے جس میں خواہشات نفسانیہ کی برآری نظر آتی ہو۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "متعہ" کو حرام فرما دیا تھا۔ اور اسے کتب شیعہ بھی تسلیم کرتی ہیں اور مسلک شیعہ کے مراکز بھی اس بدمعاشی سے زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک دور رہے اول تا آخر اس کی اباحت و اجازت خود ساختہ ہے۔ اور بس۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار

ضلع بھکر کے ایک قصبہ منکیرہ میں ایک مرتبہ تبلیغی جلسہ میں شرکت کے لیے جانا پڑا تو جلسہ کے منتظمین میں سے خطیب اہل سنت مولینا حافظ احمد حسن رضوی خطیب اعظم منکیرہ، مولینا غلام رسول اور محمد رمضان عطشی (ایم۔اے تاریخ) نے اصرار کیا۔ کہ ہمارے علاقہ کے ایک شیعہ عالم نے جواز متعہ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جو بظاہر عالمانہ دلائل سے بھرپور نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہمارے بہت سے سادہ لوح سنی متعہ کے جواز کے قائل ہو جائیں۔ اس لیے اس کا جواب آنا چاہیئے۔ بہرحال میں نے ان سے مذکورہ کتاب لے لی۔ اور وعدہ کیا۔ کہ اگر کوئی نئی دلیل ہوئی۔ تو ضرور اس کا جواب دے دیا جائے گا۔ اور اگر وہی پرانی باتیں ہوئیں تو میں اس سے قبل متعہ کی بحث میں ان کے جوابات سے فارغ ہو چکا ہوں۔ اب جبکہ "فقہ جعفریہ" کے امتیازی اور انوکھے مسائل پر بحث ہو رہی تھی۔ اور یہ بحث "باب النکاح" تک پہنچ چکی تھی تو مجھے اینٹر جاڑوی کا مذکورہ کتابچہ

یاد آیا۔ اُسے پڑھا۔ دلائل پر نظر دوڑائی۔ تو اس کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی۔ کہ اس میں جواز متعہ کے دلائل کو انوکھے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ کچھ اس طرح کہ اسمائے رجال کی کتب سے مختلف حوالہ جات کے ذریعہ بعض رواۃ کے بارے میں دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی۔ اس سے یہ معلوم بھی ہوا۔ کہ جاڑوی کو اس فن سے واجبی سی واقفیت بھی نہیں۔ اسی کتابچہ کے آخر میں ایک مکارانہ اعلان بھی جڑ دیا۔ جس کا عنوان "مخلصانہ اپیل" ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"میں نے اس رسالہ میں کسی فرقہ اسلامیہ کے خلاف ناشائستہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ لیکن جھنگ کے مولوی بہت گندی زبان استعمال کرتے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ جب میرا یہ رسالہ مارکیٹ میں آئے گا۔ تو یہ سُنی علماء بجائے اس کے کہ اس کا جواب دیں یہ جواب نہیں دیں گے بلکہ عدالت کی طرف رجوع کریں گے۔ کہ اُسے ضبط کر لیا جائے۔ لیکن اس کو ایسے نہیں چاہیئے۔ بلکہ ان کو چاہیئے کہ حکومت کو درمیان میں لانے کی بجائے فقہ جعفریہ کے مسلمہ مفسرین مسلمہ مجتہدین اور مسلمہ صحابہ کرام کے تفسیری اقوال اور ائمہ اہل بیت سے نقل کردہ روایات سے متعہ کا عدم جواز ثابت کریں۔ چشم ماروشن و دل ماشاد۔"

ہم نے اس رسالہ کا مکمل طور پر مطالعہ کر کے اس میں مذکور چند کذب بیانوں اور فریب کاریوں کو یکجا جمع کر کے ہر ایک دھوکا اور کذب بیانی کو اس کے عنوان سے لکھا اور پھر اس کا جواب سپرد قلم کیا ہے۔ ہم نے سوچا تھا۔ کہ رسالہ مذکورہ کے الفاظ و معنی دونوں پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ لیکن الفاظ کی بحث کو چھوڑ کر صرف معانی کی بحث پر اکتفا کیا گیا۔ حق کے متلاشی اور غیر متعصب حضرات اگر دونوں رسالہ جات کے مضامین کو سامنے رکھیں گے۔ تو امید قوی ہے۔ کہ حق و باطل کے درمیان ان کے لیے امتیاز کرنا کوئی مشکل نہ رہے گا۔ (و باللہ التوفیق)

اور

دھوکہ دہی

اثیر جاڑوی نے اپنے رسالہ جواز متعہ میں ص ۱۰ سے لے کر ۱۷ تک آیات قرآنیہ سے جو جواز متعہ پر پانچ عدد دلائل پیش کیے ہیں ان کے ترتیب وار جوابات۔

جواز متعہ

دلیل اوّل

اس وقت کی تاریخ شاہد ہے۔ کہ لوگوں میں جس متعہ کا رواج تھا سارے لوگ ایک مدت مقررہ کے لیے نکاح کر لیتے تھے۔ آیت کا انداز بیان بھی واضحاً اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے۔ کہ متعہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ایک عادت جاریہ ہے۔ اس لیے آیت نے یہ تاکید فرمائی ہے کہ تم جو متعہ کرتے ہو اس میں عورت کی اُجرت کو ملحوظ رکھو اور ٹال مٹول نہ کرو۔ بلکہ اجرت دینا فریضہ واجبہ ہے۔

دلیل دوم

استمتاع عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور زبان کے لفظ کو اسی معنی میں استعمال

کرنا ہوگا جس معنی میں عوام استعمال کرتے ہیں رفائے عمومی کے خلاف استعمال کرنا ہو تو اس کے لیے کسی ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو غیر مستعمل معنی میں استعمال کرنے کی وجہ جواز بن سکے جبکہ آیت متعہ میں استمتاع کو نکاح دائمی میں استعمال کیا جاتا ہے اور نکاح دائمی میں استعمال کرنے کی نہ کوئی وجہ جواز ہے اور نہ کوئی دلیل۔ لہذا آیت میں استمتاع کا معنی وہی کرنا ہوگا جو عرب کا عرف عام کیا کرتا تھا۔ اور وہ ہے متعہ۔

دلیل چہارم:

آیت میں اُجُوْرَهُنَّ (معیادی نکاح والی عورتوں کی اجرت) اس حقیقت کی کھلی دلیل ہے۔ کہ استمتاع کا معنی دائمی نکاح نہیں۔ بلکہ میعادی نکاح متعہ ہے۔ کیونکہ دائمی نکاح کے لیے نہ تو کسی آیت، نہ کسی حدیث، اور نہ ہی کسی عرب کے قول میں اجرت کا لفظ بولا گیا ہے۔ بلکہ دائمی نکاح کے لیے صدق یا مہر کا لفظ آتا ہے۔ لہذا آیت میں استمتاع کا معنی دائمی نکاح اور اُجُوْرَهُنَّ کا معنی مہر کرنا ایسا معنی ہے جو نہ صرف بلا دلیل ہے۔ بلکہ مقصود ذات احدیت، سنتِ رسول اور عمل صحابہ کے صریح خلاف ہے۔

دلیل پنجم:

آیت کا سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے۔ کہ استمتاع کا معنی دائمی نکاح نہیں بلکہ میعادی نکاح ہے۔ کیونکہ آیت ۲۳ سے ۲۷ تک اُن عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح جائز نہیں۔ بوقتِ طلاق عورت کو دیئے گئے مال کی واپسی سے ممانعت ہے۔ جن عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ وہ یہ ہیں۔ والدہ کی منکوحہ نسبتی ماں، رضاعی ماں، بیٹی، بہن، رضاعی بیٹی، رضاعی بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی

بھانجی، ساس، بہو، کسی کی منکوحہ، دونوں بہنوں کا جمع کرنا۔ اس فہرست کے بعد ارشاد فرمایا۔

أُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ۔ علاوہ ازیں تمہارے لیے ہر عورت سے نکاح جائز ہے۔ اب چونکہ یہ حکم نکاح دائمی کا تھا۔ اور میعادی نکاح کا بیان اس میں نہیں آتا تھا۔ اس لیے ذات احدیت نے بطور خاص آخر میں حکم متعہ ارشاد فرمایا۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ اگر تم متعہ کرو۔ تو واجب ہے کہ جس عورت سے متعہ کر رہے ہو۔ اس کی اُجرت اسے ادا کر دو۔ امید ہے۔ جناب والا کے ذہن میں ذات احدیت کی تقسیم آگئی ہوگی کہ نکاح کی دو قسمیں ہیں۔ دائمی اور میعادی۔ دائمی نکاح حق مہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور حق مہر۔ نکاح میں میعادی نہیں اُجرت ہوتی ہے۔ آخر میں اللہ نے عورتوں کی ایک اور قسم بتائی۔ جن سے نکاح جائز ہے۔ لیکن پہلی دو اقسام کی طرح اس قسم کو مطلق ادا کرنے کی بجائے مشروط قرار دیا ہے۔ اور شرائط بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ کہ جس شخص میں وہ شرائط موجود ہوں کنیزوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور جس میں وہ شرائط موجود نہ ہوں کنیزوں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ آخر میں بطور اختتام بتایا۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

ترجمہ:

اللہ تمہیں پہلے لوگوں کے راستے بتانا چاہتا ہے۔ ان آیات میں غور و فکر سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ آیت میں لفظ استمتاع کا معنی میعادی نکاح ہے۔

دائمی نکاح نہیں اور میعادی نکاح کا دوسرا نام متعہ ہے۔ جواز رو سے نص قرآن جائز ہے۔ اور اسے منسوخ نہیں کیا گیا

(جواز متعہ ص ۱۴ تا ۱۵)

دلیل اوّل کا جواب:

تاریخی شہادت کہ متعہ اسلام سے پہلے ہی چلا آرہا ہے الخ۔ یہ بات نہ ہم اہل سنت کے لیے مضر ہے اور نہ اہل تشیع کے لیے مفید کیونکہ دور جہالت میں مروج امور اسلامی امور قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ ہاں اگر اسلام اُن سے منع کرے تو ان کے کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے دن اس کی حرمت کا اعلان فرما کر اس کی اباحت وغیرہ کو ہمیشہ کے لیے دفن فرما دیا۔ اس اعلان کی شہادت جس طرح کتب اہل سنت دیتی ہیں۔ کتب شیعہ میں بھی یہ بالتصریح موجود ہے۔ حوالہ کے لیے الاستبصار جلد سوم ص ۱۴۲ ملاحظہ ہو۔ علاوہ ازیں تہذیب الاحکام جلد ۷ ص ۲۵۱ پر بھی اس کا واضح تذکرہ موجود ہے۔

دلیل دوم کا جواب:

تاریخی شہادت کہ متعہ اسلام سے پہلے متعہ معروفہ کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں بھی اس کا معنی میعادی نکاح (متعہ معروفہ) ہی ہے۔ الخ
مذکورہ عبارت میں دو امور ہیں۔ اول یہ کہ لفظ استمتاع متعہ معروفہ میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ دیگر معنی میں نہیں۔ اور دوسرا امر یہ کہ قرآن کریم نے بھی اسے اسی معنی میں ہی استعمال کیا ہے۔

ان دونوں امور کی تردید ہم قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں۔ پارہ مذا رکوع ۱۵

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ كَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ۔ انہوں نے اپنے حصوں سے نفع اٹھایا جیسا کہ تم نے اپنے حصوں سے نفع اٹھایا (ترجمہ مقبول) شیعہ مترجم نے استمتاع کا معنی نفع اٹھانا کیا ہے۔ اور یہ درست بھی ہے۔ کیونکہ اگر اس لفظ کے حروف زائدہ کو نکال دیا جائے اور اصلی حروف باقی رکھیں۔ تو م۔ ت۔ ع مادہ نکلے گا۔ اس کا معنی نفع ہے اور اگر آیت مذکورہ میں استمتاع کا معنی بقول جاڑوی متعہ معروفہ کیا جائے۔ تو پھر اپنے حصہ کے ساتھ میعادی نکاح (اجرت طے کر کے) کرنا پڑے گا۔ اس سے وطی کرنا پڑے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ استمتاع کے متعہ معروفہ کے علاوہ اور معانی بھی ہیں استمتاع کی طرح لفظ متاع بھی ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ آیا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(پ ۲ رکوع ۱۵)

ترجمہ:

اور طلاق دی گئی عورتوں کے لیے بھی نیکی کے ساتھ نفع پہنچانا ہے

(ترجمہ مقبول)

اسی آیت کے مضمون سے "متعۃ الطلاق" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ

(پ ۲ ع ۱۵)

ترجمہ:

ان کو نیکی کے طور کچھ نفع پہنچاؤ۔ صاحب قدرت (مالدار) پر اس کی حیثیت اور غریب پر اس کی حیثیت کے مطابق لازم ہے۔

اس آیت میں مذکور لفظ استمتاع، متاع، متعہ نفع پہنچانے کے معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اگر جاڑوی کو اصرار ہو۔ کہ ان سب مقامات پر دو متعہ معروفہ،، ہی مراد ہے۔ اور پھر بھی اصرار ہو۔ کہ متعہ معروفہ قرآن کی نص سے جائز ہے۔ تو پھر اس متعہ معروفہ کا اجر و ثواب بھی قرآن سے سن لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۔

(پ۱۳ ع ۱۷)

ترجمہ:

تم کہہ دو کہ (چند روزہ) نفع اٹھالو کہ تمہاری بازگشت تو یقیناً جہنم ہی کی طرف ہے۔ (ترجمہ مقبول)

اب آیئے ذرا جاڑوی صاحب کے ادعاء کے مطابق ترجمہ کریں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے! میعادی نکاح (متعہ معروفہ) کرتے رہو۔ آخر تو یقیناً تمہیں جہنم کی طرف پھرنا ہے۔ گویا متعہ کرنے والے پکے جہنمی ہیں۔ کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے متعہ کرنے والوں کے لیے کیسی بہترین خوش خبری سنائی ہے جاڑوی اور اس کے ہم نواؤں کو اپنے ضابطے کے تحت اس کی مبارک ہو۔

دلیل سوم کا جواب:

اثیر جاڑوی کے بقول استمتاع کا معنی دو متعہ معروفہ،، ہی ہے۔ اور اگر اس کے خلاف دوسرا معنی لینا پڑے۔ تو اس کے لیے کوئی وجہ جواز یا قرینہ و دلیل ہونی چاہیئے اور یہ کہ آیت استمتاع میں دوسرے معنی کی کوئی وجہ جواز نہیں الخ۔

جہاں تک لفظ استمتاع کا معنی صرف میعادی نکاح لیا گیا۔ ہم نے اس کا ابطال قرآن کریم سے پیش کر دیا ہے۔ اب آیت مذکورہ میں اس سے مراد ”دائمی نکاح“

ہونے پر وجہ جواز اور دلیل و قرینہ کا ہونا تو اس کے لیے اسی آیت کے ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ ذکر فرمائے۔ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسَافِحِیۡنَ۔ یعنی عورت محرمہ کے سوا دوسری سے استفادہ اور حصول منافع کی غرض یہ ہے کہ تم اس طرح پاکدامنی کا حصول کرو۔ اور حرام کاری یعنی ضیاع نطفہ سے بچ جاؤ۔ لہذا یہ دو لفظ استمتاع کی بھی غرض و غایت بیان کر رہے ہیں اس لیے ایسا استمتاع جس میں محض شہوت رانی اور وقتی اُبال ٹھنڈا کرنا ہو۔ وہ عند اللہ درست ہی نہیں اور متعہ معروفہ یا بقول جاڑوی میعادی نکاح اپنے نام سے اپنی غرض بیان کر رہا ہے۔ کہ محض وقت پاس کرنا ہے اور اس کے لیے اُجرت طے کرتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد نکاح دائمی لیا جائے۔ تو اُن دونوں الفاظ پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ اب وجہ جواز آپ کے خیال میں آ گئی ہو گی۔ اگر صدق دل سے یہ چاہت تھی۔ کہ وجہ جواز مل جائے۔ تو استمتاع سے مراد "نکاح دائمی" ہو گا۔ وہ ہم نے بیان کر دی ہے۔ اب تمہاری نیت اور عقیدہ ہے جو چاہو اختیار کرو۔

دلیل چہارم کا جواب:

دھوکہ دیتے ہوئے اثیر جاڑوی نے اپنی تائید کے لیے لفظ اُجُوۡرَهُنَّ کو دلیل بنایا۔ اور کہا کہ نکاح دائمی کے حق مہر کے لیے لفظ اجرت استعمال نہیں ہوا۔ الخ

قرآن کریم کے مطالعہ کرنے والا اس امر سے بخوبی آگاہ ہو گا۔ کہ دلیل بھی ان دلائل کی طرح ایک فریب ہے۔ ورنہ قرآن کریم میں کئی جگہ پر نکاح دائمی میں حق مہر کے لیے "اجرت" کا لفظ مذکور ہے۔

۱۔ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ (پ۵ ع۱)

ترجمہ:

پس ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ اور ان کے مہر نیکی کے ساتھ ان کو دے دو۔ (مقبول شیعہ)

۲۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ (پ ۲۸۔ ۲۶)

ترجمہ:

اور اس میں تم پر کوئی الزام نہیں۔ کہ تم ان سے نکاح کرو جبکہ تم ان کو مہر دے دو۔ (مقبول شیعی)

۳۔ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ اللّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ۔

(پ ۲۲، ع ۲)

ترجمہ:

بے شک ہم نے حلال کیں تمہارے لیے وہ بیبیاں جن کے مہر دے چکے ہو۔ (مقبول شیعی)

مذکورہ تین آیات قرآنیہ میں لفظ اُجرت استعمال ہوا۔ پہلی دو آیات میں بالتصریح لفظ نکاح کے ساتھ اور تیسری آیت میں لفظ زوجیت کے ساتھ ہے۔ زوجیت بھی نکاح کا ہی اثر ہے۔ میعادی نکاح میں زوجیت کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ اجرت کا لفظ صرف متعہ معروفہ کے لیے اور مہر و صدوق کا لفظ صرف نکاح دائمی کے لیے مخصوص کر دینا قرآن کریم کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اور سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی جاہلانہ کوشش ہے۔

دلیل پنجم کا جواب:

آیت استمتاع کا سیاق و سباق بتا رہا ہے۔ کہ اس سے مراد متعہ (میعادی نکاح) ہے۔ الخ۔

سیاق و سباق مختصر یوں ہے کہ سورۃ النساء میں ابتداءً نکاح میں بیک وقت کتنی عورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس کی تعداد بیان فرمائی۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ۔

ترجمہ:

یعنی تم اپنی پسند کی دو، تین یا چار عورتیں بیک وقت نکاح میں لا سکتے ہو۔

یہاں لفظ نکاح فرما کر میعادی نکاح کا معاملہ ختم کر دیا گیا۔ پھر حق مہر کے مسائل بیان فرمائے۔ اس کے بعد کچھ آیات کر چھوڑ کر ان عورتوں کا ذکر ہے۔ جن سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کے تذکرہ کے بعد اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ الخ فرما کر ان عورتوں کی نشاندہی فرما دی۔ جن سے نکاح دائمی کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے متصل فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ الخ الفاظ پہلے مضمون کے بالکل متصل ایک ہی آیت میں وارد فرمائے۔ اور ہر ذی علم جانتا ہے۔ کہ حرف "فاء" ما بعد کو اپنے ماقبل سے حکم میں ملاتا ہے۔ اور ماقبل کی ہی تفسیر کرتا ہے۔ اور "مِنْهُنَّ" میں ضمیر هُنَّ کا مرجع بھی وہی عورتیں۔ جو احل لکم ما وراء الخ سے مراد ہیں اور ان عورتوں سے غرض انتفاع اور استمتاع بھی یہ بیان فرمائی کہ پاکدامنی، پیش نظر ہونی چاہیے۔ نہ کہ شہوت رانی اور وقتی تسکین۔ لہٰذا یہ سیاق و سباق

واضح کرتا ہے۔ کہ محرمات ابدیہ کو چھوڑ کر تمہارے لیے دو اقسام کی عورتیں، احصان اور عدم سفاح کے پیشِ نظر جائز ہیں۔ ایک تمہاری مملوکہ کنیزیں اور دوسری وہ آزاد عورتیں جن سے تم نیکی کی نیت سے اور پاکدامنی کی غرض سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔ اگر ایسا ارادہ ہو۔ تو ان کے مقررہ حق مہر ان کے سپرد کر دو۔ سیاق و سباق ہم نے پیش کر دیا۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد آیت میں استمتاع سے مراد قارئین خود سمجھ جائیں گے ممکن ہے۔ اثیر جاڑوی کو سمجھ نہ آئے۔ کیونکہ وہ تو شوقِ متعہ میں اندھا ہو رہا ہے۔ البتہ غیر جانبدار اس سے صحیح سمجھے گا۔ کہ تمام احکام نکاحِ دائمی کے بیان میں موجود ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

دھوکہ اور کذب بیانی نمبر (۲)

تفسیر طبری کی عبارت سے جوازِ متعہ ثابت کرنے کی کوشش

اب ایک نگاہ میں اُن ائمہ تفسیر میں سے کہ جن محقق علماء نے آیت میں استمتاع کا معنی متعہ کیا ہے۔ صرف علامہ محمد ابن جریر طبری کی تفسیر جامع الابیان سے چند ایک کی نشاندہی زیادہ مناسب رہے گی کیونکہ سواد اعظم کی نگاہ میں علامہ محمد ابن جریر طبری قابل اعتماد افراد میں سے ایک ہیں۔ معنائے استمتاع میں طبری کی تفسیری روایات۔

۱۔ طبری نے اپنے سلسلہ سند سے سُدی سے روایت کی ہے۔ سُدی کہتا ہے فما استمتعتم به منهن کی آیت سے مراد متعہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرد، عورت کے ساتھ مدتِ معینہ تک کے لیے نکاح کرے جبکہ دو گواہ موجود ہوں۔ اور عورت کے ولی سے اجازت حاصل کر لی گئی ہو۔ مدت گزرنے کے بعد عورت اور مرد میں کوئی رشتہ نہ رہے گا۔ عورت مرد سے بَری ہو گی

اور عورت کو استبراء کرنا ہوگا۔ اور ان کے درمیان توارث نہیں ہوگا۔

۲- طبری نے اپنے ذریعہ سند کی بنا پر مجاہد سے نقل کیا ہے۔ کہ فما استمتعتم به منهن سے مراد نکاح متعہ ہے۔

۳- طبری نے ابو ثابت سے روایت کی ہے۔ کہ ابو ثابت کہتا ہے۔ کہ ابن عباس نے مجھے قرآن کا ایک حصہ دیا اور کہا کہ یہ قرآن ہے۔ جو بعینہ پڑھ کر مجھے سنایا اور اس میں فما استمتعتم به منهن فآتوهن الی اجل مسمی ہے۔ الی اجل مسمی (مدت معینہ تک) قرآن کے الفاظ نہیں بلکہ اُبیؔ کا ذاتی تشریحی اور تفسیری فقرہ ہے۔ جس کا مقصد آیت سے نکاح متعہ ثابت کرنا ہے۔

۴- طبری نے ابو نضرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ ابو نضرہ کہتا ہے۔ کہ میں نے ابن عباس سے نکاح متعہ کے متعلق پوچھا۔ تو ابن عباس نے کہا۔ کہ تو سورۃ النساء نہیں پڑھا کرتا ابو نضرہ نے کہا۔ کیوں نہیں پڑھتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا۔ فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمّی کبھی نہیں پڑھا۔

۵- طبری نے مختلف سلسلہ سند سے حدیث نمبر ۴ کے الفاظ میں حدیث بیان کی ہے۔

۶- طبری نے حدیث نمبر ۳ کے الفاظ میں بعینہ ایک حدیث مختلف سلسلہ سند سے بیان کی ہے۔

۷- طبری نے عمیر سے اور عمیر نے ابن عباس سے روایت نمبر ۳ کی طرح روایت کی ہے۔

۸- طبری نے قتادہ سے نقل کیا ہے۔ قتادہ کا بیان ہے۔ کہ ابی ابن کعب کے مصحف میں۔ میں نے ابن عباس سے نقل شدہ حدیث نمبر ۴ کی طرح خود دیکھا ہے۔

۹۔ طبری نے ابو اسحٰق سے اور ابو اسحٰق نے ابن عباس سے بعینہٖ حدیث نمبر ۴ کی طرح ایک حدیث بیان کی ہے۔

۱۰۔ طبری نے شعبہ سے نقل کیا ہے۔ شعبہ کہتا ہے۔ کہ میں نے حکم سے پوچھا کیا آیت متعہ منسوخ ہے؟ حکم نے جواب دیا حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمرؓ متعہ کو حرام قرار نہ دیتا تو کوئی بدبخت ہی ارتکابِ زنا کرتا۔

۱۱۔ طبری نے عمرو ابن مُرّہ سے نقل کیا ہے۔ عمرو کہتا ہے۔ کہ میں نے سعید ابن جبیر سے آیت متعہ کی تلاوت بعینہٖ حدیث نمبر ۴ کی طرح مع تشریحی الفاظ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی (مدتِ معینہ تک) سُنی ہے۔

علامہ طبری کی ان گیارہ روایات جن میں سے مفہوم تو تمام کا ایک ہی ہے۔ البتہ الفاظ اکثر تو ایک جیسے ہیں جبکہ بعض احادیث کے الفاظ مختلف ہیں۔ اور سلسلہ سند تمام کا جُدا جُدا ہے۔ کا مقصد واضح اور غیر مبہم ہی ہے۔ کہ متعہ جائز اور غیر منسوخ ہے۔ یہ تمام روایات تفسیر قرآن میں آئی ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اتنے صحابہ مع حبر الامت جناب عبداللہ بن عباس سب جھوٹ بولتے ہیں۔ اور ان تمام کو آیت متعہ منسوخ ہونے کا علم نہ تھا۔

ہمارا مقصد چونکہ متعہ کے بارے میں تمام پہلوؤں کو دیکھنا ہے۔ اور اس سلسلہ میں درست یا نادرست جو بھی مواد موجود ہے۔ اس کو پیش کر کے صحیح حکم شریعت اسلامیہ معلوم کرنا ہے۔ اس لیے علامہ طبری کی ان احادیث و روایات کو بھی پیش کرنے کے بعد آیت متعہ غیر منسوخ اور جواز متعہ کی دلیل بنتی ہے۔ اب علامہ طبری کی ان روایات کو بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ برادرانِ اہل سنت کو اس سلسلہ میں جو مغالطہ دیا جاتا ہے۔ وہ اس سے بچ جائیں اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ اس سلسلہ میں علامہ طبری کو کُل پانچ ایسی

روایات مل سکی ہیں۔ جو حرمت متعہ کی دلیل میں انھوں نے پیش کی ہیں۔

۱۔ حسن سے روایت ہے کہ آیت میں لفظ استمتعتم سے مراد نکاح ہے

۲۔ مجاہد سے منقول ہے۔ کہ آیت میں لفظ استمتعتم سے مراد نکاح ہے

۳۔ مجاہد سے مروی ہے۔ کہ آیت میں استمتاع سے مراد نکاح ہے۔

۴۔ طبری نے علی بن طلحہ سے اور علی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن عباس نے فما استمتعتم کے الفاظ کے متعلق فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی شخص اگر کسی عورت سے نکاح دائمی ایک مرتبہ کرے تو اس عورت کا حق مہر مرد کے ذمہ واجب الادا ہو جاتا ہے۔ استمتاع سے مراد نکاح دائمی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں ارشاد قدرت ہے۔ اٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ

۵۔ طبری نے علی بن طلحہ سے اور علی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن عباس نے فما استمتعتم بہ منھن کے متعلق کہا کہ یہ نکاح دائمی ہے۔ اور قرآن میں نکاح دائمی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر تو بذریعہ نکاح دائمی کوئی عورت لے۔ اور اس سے لطف اندوز ہو جائے۔ تو اس کی اُجرت حق مہر ادا کرے ہاں اگر عورت اپنی طرف سے ادا کردہ یا وعدہ کردہ حق مہر میں سے کچھ یا تمام معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ نے عورت کے لیے عدتِ وفات اور میراث دونوں کو واجب قرار دیا ہے۔

ان پانچ روایات کا ہمیں جائزہ لینا ہوگا کہ حرمت متعہ کے تقاضے کیسے پورا کرتی ہیں؟ اور کیا ان سے حرمت متعہ ثابت ہو بھی سکتی ہے۔ یا نہیں؟ متن کے لحاظ سے ان روایات کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی تین روایات میں یہ صراحت نہیں کہ استمتاع سے مراد دائمی نکاح ہے۔ بلکہ صرف لفظ نکاح ہے۔ اور لفظ نکاح سے مراد جس طرح دائمی نکاح لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح نکاح میعادی بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے پہلی تین روایات حرمت متعہ کے تقاضے پورا نہیں کرتیں۔ بلکہ ان تین روایات کو جس طرح حرمت متعہ کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان تین روایات کو جواز متعہ کی دلیل بھی بنایا جا سکتا ہے۔ ان تین روایات میں نہ تو نکاح دائمی کا ثبوت ہے اور نہ نکاح میعادی کی نفی ہے۔ لہذا یہ تینوں روایات حرمت متعہ کی دلیل بننے سے قاصر ہیں۔ اب ان ہی آخری دو روایات ہیں جن میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ استمتاع سے مراد دائمی نکاح ہے۔ اور اجرت سے مراد حق مہر ہے۔ تو حسب ذیل امور کی بنا پر یہ بھی حرمت متعہ کی دلیل بننے سے قاصر ہیں۔

۱۔ علامہ طبری کی وہ روایات جو انہوں نے جواز متعہ کے بارے میں نقل کی ہیں وہ تعداد میں گیارہ ہیں۔ اور جو حرمت متعہ کی متعلق روایات نقل کی ہیں۔ ان کی تعداد دو ہے۔ گیارہ اور دو کا مقابلہ کوئی دانش مند کرنے کی جسارت نہیں کرتا۔ ظاہر ہے۔ کہ جس طرف دو روایات ہیں ۔ وہ پہلو کمزور ہے۔ اور جس طرف گیارہ روایات ہیں۔ وہ پہلو طاقتور ہے۔ لہذا جواز متعہ کی گیارہ

روایات کے مقابلہ میں حرمت متعہ کی دو روایات نہیں آسکتیں۔ دو روایات کا چھوڑنا جتنا آسان ہے گیارہ روایات کا ترک کرنا اتنا مشکل ہے۔ اور یہ حقیقت ثبوت متعہ کی دلیل ہے۔

۲۔ جواز متعہ کے سلسلہ میں علامہ طبری کی نقل کردہ روایات ہیں۔ جن میں محدثین اثنا عشریہ علمائے فقہ جعفریہ، آئمہ اہل سنت اور علمائے سواد اعظم کا اتفاق کامل ہے۔ اور اسی کا نام اجماع امت ہے۔ جبکہ دو روایات اوّلاً تو امت محمدیہ کی ایک امت بڑی تعداد کے لیے قابل قبول نہیں۔ اور ثانیاً علمائے سواد اعظم نے بھی انہیں ماننے میں تامل سے کام لیا ہے۔ لہذا جواز متعہ کی روایات درست اور قابل قبول ہیں۔

۳۔ حرمت متعہ کے سلسلہ میں نقل ہونے والی دو روایات مخالف قرآن ہیں جبکہ جواز متعہ کی گیارہ روایات حکم قرآن کے مطابق ہیں۔ جو روایات حکم قرآن کے کھلی مخالف ہوں۔ دو تو کیا اگر دو سو بھی ہوں جب بھی قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ اور حکم قرآن کے موافق روایات گیارہ کی بجائے صرف ایک ہو جب بھی قابل قبول ہو گی۔ لہذا حرمت متعہ کی روایات ناقابل قبول ہونے کی وجہ سے قابل رد ہیں۔ اور جواز متعہ کی روایات قابل قبول ہیں۔

۴۔ جواز متعہ کی روایات تعداد میں زیادہ ہونے، امت کے لیے اجماعی ہونے اور مطابق قرآن ہونے کے علاوہ سلسلہ سند میں اتنی قوی اور مضبوط ہیں کہ ان میں کسی قسم کی جرح و تنقید کی گنجائش نہیں جبکہ حرمت متعہ کی دو روایات تعداد میں کم ہونے، امت میں متنازع فیہ ہوتے اور مخالف قرآن ہونے کے علاوہ سلسلہ سند میں اتنی کمزور تر ہیں، کہ احادیث پر جرح و تنقید کے اصول کے سامنے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتیں۔ لہذا جواز متعہ کی احادیث

صحیح اور حرمت متعہ کی روایات نادرست اور قابل رد ہیں۔

(جواز متعہ مصنفہ اشیر جاڑوی شیعی از صفحہ ۱۳ تا ۲۴

مکتبہ انوار نجف دریا خان بھکر)

جواب:

جاڑوی شیعہ کی مذکورہ طویل ترین تحریر تین امور پر مشتمل ہے

امر اوّل

طبری میں آیت استمتاع سے مراد متعہ معروفہ کے حق میں گیارہ اور نکاح کے مفہوم پر پانچ روایات مذکور ہوئیں۔ موخر الذکر پانچ میں سے تین میں صرف نکاح لکھا ہے۔ جو میعادی اور دائمی نکاح دونوں پر بولے جانے کی وجہ سے مساوی ہوا۔ صرف دو روایات نکاح دائمی کے حق میں ہیں۔ اس لیے دو، گیارہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

امر دوم:

حلت متعہ کی روایات شیعہ سنی دونوں مکتبہ فکر کی کتب میں موجود ہونے کی وجہ سے یہ امر اجماعی ہوا۔

امر سوم:

طبری میں مذکور دو روایات، ہی نکاح دائمی پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ

گیارہ عدد روایات، ثبوتِ متعہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اور وہ دونوں قرآن کریم کی آیت کے بھی خلاف ہیں۔ لہٰذا وہ قابل قبول نہیں۔

جواب امر اوّل

تعداد کی قلت اور کثرت کو روایات میں ترجیح اور عدم ترجیح کا معیار قرار دینا جاڑوی کا اپنے گھر کا ضابطہ اور قانون تو ہو سکتا ہے۔ فنِ حدیث اور روایت میں اس نام کا کوئی قانون موجود نہیں۔ اور ان روایات میں لفظ نکاح کو میعادی اور دائمی دونوں کے لیے مشترک ماننا اس کی دوسری جہالت ہے۔ جس عورت سے نکاح دائمی ہوا سے منکوحہ کہتے ہیں۔ اور جس سے وقتی ہو۔ اُسے منکوحہ نہیں بلکہ متمتعہ یا مستاجرہ کہتے ہیں۔ قلت و کثرت روایات کو معیار ترجیح ٹھہرانا جہالت ہے۔ ہاں وصفِ، عدالت وجہ ترجیح بن سکتی ہے۔ علم اصول کی معتبر کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو۔

نور الانوار

فَإِذَا وَقَعَ التَّعَارُضُ بَيْنَ الْخَبَرَيْنِ فَالتَّرْجِيحُ لَا يَقَعُ بِفَضْلِ عَدَدِ الرُّوَاةِ وَبِالذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ وَالْحُرِّيَّةِ يَعْنِي إِذَا كَانَ فِي أَحَدِ الْخَبَرَيْنِ الْمُتَعَارِضَيْنِ كَثْرَةُ الرُّوَاةِ وَفِي الْآخَرِ قِلَّتُهَا أَوْ كَانَ رَاوِي أَحَدِهِمَا مُذَكَّرًا وَالْآخَرِ مُؤَنَّثًا أَوْ رَاوِي أَحَدِهِمَا حُرًّا وَالْآخَرِ عَبْدًا لَمْ يَتَرَجَّحْ أَحَدُ الْخَبَرَيْنِ عَلَى الْآخَرِ بِهٰذِهِ الْمَزِيَّةِ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَةَ فِي هٰذَا الْبَابِ

الْعَدَالَةَ وَهِيَ لَا تَخْتَلِفُ بِالْكَثْرَةِ وَالذُّكُورَةِ وَالْحُرِّيَّةِ فَإِنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ أَفْضَلَ أَكْثَرِ الرِّجَالِ وَبِلَالٌ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ أَكْثَرِ الْحَرَائِرِ وَجَمَاعَةَ الْقَلِيلَةِ الْعَادِلَةِ أَفْضَلُ الْكَبِيرِ الْعَاصِيَةِ وَفِي قَوْلِهِ فَضْلُ عَدَدِ الرُّوَاةِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ عَدَدًا لَا يُتَرَجَّحُ عَلَى عَدَدٍ بَعْدَ أَنْ كَانَ فِي دَرَجَةِ الْآحَادِ۔

(نورالانوار ص ۲۰۵ مبحث التعارض،
سعید کمپنی)

ترجمہ:

جب دو خبروں (احادیث) کے درمیان تعارض واقع ہو جائے۔ تو ترجیح کا یہ طریقہ نہیں۔ کہ زیادہ راویوں والی کو ترجیح دی جائے۔ مذکر راوی کے مقابلہ میں مونث کو ترجیح نہ ہو۔ آزاد راوی کی روایت غلام کی روایت سے راجح ہو جائے۔ مطلب یہ کہ دو متعارض خبریں ایسی ہیں۔ کہ ایک میں راویوں کی تعداد زیادہ اور دوسری میں کم۔ یا ایک کا راوی مذکر اور دوسری کی مونث یا ایک کا راوی آزاد اور دوسری کا غلام تو اس اعتبار سے ترجیح نہ ہو گی۔ کیونکہ روایت کی ترجیح میں اصل اعتبار "عدالت" کا ہے۔ اور عدالت میں کثرت و قلت یا تذکیر و تانیث کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورت ہوتے ہوئے بہت سے مردوں سے افضل ہیں۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ باوجود غلام ہونے کے بہت سے آزاد لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اور مختصر (افراد پر مشتمل) جماعت جو

عادل ہو۔ ایسی جماعت سے افضل ہوتی ہے۔ جس کے افراد تو بہت زیادہ ہوں۔ لیکن ہوں فاسق و فاجر۔ اور راویوں کی تعداد کے زیادہ ہونے ہوئے۔ اس کو فضیلت قرار نہ دینا اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ جب راویوں کی تعداد ایک خبر واحد میں تھوڑی ہو۔ اور اس کے مقابل میں زیادہ۔ تو اس کمی بیشی کا روایت کی صحت و عدم صحت میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔

توضیح:

عبارت مذکورہ نے واضح کر دیا۔ کہ خبر واحد کے درجہ میں قلت و کثرتِ رواۃ یکساں ہیں۔ اگر ترجیح کی وجہ ہو گی۔ تو وُہ ان کا عادل یا غیر عادل ہونا ہو گی۔ خبر واحد کے راویوں کی قلت و کثرت اس لیے کہا۔ کہ اگر کثرتِ راویان سے وہ خبر درجہ تواتر کو پہنچ جائے۔ کہ جن کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا ناممکن ہو۔ تو اتنی کثرت اس روایت کو خبر واحد سے نکال کر خبر متواتر میں داخل کر دے گی۔

تو معلوم ہوا۔ کہ خبر واحد کے ہوتے ہوئے راویوں کی کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہر حال خبر واحد ہی رہے گی۔ اس کی اصل تصدیق ہم خود ان شیعوں کی کتاب سے پیش کیے دیتے ہیں۔

معالم الاصول

اصل وَخَبَرُ الْوَاحِدِ هُوَ مَالَمْ يَبْلُغْ حَدَّ التَّوَاتُرِ سَوَآءٌ كَثُرَتْ رُوَاتُهُ اَمْ قَلَّتْ وَلَيْسَ شَأْنُهُ اِفَادَةَ الْعِلْمِ بِنَفْسِهٖ۔

(معالم الاصول ص ۲۲۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

اصل۔ خبر واحد وہ ہوتی ہے۔ کہ جس کے راویوں نے تعداد حد تواتر تک نہ پہنچے۔ برابر ہے کہ راوی تعداد میں قلیل ہوں یا کثیر۔ اور یقین کا فائدہ دینا اس کی شان نہیں ہے۔

توضیح:

اثیر جاڑوی نے راویوں کی قلت اور کثرت کو جو معیار صحت اور عدم صحت قرار دیا خود ان کے مسلک کی اہم کتاب اس کی تردید کرتی ہے۔ اور ببانگ دہل کہہ رہی ہے۔ کہ اثیر جاڑوی نرا جاہل ہے۔ نہ اُسے علم اصول آتا ہے۔ اور نہ ہی اس نے اِسے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تعداد ایک ہو یا بہت اس سے خبر واحد، خبر واحد ہی رہتی ہے ہاں اگر تواتر تک تعداد ہو تو اس کا اعتبار ہے۔ لیکن تواتر سے کم تھوڑے، زیادہ کا کوئی امتیاز نہیں بلکہ مذکر و مونث، آزاد غلام کا بھی فرق نہیں۔ اہل سنت کی کتاب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا ذکر ہے۔ اس پر کوئی شیعہ سیخ پا ہو سکتا ہے۔ تو پھر اس سے ہم یہ کہیں گے۔ کہ خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مؤنث ہوتے ہوئے کتنے مردوں سے افضل ہیں۔ اور اسی طرح ایک عادل ایک طرف اور بیسیوں فاسق و فاجر دوسری طرف دیکھئے تاکہ ان کے شیخ صدوق، طوسی، کلینی وغیرہ ایک ہی ان کے نزدیک جم غفیر پر بھاری ہے۔

جواب امر دوم:

”جواز متعہ“ فریقین کی کتب میں موجود ہونے کی وجہ سے متفق علیہ مسئلہ ہوا الخ یہاں بھی دھوکہ دیا گیا۔ کیونکہ روایات کے اتفاق سے ”اجماع“ کا انعقاد

نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اتفاقِ آراء اس کی اصل ہے۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی روایات شیعہ سنی دونوں کی کتب میں مذکور ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق خلیفہ تھے۔ لیکن اس اتفاق کے باوجود شیعہ اسے "اجماع" نہیں کہتے اثیر جاڑوی کے قانون کے مطابق یہی بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صادق آتی ہے۔ لہٰذا اس پر اجماع ہونے کی وجہ سے وہ "متفق علیہ" قرار پائی۔ اس کا انکار عناد و بغض کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اتفاقِ روایات اور چیز ہے۔ اور اتفاق آراء دوسری چیز ہے۔ اور "اجماع" اس دوسری قسم کے اتفاق کا نام ہے۔

جواب امر سوم:

دو عدد روایات چونکہ خلاف اجماع اور مخالف قرآن ہیں۔ لہٰذا وہ نامقبول ہیں الخ۔ کے الفاظ آپ پڑھ چکے ہیں۔

اثیر جاڑوی نے صرف ایک تفسیر سے کس چالاکی اور مکاری سے یہ ثابت کرنا چاہا۔ کہ اس میں جس قدر نفی و اثباتِ متعہ کی روایات ہیں۔ بس ان کی تعداد اتنی ہی ہے۔ تفسیر مظہری، تفسیر کبیر، تفسیر مدارک وغیرہ کئی اور تفاسیر بھی ہیں کہ جن میں حرمتِ متعہ کی بہت سی روایات ہیں۔ اور اہل سنت کی تمام تفاسیر اور فقہی مکاتب حرمتِ متعہ پر متفق ہیں۔ بلکہ اہل تشیع کے ہاں بھی اس کی تائید میں حوالہ جات موجود ہیں۔ بہر حال اہل سنت کے ہاں حضرات صحابہ کرام سے حرمتِ متعہ پر اجماع کی بہت سی روایات ہیں۔ جن میں سے ایک دو پیش خدمت ہیں۔

تفسیر ابو جعفر الناسخ والمنسوخ

وَثَبَتَ حُرْمَةُ الْمُتْعَةِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَالْإِجْمَاعُ قَوِيٌّ مِّنْ هٰذَا۔

(تفسیر ابو جعفر الناسخ والمنسوخ جلد ۱ ص ۱۰۵)

ترجمہ:

"حرمت متعہ" اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ اور اجماع صحابہ بہرحال خبر واحد سے زیادہ مضبوط دلیل ہے۔

فتح الباری

قَالَ الْخِطَابِیْ تَحْرِیْمُ الْمُتْعَةِ كَالْإِجْمَاعِ إِلَّا بَعْضَ الشِّیْعَةِ۔

(فتح الباری جلد ۹ ص ۱۴۲)

ترجمہ:

خطابی نے کہا۔ کہ حرمت متعہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ صرف اہل تشیع کا اس میں اختلاف ہے۔

امور ثلاثہ کے جوابات سے آپ پر یہ بات منکشف ہو گئی ہو گی۔ کہ نجفی جارڈوی نے فریب اور دھوکہ دہی سے اپنے ساتھیوں اور امور ثلاثہ کے جوابات سے آپ پر یہ بات اور عوام اہل سنت کو یہ باور کرانے کی جسارت کی۔ کہ متعہ جائز ہے لیکن حقیقت حال سامنے آنے پر بخوبی جان چکے ہوں گے۔ کہ یہ مکر و فریب اور دھوکہ تھا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حرمت متعہ والی سنی روایات پر بے جا تنقید

جواز متعہ

حرمتِ متعہ کی دو روایات اور ان کے راوی کا حال سُنیں۔ پہلی روایت کے سلسلۂ سند میں دو راوی ہیں معاویہ ابن صالح اور علی بن طلحہ۔ معاویہ ابن صالح کے متعلق برادرانِ اہل سنت کی مشہور کتاب میزان الاعتدال جن کے مصنف معروف تر سُنی عالم علامہ ذہبی ہیں۔ جلد ۲ ص ۱۳۵ شمارہ نمبر ۸۶۲۴ میں لکھتے ہیں۔ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ قابل استدلال نہیں۔ یعنی معاویہ بن صالح کی حدیث اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جاسکے۔ یا اس پر اعتماد کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں معاویہ ابن صالح سے ایک حدیث بھی نقل نہیں کی۔ اب علی بن طلحہ جو حرمت کی روایت کا دوسرا راوی ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی اور امام احمد بن حنبل سے سن لیجئے کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

میزان الاعتدال

فھو مدلس کذاب یسند الحدیث الی اناس لم یرھم ولم یروا عنھم قال رحیم لم یسمع علی بن ابی طلحۃ التفسیر عن ابن عباس وقال احمد بن حنبل لہ منکرات۔

(میزان الاعتدال جلد سوم ص ۱۳۴ شمارہ ۵۸۷۵)

ترجمہ:

علی بن ابو طلحہ تدلیس کنندہ ہے اور جھوٹا ہے۔ یہ اپنی حدیث کا سلسلہ ایسے افراد سے جوڑتا ہے جنہیں نہ تو اس نے دیکھا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اُن سے روایت کی ہوتی ہے۔ رحیم کا کہنا ہے۔ کہ علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس سے تفسیر کا ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ امام احمد حنبل فرماتے ہیں۔ کہ علی بن ابو طلحہ نے عجیب باتیں بنائی ہیں۔

یہ ہیں ائمہ فن روایت جن کے واضح فتاوی ہیں کہ معاویہ ابن صالح ناقابلِ اعتماد ہے۔ اور امام بخاری نے اس کی کسی حدیث کو صحیح بخاری میں نہیں ذکر کیا۔ علی بن ابو طلحہ جھوٹا ہے۔ جن لوگوں کو اس نے دیکھا تک نہیں کہتا ہے۔ کہ میں نے ان سے حدیث سنی ہے۔ اب ایسے راوی جس کی حدیث امام بخاری جیسے افراد نہ لیں ان کی کسی حدیث کو لینا دیانت اور دینداری کے صریح خلاف ہوگا۔ لہذا حرمت متعہ کی پہلی روایت حرمتِ متعہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

جواب: اثیر جالروی نے عبارت بالا میں حرمت متعہ کی روایت کے دو

راویوں پر جرح ذکر کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ راوی معاویہ بن صالح قابل استدلال نہیں۔ اور اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کی ایک روایت بھی اپنی صحیح میں ذکر نہیں کی۔

راوی جناب معاویہ بن صالح کے بارے میں وہ جملہ جو معترض نے ذکر کیا۔ وہ ابو حاتم کی رائے ہے۔ صرف ایک ناقد کی رائے جمہور ناقدین کی آراء کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اثیر جاڑوی نے اس ایک رائے کو تمام ناقدین کی رائے کے طور پر پیش کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ اس کی حدیث اس قابل نہیں۔ کہ اس سے استدلال کیا جا سکے۔ یہ ایک کھلا دھوکہ ہے۔ بہت سے محدثین نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ اور ان کی روایت کو قابل حجت تسلیم کیا ہے۔ اس پر میزان الاعتدال سے ہی ہم حوالہ پیش کریں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ امام بخاری نے ان کی کوئی روایت اپنی صحیح میں ذکر نہیں کی۔ تو اس کی وجہ وہ نہیں جو جاڑوی نے بیان کی۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے۔ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی بارے میں اپنی مخصوص شرائط ہیں۔ اور وہ بہ نسبت دوسرے محدثین کرام کے ذرا سخت ہیں ان شرائط کے موجود ہونے کی بنا پر انہوں نے معاویہ بن صالح کی روایت کو نہیں لیا۔ یہ اسی طرح ہے۔ کہ جس طرح امام بخاری نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بھی اپنی صحیح میں درج نہ کی۔ اس کی وجہ بھی وہی شرائط کا نہ پایا جانا ہے۔ کیونکہ امام بخاری اور امام جعفر صادق کے درمیان جو واسطے ہیں۔ وہ امام بخاری کی شرائط پر پورے نہیں اترتے۔ لیکن امام مسلم کی شرائط روایت چونکہ معاویہ بن صالح میں پائی جاتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے صحیح مسلم میں ان کی روایت کو ذکر فرمایا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تصدیق ملاحظہ ہو۔

معاویہ بن صالح کی شخصیت

میزان الاعتدال:

مُعَاوِيَةَ ابْنِ صَالِحِ الْحَضْرَمِي الْحمْصِي قَاضِي الْاَنْدلس اَبُوْعَمرو رَوٰى عَنْ مَكْحُوْلٍ وَالْكبَار وَ عَنْهُ ابْنُ وَهْبٍ وَعَبْدُالرَّحْمٰن بُن مَهْدِيٍ وَاَبُوْ صَالِح وَ طَآئِفَةٌ وَثَقَةُ اَحْمَد وَاَبُو زُرْعَةَ وَ غَيْرِهِمَا وَ قَالَ ابْنُ عَدِى وَ هُوَعِنْدِىْ صَدُوْقٌ وَهُوَمِمَّنِ احْتَجَ بِهِ الْمُسْلِم دُوْنَ الْبُخَارِىْ .وَ تَرَى الْحَاكِمُ يَرْوِىْ مُسْتَدْرِكَهٗ اَحَادِيْثِهٖ وَيَقُوْلُ هٰذَا عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِىْ فِيْهِمْ فِىْ ذٰلِكَ وَ يَعْتَدِرُذ۔

(میزان الاعتدال ص ۱۷۹ تا ۱۸۰ جلد ۳
حرف میم مطبوعہ مصر طبع قدیم اولیٰ ۱۳۲۵ھ)

ترجمہ:

ابوعمرو معاویہ بن صالح حضرمی حمصی اندلس کے قاضی تھے۔ مکحول اور دوسرے بڑے بڑے حضرات سے روایت حدیث کرتے ہیں اور ان سے ابن وہب، عبدالرحمٰن بن مہدی ابوصالح اور دوسرے، ثبت سے

محدثین کرام نے روایتِ حدیث فرمائی۔ امام احمد ابوذرعہ وغیرہ نے انہیں "ثقہ" کہا۔ ابن عدی کا کہنا ہے۔ کہ یہ میرے نزدیک "صدوق" ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ کہ جن سے امام مسلم نے حجت پکڑی۔ امام بخاری نے نہیں مستدرک میں حاکم نے ان کی روایات ذکر کیں۔ اور کہا کہ یہ روایت امام بخاری کی شرط پر ہے۔

توضیح:

معاویہ بن صالح کے بارے میں دونوں امور کی صراحت ہو گئی۔ کہ ابو حاتم نے اگرچہ ان کے بارے میں "لا یحتج بہ" کے الفاظ کہے ہیں۔ لیکن امام احمد بن حنبل اور ابوزرعہ ایسی جلیل القدر شخصیات ان کی ثقاہت کی تصریح فرما رہی ہیں۔ امام بخاری نے اگرچہ اپنی شرائط پر ان کی روایت کو پورا اترتے پایا۔ لیکن صاحب مستدرک نے ان کی ہی شرائط پر انہیں پورا اترتا ہوا دکھایا۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔

تہذیب التہذیب

قِيلَ اَبُوْعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْصِى اَحَدُ الْاَعْلَامِ وَقَاضِي الْاَنْدُلس وَعَنْهُ ثَوْرِىْ وَلَيْث بْنُ سَعْدٍ وَّابْنُ وَهْبٍ وَّمَعْنُ بْنُ عِيْسٰى وَزَيْدُ بْنُ حَبَاب وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِى وَحَمَّادُ بْنُ خَالِدِ الْخَيَاط وَبِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ وَاَسَدُ بْنُ مُوْسٰى وَاَبُوْ صَالِحٍ كَاتِبُ اللَّيْث وَغَيْرُهُمْ قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ عَنْ اَحْمَدِ خَرَجَ مِنْ حِمْصٍ قَدِيْمًا وَّكَانَ ثِقَةً وَّقَالَ

جَعْفَرَ الطَّيَالِسِيُّ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ وَقَالَ الْاَجْلِي وَالنَّسَائِيُّ ثِقَةٌ وَقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ ثِقَةٌ مُحَدِّثٌ وَقَالَ ابْنُ سَعْدٍ كَانَ بِالْاَنْدَلُسِ قَاضِيًا وَكَانَ ثِقَةً كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ وَقَالَ ابْنُ خِرَاشٍ صَدُوْقٌ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ لَهٗ حَدِيْثٌ صَالِحٌ وَمَا اَرَاهُ بِحَدِيْثِهٖ بَحْثًا وَهُوَ عِنْدِيْ صَدُوْقٌ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ وَقَالَ الْبَزَّارُ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ وَقَالَ اَيْضًا ثِقَةٌ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۱۰ حرف میم مطبوعہ بیروت بمطابق دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ہند)

ترجمہ:

بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابو عبد الرحمٰن حمصی مشہور محدثین میں سے ایک ہوئے ہیں۔ اور اندلس کے قاضی تھے۔ ان سے روایت کرنے والے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ثوری، لیث بن سعد، ابن وہب، معن بن عیسیٰ زید بن حباب، عبد الرحمٰن بن مہدی، حماد بن خالد الخیاط بشیر بن السری اسد بن موسیٰ اور ابو صالح کاتب الیث وغیرہ۔ امام احمد سے ابو طالب بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ راوی حمص سے جب تشریف لے گئے۔ تو ثقہ تھے۔ ابن معین سے جعفر طیالسی نے ان کی ثقاہت بیان کی۔ الاجلی اور نسائی نے انہیں ثقہ کہا۔ ابو زرعہ انہیں ثقہ محدث کہتے ہیں۔ ابن سعد کا کہنا ہے۔ کہ یہ اندلس میں قاضی تھے۔ اور کثیر الحدیث محدث ثقہ تھے

ابن خراش نے بھی انہیں ثقہ لکھا۔ ابن عدی ان کی حدیث کو صالح کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ مجھے ان کی روایت کردہ حدیث میں کوئی بحث نہیں اور وہ میرے نزدیک صدوق ہیں۔ ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقہ راویوں میں کیا۔ اور نیز انہوں نے کہا۔ کہ ان کی مرویات پر کوئی بحث نہیں اور یہ ثقہ بھی ہیں۔

لمحہ فکریہ:

آخر جاڑوی اگر ایمان داری سے کام لیتا۔ اور حق و باطل کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا۔ تو یہ ہرگز نہ کہتا۔ کہ جناب معاویہ بن صالح ایسے راوی ہیں۔ جن کی روایات قابل استدلال نہیں۔ اور اسے میزان الاعتدال کی پوری عبارت نقل کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا۔ کہ ایسا کرنے سے اس کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جائے گا۔ حرمتِ متعہ کے ایک راوی کے بارے میں آپ نے جاڑوی کی کذب بیانی دیکھی۔ اور اب دوسرے راوی جناب علی بن ابی طلحہ کے متعلق سنئیے۔ جاڑوی نے میزان الاعتدال میں مذکور ہے۔ لیکن اس راوی کے حالات وغیرہ کے بارے میں یہ دو لفظ (مدلس، کذاب) کہ اپنی خرافات کو صاحب میزان کی طرف سے پیش کر دیا۔ اور ایسا کرنے سے ذرا بھر خوفِ خدا نہ آیا۔ کہ مجھ سے اس کی باز پرس ہو گی۔ ان دو الفاظ کو اگر جاڑوی میزان الاعتدال سے مذکور راوی کے بارے میں دکھادے تو منہ مانگا انعام پائے۔ ورنہ وہ انعام تو مل کر ہی رہے گا۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں الفاظ سے ذکر فرمایا۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ علی بن ابی طلحہ راوی کے بارے میں اسماء الرجال کی مشہور کتاب میں یہ تحقیق مذکور ہے۔

تہذیب التہذیب

قَالَ نَسَائِیْ لَیْسَ بِہٖ بَأْسًا ذَکَرَہٗ ابْنُ حَبَّانٍ فِی الثِّقَاتِ لَہٗ عِنْدَ مُسْلِمٍ حَدِیْثٌ وَاحِدٌ فِیْ ذِکْرِ الْعَزْلِ رَوٰی لَہُ الْبَاقُوْنَ حَدِیْثًا اٰخَرَ فِی الْفَرَائِضِ قُلْتُ وَنَقَلَ الْبُخَارِیْ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ رِوَایَۃَ مُعَاوِیَۃَ ابْنِ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ شَیْئًا کَثِیْرًا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۳۴۰ مطبوعہ
دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

ترجمہ:

امام نسائی نے کہا۔ کہ علی بن ابی طلحہ کی روایات لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے ان کی طرف ایک روایت عزل کے بارے میں ذکر کی۔ اور دوسرے محدثین نے ان کی ایک اور روایت فرائض کے بارے میں بھی ذکر کی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ امام بخاری نے اپنی تفسیر میں ایسی بہت روایات ذکر کی ہیں۔ جو انہوں نے معاویہ ابن صالح کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے بیان کیں۔

لمحہ فکریہ

امام نسائی جس کی روایات پر اعتبار کریں۔ ابن حبان جنہیں ثقہ بتائیں۔ امام مسلم اور دیگر محدثین ان سے روایت کریں اور امام بخاری ایسا جلیل القدر محدث ان کی

تفسیری روایات اپنی کتاب میں درج فرمائیں۔ جو انہوں نے بالواسطہ حضرت ابن عباس سے بیان کیں۔ ان تمام خوبیوں کو بالائے طاق رکھ کر جاڑوی نے انہیں بھی اپنا ساتھی بنانے کی ناپاک کوشش کی۔ اور بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اپنی طرف سے ان کے بارے میں "کذاب" لکھ دیا۔ اور پھر کمال بے حیائی سے الزام صاحب میزان الاعتدال کے سر تھوپ دیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کذب بیانی جاڑوی کے رگ و ریشہ میں اپنے بڑوں کی طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ خود بھی گمراہ ہے اور گمراہ کن باتوں سے سادہ لوح لوگوں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے آخر دوزخ کا ایندھن بھی تو اللہ تعالیٰ نے تیار کرنا ہے۔

فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار

دھوکہ اور کذب بیانی نمبر (۴)

جواز متعہ

علامہ طبری کی حرمت متعہ کے سلسلہ میں دوسری روایت کے سلسلہ سند پر نظر ڈالیں۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت بھی ریت کا تھرتھراتا ہوا محل ہے۔ جسے انگلی کا ایک معمولی سا اشارہ بھی کافی ہے۔ اس روایت کا سلسلہ سند بالکل نہیں ہے۔ یہ روایت نہ تو کسی اصحابی سے منسوب ہے۔ اور نہ ہی کسی تابعی سے منسوب ہے اس روایت کا کوئی راوی معلوم نہیں۔ کیونکہ زید بن اسلم کے تین بیٹے عبداللہ بن زید، اسامہ بن زید اور عبدالرحمن بن زید ہیں۔ ان تینوں ابنائے زید میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا۔ کہ زید کے ان تینوں بیٹوں میں سے کون ابن زید راوی ہے۔ نہ تو خود زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحابیت حاصل کیا ابنائے زید میں سے کوئی آنحضرت کے زمانہ میں تھا۔ بلکہ ابنائے زید... دوسری ہجری کے وسط میں سے کوئی نامعلوم ابن زید جو روایت کرے وہ قابل قبول ہو سکتی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد دوم ص ۴۲۵ شمارہ نمبر ۴۲۳۱ میں رقم طراز ہیں۔ قال الجوزجانی الثلاثۃ ابناء زید والثلاثۃ صغفار فی الحدیث۔ جوزجانی کہتا ہے۔ کہ زید کے تین بیٹے ہیں۔ جو کہ نقل حدیث میں ناقابل اعتماد ہیں ـــ (میزان الاعتدال جلد دوم ص ۵۶۴ شمارہ نمبر ۴۸ - ۶۸ قال یحییٰ ابن معین

بنو زید بن اسلم لیسوا بشئی زید بن اسلم کے بیٹے لیس بشئی ہیں۔ علمائے علم رواۃ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ زید کے تینوں بیٹوں میں سے جو بیٹا بھی راوی ہو۔ وہ ناقابل اعتماد ہے۔ اور اس کی روایت مقام استدلال میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت حال۔ پس منظر اور پیش منظر کا جائزہ لینے کے بعد خود برادران اہلسنت کی کتابوں نے اور معتبر علماء۔ کی کتابوں نے اور معتبر علمائے اہل سنت نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ حرمتِ متعہ کی دونوں روایات جو علامہ طبری نے نقل کی ہیں وہ کسی بھی لحاظ سے قابل تسلیم نہیں۔ لہٰذا جوازِ متعہ کی روایات درست ثابت ہوئیں اور متعہ جس طرح زمانۂ رسول علیہ السلام میں جائز تھا آج بھی اسی طرح جائز ہے۔

(جواز متعہ از اثیر جاڑوی ص ۲۶)

جواب:

پہلا دعوای کہ روایت کی سند بالکل نہیں۔ دوسرا دعوای کہ زید بن اسلم راوی کے تین بیٹے ہیں۔ اور تینوں ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اور مزید یہ کہ ان میں سے راوی ایک ہے اور وہ بھی نامعلوم ہے۔ لہٰذا روایت مذکورہ قابل تسلیم نہیں

اثیر جاڑوی کو ہم اندھا تو نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ تفسیر قرطبی کے حوالہ جات نقل کرتا ہے۔ لیکن وہ کذاب،، ضرور کہیں گے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ روایت مذکورہ کی سند بالکل نہیں۔ سفید جھوٹ ہے۔ تفسیر طبری میں اس کی سند یوں مذکور ہے۔

تفسیر طبری

حدثنا یونس قال اخبرنا ابن وھب قال قال ابن زید الخ۔

(تفسیر طبری جلد ۵ ص ۹ زیر آیت فما استمتعتم)

سند مذکورہ میں دو راویوں کو ابن وہب، ابن زید کہہ کر لکھا گیا۔ شاید جاڑدی کو اس سے مغالطہ لگا ہو۔ کہ ابن زید یا ابن وہب کوئی نام نہیں۔ اس لیے راوی کا صراحۃً نام ذکر نہ کرنا روایت میں اعتراض کی گنجائش نکالتا ہے۔ یا اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ راوی دو مجہول ہیں۔ اگر یہی بات پیش نظر ہے۔ تو یہ اس کی بہت بڑی حماقت ہے۔ کیونکہ اگر کسی کا نام نہ لیا جائے۔ اور اس کے باپ کا نام لے کر اسی کی طرف اُس کے بیٹے ہونے کی نسبت کر دی جائے۔ تو باپ کی شہرت کی وجہ سے اس کا بیٹا بھی معلوم و معروف ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ کہ کسی کا نام اتنا معروف نہ ہو جس قدر اس کی کنیت وغیرہ ہوتی ہے۔ خواہ کنیت حقیقی ہو یا مجازی۔ جیسا کہ "ابوجہل" کہنے سے سبھی جانتے ہیں۔ کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔ اور اگر اس کا نام پوچھیے۔ تو مشکل ہی کوئی بتا سکے گا۔ خود جاڑدی نے بھی تو اسی انداز کو اپنایا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ "ابن رشد اندلسی نے یہ دعوی کیا ہے" مختصر یہ کہ روایت مذکورہ میں دو راویوں کا تذکرہ ابن وہب اور ابن زید سے کرنا ان کی جہالت کو لازم نہیں ہے۔ راوی کا مجہول ہوتا تب لازم آتا۔ کہ ابن وہب یا ابن زید کے بارے میں اسماء الرجال کی کتابوں سے کچھ نہ ملتا۔ ابن وہب سے مراد عبداللہ بن وہب بن منبہ ہے۔ اور ابن زید سے مراد محمد ابن زید ابن مہاجر ابن قنفذ ابن عمیر ابن جدعان القرشی ہے۔ اگر جاڑدی کو کسی راوی کی کنیت سے اس کا شجرہ نسب تلاش کرنا مشکل تھا۔ تو کسی اہل علم سے پوچھ لیتا۔ کتب اسماء الرجال میں مصنفین کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے۔ کہ کتاب کے آخر میں مختلف کنیت والے حضرات ذکر کر کے ان کے نام و نسب بیان کرتے ہیں۔ ابن وہب اور ابن وہب اور ابن زید کی کنیت تلاش کر کے ان کے بارے میں بھی واقفیت حاصل کی جا سکتی تھی۔ لیکن پھر اُسے دھوکہ کے لیے مواد کہاں سے ملتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۵

پر ابن زید کنیت والے راوی کا تذکرہ موجود ہے۔ وہاں اس کی سیرت اور روایت حدیث میں اہمیت مل سکتی ہے۔ لیکن دوسری بڑی حماقت اس کی دیکھئے کہ "ابن زید" سے مقصود زید کا بیٹا ہے۔ جس کا نام محمد ہے۔ اس کے بارے میں کچھ اظہار خیال کرتا۔ لیکن "زید اسلم" کے نام کا راوی لے کر پھر اس کے بیٹوں کے نام اور ان کے متعلق باتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ کہاں "زید بن اسلم" اور کہاں ابن زید بن مہاجر؟ زید بن اسلم کے تین بیٹے چھوڑ چار ہوں اس سے ہمیں کیا غرض جبکہ اس کے نام کا راوی روایت مذکورہ میں ہے ہی نہیں۔ اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ زید بن اسلم نام کا راوی صرف ایک ہے۔ اور اس کے جو حالات میزان الاعتدال کے حوالہ سے جاڑوی نے پیش کیے۔ وہ اس کتاب میں موجود ہی نہیں۔ اگر کتاب مذکور سے محمد بن اسلم کے وہ حالات جو اس نے بیان کیے ثابت کر دے۔ تو منہ مانگا انعام ملے گا۔ محمد بن اسلم کے حالات مذکور کتاب میں یُوں مرقوم ہیں۔

میزان الاعتدال

زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ مَوْلٰی عُمَرَ تَمَاکَدُ ابْنَ عَدِی یَذْکُرُهٗ فِی الْکَامِلِ فَاِنَّهٗ ثِقَةٌ حُجَّةٌ فَرَوٰی عَنْ حَمَّادِ ابْنِ زَیْدٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یَتَکَلَّمُوْنَ فِیْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ فَقَالَ لِیْ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مَا نَعْلَمُ بِهٖ بَاْسًا اِلَّا اَنَّهٗ یُفَسِّرُ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِهٖ۔

(میزان الاعتدال جلد اول ص ۳۶۱ حرف الزاء)

ترجمہ:

زید بن اسلم مولیٰ عمر کا تذکرہ ابن عدی نے الکامل میں کیا۔ اور اسے ثقہ اور

قابل حجت کہا۔ حماد بن زید سے روایت کی گئی ہے۔ کہ میں مدینہ منورہ گیا۔ تو وہاں لوگوں کو زید بن اسلم کے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے پایا۔ مجھے عبیداللہ بن عمر نے کہا۔ ہم اس سے روایت کرنے میں کوئی تنگی نہیں محسوس کرتے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ یہ شخص قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کرتا ہے۔

مذکورہ حوالہ سے ہمارا یہ مقصد نہیں۔ کہ زید بن اسلم کیسا راوی ہے۔ کیونکہ روایت زیر بحث میں اس نام کا کوئی راوی ہے ہی نہیں ہم نے یہ حوالہ اس لیے درج کیا ہے۔ تاکہ قارئین کرام یہ جان سکیں۔ کہ جاڑوی نے جورجانی کے حوالہ سے اس کے تین بیٹے بیان کیے تھے۔ وہ تینوں حدیثوں میں ضعیف تھے۔ اور ابن معین کے حوالہ سے لکھا۔ کہ وہ اسے لاشئی کہتے ہیں۔ زید بن اسلم نام کا راوی صرف ایک ہی ہے۔ اس لیے میزان الاعتدال میں نہ تو جورجانی کا کہیں قول موجود اور نہ ہی یحییٰ ابن معین کا لاشئی کہنا۔ اس سے جاڑوی کی جہالت کس قدر عیاں ہو رہی ہے ایسے جاہل کی دلیلوں کا جواب دینے کے لیے طبیعت گوارا ہی نہیں کرتی۔ لیکن عوام کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا پڑا۔ اب آیئے اس راوی کی طرف کہ حرمت متعہ میں جن کو ابن زید کہہ کر لکھا گیا۔ اسماء الرجال سے ان کی سیرت و اہمیت سنیئے۔

تہذیب التہذیب

مُحَمَّدُ ابْنُ زَيْدِ ابْنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذَ بْنِ عُمَيْرِ بْنِ جُدْعَانَ الْقُرَشِيُّ التَّيْمِيُّ الْمَدَنِيُّ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ وَرَوٰى عَنْ اَبِيْهِ وَ اُمِّهِ اُمِّ حَرَامٍ وَ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اَبِي

اللحم و عبد الله بن عامر و ابی امامة بن ثعلبة و سالم ابن عبد الله ابن عمر و سعید ابن المسیب و طلحة بن عبد الله بن عوف و محمد بن المنکدر و ابن سیلان و غیرهم روی عنه زهری و مالک و هشام ابن سعد و عبد الرحمن بن عبد الله بن دینار و عبد العزیز بن محمد و ابن ابی ذئب و ابن لهیعة و حفص بن غیاث و بشر بن المفضل و آخرون قال عبد الله بن احمد عن ابیه شیخ ثقة و قال ابن معین و ابو زرعة ثقة و ذکره ابن حبان فی الثقات قلت و قال ابو داؤد و الاجلی ثقة و قال البرقانی عن الدار قطنی یحتج به و قال مرة آخر یعتبر به۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۷۳ تا ۱۷۴ حرف المیم مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

محمد بن زید بن مہاجر مولی ابن عمر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ام حرام تھا۔ دوسرے حضرات کہ جن سے اس نے روایت کی۔ وہ یہ ہیں۔ عمیر مولی ابی اللحم، عبد اللہ بن عامر، ابو امامہ بن ثعلبہ، سالم بن عبد اللہ ابن عمر، سعید بن مسیب، طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، محمد بن المنکدر اور ابن سیلان وغیرہ۔ ان سے روایت کرنے والے چند حضرات

کے یہ نام ہیں۔ زہری، مالک، ہشام ابن سعد، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار، عبدالعزیز بن محمد ابن ابی ذہب، ابن لھیعہ، حفص بن غیاث بشر بن مفضل وغیرہ۔ عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ کہ محمد بن زید ثقہ راوی ہے۔ ابن معین اور ابو زرعہ نے بھی اسے ثقہ کہا ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ان کو ذکر کیا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ابو داؤد اور الاعجلی نے بھی ان کو ثقہ کہا۔ برقانی نے دارقطنی سے نقل کیا۔ کہ یہ قابلِ حجت ہیں۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ قابلِ اعتبار ہیں۔

لمحہ فکریہ:۔

حرمت متعہ کی دو عدد روایات کے راویوں پر جاڑوی کی تنقید کا ہم نے پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ فریب اور دھوکہ سے ان راویوں کے بارے میں جھوٹی باتیں خود بنائیں اور دوسروں کے سر تھوپ دیں۔ محمد بن زید ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ جنہیں جناب ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوگی۔ اور ان کا سلسلہ روایات تہذیب التہذیب کے حوالہ سے ہم پیش کرچکے ہیں۔ ان کے اساتذہ اور شیوخ میں یکتائے روزگار لوگ ہیں۔ اور پھر ان سے روایت اخذ کرنے والوں میں مشاہیر حضرات کی طویل فہرست ہے۔ لہذا جاڑوی کا یہ کہنا انتہائی کذب بیانی ہے۔ کہ وہ پس منظر اور پیش منظر کا جائزہ لینے سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کی کتابوں نے اور معتبر علمائے اہل سنت نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ حرمت متعہ کی دونوں روایات جو علامہ طبری نے نقل کیں۔ وہ کسی بھی لحاظ سے قابل تسلیم نہیں۔ لہذا جوازِ متعہ کی روایات درست ثابت ہوئیں۔ الخ،، اس پر اتنا ہی تبصرہ کافی ہے۔ ؎

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

دھوکہ اور کذب بیانی ۵

حرمتِ متعہ والی روایات متواترہ نہیں

جوازِ متعہ

ابن رشد اندلسی نے ہدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۵۷ پر حرمت متعہ کے سلسلہ میں واردہ احادیث کے لیے دعوائے تواتر کیا ہے۔ شیعہ سنی اصول حدیث کے مطابق حدیث متواترہ اُسے کہا جاتا ہے۔ جس کے ناقل صحابہ اتنی مقدار میں زیادہ ہوں۔ کہ انہیں جھٹلایا نہ جا سکے ضعیف و قوی خورد و کلاں اور صالح و غیر صالح ہر ایک کا دعویٰ ہو کہ میں نے خود اپنے کانوں سے آنحضور کی زبان سے یہ حکم سنا ہے۔ اگر ابتداءً آنحضور سے حدیث نقل کرنے والے مثلاً پانچ یا چھ صحابہ ہوں اور پھر ان پانچ یا چھ صحابہ سے سننے والے پچاس یا ساٹھ بن جائیں۔ تو ان تمام کا سلسلہ سند انہی پانچ یا چھ سے جا ملے۔ تو ایسی حدیث کو کسی بھی اصول حدیث میں حدیثِ متواترہ نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ حرمتِ متعہ کے لیے تمام منقولہ احادیث کا آخری سلسلہ سند تین صحابہ تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

!در تین صحابہ سے نقل شدہ حدیث کسی بھی لحاظ سے حدیثِ متواترہ کی فہرست میں نہیں آسکتی۔ جن تین صحابہ کی طرف احادیثِ حرمت متعہ کو

منسوب کیا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔(۱) حضرت علی بن ابی طالب (۲) سلمہ بن اکوع۔(۳) سبرہ ابن معبد جھنی۔ یا تو یہ کہا جائے کہ علامہ اندلسی جیسا بابصیرت شخص معنیٔ تواتر سے ناواقف تھا۔ یا خواہ مخواہ حرمتِ متعہ ثابت کرنے کی خاطر دعوای تواتر کا فقرہ داغ ڈالا۔ اور یا مولانا مودودی کی طرح حدیث کے سلسلہ میں اس کے نزدیک مزاجِ رسول کو دخل نہ تھا۔ یعنی اگر کسی حدیث کا راوی خواہ ایک ہو ضعیف سے ضعیف تر ہو اور وہ حدیث مزاج رسول کے مطابق ہو تو قابلِ تسلیم۔ اور اگر کسی حدیث کے راوی سَو سے بھی زیادہ ہوں لیکن وہ حدیث مزاجِ رسول کے خلاف ہو تو قابلِ تسلیم نہیں ہوگی۔ بہرصورت تین صحابہ سے نقل کی جانے والی کسی حدیث کو بھی، حدیث متواتر کہنا نہ صرف اصول حدیث کا منہ چڑانا ہے۔ بلکہ احکام خدا سے کھلا مذاق ہے۔

(جواز متعہ ص ۷۲ مکتبہ انوار نجف دریا خان بھکر)

جواب:

مذکورہ عبارت میں اٹھائے گئے نکات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ابن رشد بابصیرت اور اہل سنت کا قابل اعتماد عالم ہے۔

۲۔ حرمتِ متعہ کی روایات کا سلسلہ سند تین صحابہ تک پہنچتا ہے۔ علی المرتضیٰ سلمہ بن اکوع اور سبرہ ابن معبد۔

۳۔ حدیث متواتر کی اجماعی تعریف۔

ابن رشد کی سیرت

محمد بن احمد اندلسی المعروف ابن رشد واقعی یگانہ روزگار تھا۔ اس کا انہماک فلسفہ منطق اور طب کے علوم میں تھا۔ لہذا ایک فلسفی اور منطقی عالم ہونے کی وجہ سے علوم

مذکورہ میں تو اس کی تحقیق قابل تسلیم ہے۔ لیکن علم حدیث اور فقہ وغیرہ میں کمزور تھا امام غزالی اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

الکنی والالقاب

ابْنُ رُشْد اَبُوالْوَلِیْدِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ اندلسی الْمَالِکِیُ اَوْحَدُ زَمَانِهٖ فِی الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ وَالطِّبِّ وَالْفَلْسَفَةِ اِنَّمَا ذَکَرَهُ الْغَزَالِیُ بِمَعْزِلٍ عَنْ مَرْتَبَةِ الْیَقِیْنِ وَالْبُرْهَانِ وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهٖ لَاشَکَّ اَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ اَخْطَأَ عَلَی الشَّرِیْعَةِ کَمَا اَخْطَأَ عَلَی الْحِکْمَةِ۔

(الکنی والالقاب جلد ۱ ص ۲۹۰ تذکرہ
ابن رشد مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابن رشد ابوالولید محمد بن احمد اندلسی مالکی اپنے زمانہ کا علم وفضل اور طب وفلسفہ میں یکتا شخص تھا۔ امام غزالی نے اس کا تذکرہ جہاں کیا وہاں اس کی باتوں کو برہان اور یقین کے درجہ سے کم پر رکھا۔ اور آخر میں فرمایا۔ بے شک یہ شخص شریعت اور حکمت میں ٹھوکریں کھانے والا ہے۔

حدیث متواتر کی بحث

اثیر جاڑوی نے لکھا کہ اگر ایک روایت کے راوی پانچ چھ صحابہ ہوں

تو وہ روایت اگرچہ آگے جا کر دو چار سو لوگوں سے مروی ہو وہ پھر بھی متواتر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ متواتر وہ روایت ہے۔ کہ جس کے ناقلین اتنی تعداد میں ہوں جنہیں جھٹلایا نہ جا سکے۔ بقول جاڑوی حدیث متواتر کی تعریف میں دو باتیں غور طلب ہیں۔ ایک یہ کہ پانچ چھ صحابہ کرام کی روایت، روایت متواترہ نہیں۔ دوسری یہ کہ اتنے راوی ہونے چاہئیں کہ ان کی تکذیب ناممکن ہو۔ ان دونوں باتوں سے ثابت ہوا۔ کہ پانچ چھ صحابہ کرام کی تکذیب ممکن ہے۔ اس لیے ان کی روایت درجہ تواتر تک نہیں پہنچ سکتی قطع نظر اس کے کہ کیا حرمت متعہ کے راوی صرف تین حضرات ہی ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک روایت کو علی المرتضٰی، حسن و حسین، سلمان فارسی مقداد اور عمار یاسر چھ صحابہ بیان کریں۔ تو کیا اہل تشیع کے نزدیک وہ متواتر ہے۔ یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر پانچ چھ صحابہ کی روایت میں غیر متواتر کہنا غلط ہوا۔ اور اگر کہو کہ ان چھ حضرات کی روایت غیر متواتر ہے۔ تو اپنے مذہب کی خیر مناؤ۔ کیونکہ تمہارے مذہب میں اگر روایت میں ائمہ سے کسی امام کا نام نہ ہو۔ تو وہ خواہ کتنے بھی ہوں۔ ناقابلِ اعتبار۔ اور اگر امام کا نام آ جائے تو اس ایک کی وجہ سے حدیث مقبول۔ اب فرض کیجئے۔ کہ ایک روایت علی المرتضٰی اور حسنین کریمین بیان کرتے ہیں۔ ان تینوں سے پھر آگے بیان کرنے والے تعداد میں بہت ہو جاتے ہیں۔ تو کیا ایسی روایت متواتر نہ ہونے کی وجہ سے نامقبول اور غیر معتبر ہو گی؟ ادھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ (جو حرمت متعہ کی روایت کے ایک راوی ہیں) کا مقام اہل تشیع کے نزدیک انبیاء سے بھی بلند و بالا ہے۔ اسی بنا پر ان کی مرویات کو درجہ تواتر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اکیلے راوی ہوں تو وہ روایت متواتر ہو اور اگر دو ان کے ساتھ مل جائیں۔ تو وہ متواتر نہ بن سکے۔ یہ منطق سمجھ سے بالاتر ہیں۔ بہرحال حدیث متواتر کی تعریف جیسے جاڑوی نے اجمالی کہا۔ وہ غلط

ہے۔ اہل سنت کی اصول فقہ کی ایک کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو۔

قَوْلُهُ رَوٰى قَوْمٌ سَوَآءٌ كَانُوْا كُفَّارًا اَوْ مُسْلِمِيْنَ عَدُوْلًا اَوْ فُسَّاقًا اِلَّا اَنَّ الرُّوَاةَ اِذَا كَانُوْا عُدُوْلًا فَبِالْعَدَدِ الْقَلِيْلِ مِنْهُمْ يَحْصُلُ الْعِلْمُ وَاِذَا كَانُوْا فُسَّاقًا فَلَا بُدَّ لِعِلْمٍ مِّنَ الْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنْهُمْ وَلَوْ اَخْبَرَ وَاحِدٌ مِّنَ الْجَمَاعَةِ بِخَبَرٍ وَّسَكَتَ الْبَاقُوْنَ وَعُلِمَ بِالْاَمَارَاتِ اَنَّهُمْ لَوْ كَانُوْا مُتَرَدِّدِيْنَ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ لَمَا سَكَتُوْا فَهٰذَا الْخَبَرُ اَيْضًا فِيْ حُكْمِ الْمُتَوَاتِرِ يُفِيْدُ الْعِلْمَ وَيُسَمّٰى تَوَاتُرًا سُكُوْتِيًّا۔

(حاشیہ نور الانوار ص ۱۸۰ باب اقسام السنۃ
مطبوعہ طبع)

ترجمہ:

(خبر متواتر وہ ہے کہ جسے روایت کرنے والی ایک قوم ہو) قوم کے یہ افراد خواہ کافر ہوں یا مسلمان، عادل ہوں یا فاسق برابر ہیں۔ ہاں اگر روایت کرنے والے افراد عادل ہوں گے۔ تو ان کی تعداد اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی علم یقینی حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر فاسق ہوں گے۔ تو پھر تعداد بکثرت ہو گی تب جا کر مفید علم ہو گی۔ اگر ایک جماعت کی روایت صرف ایک آدمی دیتا ہے۔ دوسرے چپ رہتے ہیں۔ اور ان کی خاموشی بعض علامات کے ذریعہ اس پر دلالت کرتی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اگر انہیں اس میں کوئی تردد ہوتا تو وہ

خاموش نہ رہتے۔ تو ایسی خبر بھی متواتر کے حکم میں ہو گی۔ لہذا مفید علم و یقین بھی ہو گی۔ اس قسم کی روایت کو "متواتر سکوتی" کا نام دیتے ہیں۔

توضیح :-

اہل سنت کے ہاں تواتر کا مطلب یہ ہے کہ عدد شہادت سے راویوں کی تعداد زیادہ ہو۔ اس زیادتی کی ابتداء یا انتہا کتنے پر ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی سکتی۔ مقصد یہ ہے۔ کہ ان کی بات سے علم یقینی حاصل ہو جائے۔ چاہے وہ پانچ چھ ہوں یا اس سے زیادہ اسی طرح ایک آدمی جب روایت بیان کرتا ہے۔ اور دوسرے موجود حاضرین اس کی تردید نہیں کرتے۔ بلکہ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ تو وہ بھی متواتر سکوتی ہے۔ حرمت متعہ کی روایت میں جب روایت علی المرتضیٰ نے ابن عباس کو ڈانٹا۔ اور فرمایا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام کر دیا ہے۔ تو پھر تمہیں اس کے جواز پر اصرار کیوں؟ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کے سامنے حدیث مصطفیٰ بیان کی تو اس وقت موجود کسی صحابی نے اس کی تردید نہ کی۔ بلکہ سکوت فرمایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس روایت پر تواتر سکوتی ہے۔ اور موجود صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اسی لیے اہل سنت کی کتب میں حرمت متعہ پر "اجماع صحابہ" منقول ہے۔

اس تحقیق کے بعد اثیر جاڑوی کی لن ترانیوں کی حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت دوسرے اور دو صحابہ کرام کی حرمت متعہ کی روایت کے تواتر کا انکار ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ بلکہ خود اپنے مسلک پر کلہاڑا مارنا ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

حرمت متعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا ایک راوی سفیان بن عیینہ مدلس ہے۔

جواز متعہ :-

حرمت متعہ کی ایک حدیث کو حضرت علی سے منسوب کیا گیا ہے۔ جو کہ حضرت علی کی عظمت علمیہ کو داغدار کرنے کی ایک کھلی اور ناپاک سازش کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ ایک طرف حضرت علی کو حدیث حرمت متعہ کا ناقل قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف تحریم متعہ کے بعد حرمت متعہ پر حضرت علی کے افسوس اور اعتراض کو نقل کیا گیا ہے۔ اور حضرت علی کو تضاد بیانی کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ غیر متعصب اور سلیم الفکر ذہن پر چھوڑا جاتا ہے۔ کہ وہ خود یہ فیصلہ کرے کہ حضرت علی کی ایک حدیث حرمت متعہ درست ہے یا حرمت متعہ پر اعتراض درست ہے۔ جب کہ حرمت متعہ کی صرف ایک حدیث ایک غیر ذمہ دار راوی سے منقول ہے۔ اور تحریم متعہ پر اعتراض کئی ذمہ دار ناقلین حدیث نے نقل

کیا ہے۔ غیر ذمہ داری۔ حرمت متعہ کے سلسلہ میں جو حدیث حضرت علی کی طرف منسوب ہے اس کا راوی سفیان بن عیینہ ہے۔ سفیان بن عیینہ نے عبداللہ بن محمد حنفیہ اور حسن بن محمد حنفیہ ابن علی ابن طالب سے نقل کی ہے۔ سفیان بن عیینہ کے متعلق علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال جلد دوم ص ۱۷۰ سے پوچھ لیں کہ یہ شخص کس قماش کا راوی ہے۔

میزان الاعتدال

كَانَ يُدَلِّسُ وَلٰكِنَّ الْمَعْهُوْدَ مِنْهُ اَنَّهٗ لَا يُدَلِّسُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ۔

(میزان الاعتدال جلد دوم ص ۱۷۰)

ترجمہ:

سفیان بن عیینہ تدلیس کنندہ تھا۔ البتہ اس کی عادت یہ تھی کہ تدلیس میں کسی موثق راوی کو ملوث کرتا تھا۔

یہ ہے اس کی حدیث کی تصویر جو علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کھینچی ہے۔ جس نے حرمت متعہ کی حدیث کو حضرت علی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کا کام ہے کہ تدلیس کرتا ہے۔ اور تدلیس میں یہ خیال رکھتا ہے کہ کوئی غیر معتبر آدمی نہ آجائے جب اس قسم کا راوی حرمت متعہ کی حدیث نقل کرے۔ تو اس حرمت کی کیا قیمت پڑ جاتی ہے۔ اور ایسی حدیث کو کیسے احکام شرعیہ میں مقام استدلال پر پیش کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث من گھڑت ہے۔ اور حضرت علی رض کے ساتھ اس کی نسبت حضرت پر بہتان اور افتراء پردازی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (جواز متعہ ص ۳۱)

جواب:

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اگر حرمتِ متعہ کے قائل تھے تو پھر یہ الفاظ "اگر حضرت عمر متعہ کو حرام نہ کرتے تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا" کہنا ان کی تضاد بیانی ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے اس تضاد کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ ہے۔ کہ حرمتِ متعہ کا راوی غیر ذمہ دار ہے۔ اس کی حرمتِ متعہ کی روایت نا قابل استدلال ہے اور آپ کا افسوس کرنا راجح۔ کیونکہ سفیان بن عیینہ غیر ذمہ دار راوی ہے۔ الخ۔

سفیان بن عیینہ کے بارے میں حقیقت حال

اثیر جاڑوی کا سارا زور اس بات پر لگا۔ کہ سفیان بن عیینہ بحوالہ میزان الاعتدال مدلس ہیں۔ اور یہ وصف ان کے غیر ذمہ دار ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ جناب سفیان بن عیینہ کے بارے میں جاڑوی کا یہ قول دھوکہ اور کذب بیانی کا مرقع ہے۔ اس کی گواہی میزان الاعتدال کی عبارت دے رہی ہے۔

میزان الاعتدال

سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ الْهِلَالِي اَحَدُ الثِّقَاتِ الْاَعْلَامِ اَجْمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلَى الْاِحْتِجَاجِ بِهِ وَكَانَ يُدَلِّسُ لٰكِنَّ الْمَعْهُوْدَ مِنْهُ اَنَّهُ لَا يُدَلِّسُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ وَكَانَ قَوِيَّ الْحِفْظِ وَمَا فِيْ اَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ اَصْغَرُ سِنًّا مِنْهُ وَمَعَ هٰذَا فَهُوَ مِنْ اَثْبَتِهِمْ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ هُوَ اَثْبَتُ النَّاسِ فِيْ عَمْرٍو

بْنِ دِیْنَارٍ۔

(میزان الاعتدال جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۹۷
حرف سین مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ:

سفیان بن عیینہ ہلالی مشہور ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ ان کی روایت سے احتجاج کرنے کے بارے میں تمام امت کا اجماع ہے تدلیس کرتے تھے۔ لیکن ان کی تدلیس کا وقوع اس طرح تھا۔ کہ صرف ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ مضبوط حافظ کے مالک تھے امام زہری کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ قوی ہونے کے باوجود تمام سے بڑھ کر خبردار تھے۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے۔ کہ عمرو بن دینار کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ قوی اور اثبت ہے،

صاحب میزان علامہ ذہبی نے ان کی روایات کو باتفاق امت قابل احتجاج بتایا۔ اور مشہور ثقہ راویوں میں سے ایک کہا۔ اور امام احمد بن حنبل ایسے ناقد فن نے ان کی ثقاہت اور مضبوطی پر اعتماد کیا ہے۔ ان حضرات کے اقوال کے سامنے جاڑوی کا انہیں "غیر ذمہ دار" قرار دینا انتہائی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ یہ بات اس نے "تدلیس" کے لفظ سے نکالی ہے۔ بہرحال "تدلیس" سے پہلے اور بعد جو کچھ ان کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ جاڑوی اسے گول کر گیا۔ تاکہ عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالی جاسکے۔ آیئے اب تدلیس کی تھوڑی سی بات ہو جائے۔

حدیث پاک کی روایت کرتے وقت راوی کا اپنے شیخ کے اسم گرامی کی بجائے شیخ کے شیخ کا اسم گرامی لکھ دینا کہ اس طرح سے پڑھنے والے کو یہ سمجھا جائے۔ کہ راوی نے اس (شیخ الشیخ) سے اِس حدیث کی سماعت کی ہوگی۔ حالانکہ سماعت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ طریقۂ روایت تدلیس کہلاتا ہے۔ یہاں بھی جاڑوی نے اپنا اُلو سیدھا کیا۔ اور لکھا۔ کہ وہ (سفیان بن عیینہ) عادت کے طور پر تدلیس میں کسی موثق آدمی کو ملوث کرتا۔ "ملوث کرنا" وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کی بے عزتی مقصود ہو۔ یا وہ بری الذمہ ہو اور اس کے باوجود اس پر کوئی الزام تھوپ دیا جائے۔ لیکن سفیان بن عیینہ اپنے شیخ کے شیخ کا نام اس بنا پر نہیں لیتے تھے۔ کہ انہیں بھی درمیان میں گھسیٹ کر لا کھڑا کیا جائے۔ بلکہ وہ تو پہلے ہی اس روایت کے راوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں "ملوث" کرنے کا الزام دینا ایک بے وقوف کی بڑ ہی ہو سکتی ہے۔ پھر "تدلیس" ایسی صفت نہیں۔ کہ وہ کسی صورت میں بھی ذمہ دار نہ بن سکے۔ اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو پھر سفیان بن عیینہ کی روایات سے احتجاج پکڑنے کا کیا معنی ہوگا۔ اور پھر ایسے شخص کو مشہور ثقہ، مضبوط اور اثبت کہنا کب درست ہوگا۔ حالانکہ یہ سب باتیں ائمہ حدیث نے سفیان بن عیینہ کے بارے میں کہی ہیں۔ اس لیے ان کی تدلیس کا طریقہ وہ نہ تھا۔ جو جاڑوی نے "ملوث" کرنا، کے الفاظ سے بیان کیا۔ بلکہ وہ ہے۔ جو صاحب میزان کی عبارت سے اخذ ہوتا ہے۔ یعنی تدلیس کرتے تھے۔ لیکن

ان کی تدلیس کرنے میں عادت یہ تھی۔کہ ان مشائخ سے کرتے۔جو ثقہ ہوتے۔اب دیکھنا یہ ہے۔کہ ثقہ سے تدلیس قابل استدلال ہے یا نہیں۔

مقدمہ لمعات التنقیح

وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ إِلَى قُبُوْلِ تَدْلِيْسِ مَنْ عُرِفَ أَنَّهُ لَا يُدَلِّسُ إِلَّا عَنْ ثِقَةٍ كَابْنِ عُيَيْنَةَ وَ إِلَى رَدِّ مَنْ كَانَ يُدَلِّسُ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَغَيْرِهِمْ۔

(مقدمہ لمعات التنقیح ص ۴۴ مکتبۃ المعارف العلمیہ شیش محل لاہور)

ترجمہ:

جمہور کا یہ مذہب ہے۔کہ ہر اس شخص کی تدلیس قبول ہوتی ہے۔جو صرف ثقہ لوگوں سے تدلیس کرتا ہو جیسا کہ ابن عیینہ۔اور اسی طرح جمہور کا یہ بھی مسلک ہے۔کہ ہر اس شخص کی تدلیس رد کر دی جائے گی جو ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا ہو۔

تدلیس اور اس کا حکم آپ نے ملاحظہ کیا۔تدلیس دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک وہ جو ثقہ راویوں سے ہو۔اور دوسری غیر ثقہ یعنی ضعیف راویوں سے۔ان میں سے اول الذکر تدلیس مقبول اور دوسری مردود ہے۔لیکن ابن عیینہ کی تدلیس قسم اول سے ہونے کی وجہ سے (جو مقبول ہونی چاہیئے) کس طرح قابل استدلال نہیں۔ جاڑوی نے یہ کہاں سے قانون نکال لیا ہے؟ اسی پر اُس کے بنے بنائے مکان کی بنیاد تھی۔لہٰذا جب تحقیق کے میدان میں یہ ثابت ہو گیا۔کہ ابن عیینہ کی تدلیس قابل قبول ہے۔تو پھر یہ کہنا کہ "ایسی حدیث کو احکام شرعیہ میں بطور استدلال

کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ یہ حدیث موضوع و من گھڑت ہے،، کہاں کی عقل مندی اور دیانت داری ہے۔ ؟ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب سفیان بن عیینہ کا مقام و مرتبہ کچھ اور بھی بیان کر دیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ بقول جاڑوی "وہ کس قماش کے راوی تھے" کی اصلیت کیا ہے۔

تہذیب التہذیب

سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ابْنِ اَبِیْ عِمْرَانَ مَیْمُوْنَ الْهِلَالِیُّ اَبُوْ مُحَمَّدِ الْكُوْفِیْ سَكَنَ مَكَّةَ رَوٰی عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ابْنِ عُمَيْرٍ وَ اَبِیْ اِسْحَاقَ السَّبِيْعِیْ وَ زِيَادِ بْنِ عَلَاقَةَ وَ اَسْوَدَ بْنِ قَيْسٍ وَ اَبَانِ ابْنِ تَغْلَبٍ الخ

(تہذیب التہذیب جلد چہارم ص ۱۱۷ حرف سین)

ترجمہ:

سفیان بن عیینہ ابن ابی عمران مکہ میں ساکن تھے۔ آپ عبد الملک ابن عمیر، ابو اسحاق السبیعی، زیاد بن علاقہ، اسود بن قیس، ابان ابن تغلب وغیرہ محدثین کرام سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ اعمش، ابن جریج، شعبہ، ثوری، مسعر (یہ ان کے شیوخ میں سے ہیں) ابو اسحاق فرازی اور حماد بن زید وغیرہ۔ ابن مدینی نے کہا ہے۔ کہ امام زہری کے اصحاب میں ان سے بڑھ کر زیادہ صاحب تقویٰ کوئی نہ تھا۔ الاجلی الکوفی کا قول ہے۔ کہ ابن عیینہ حدیث میں ثقہ اور ثابت ہے۔ حدیث

کے معاملہ میں بہت اچھے تھے۔ اور انہیں محدثین کرام میں صاحب حکمت محدث کہتے ہیں۔ امام شافعی کا کہنا ہے۔ کہ اگر امام مالک، سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہوگیا ہوتا۔ اور یونس بن عبد الاعلیٰ کہتے ہیں میں نے امام شافعی کو فرماتے سنا ہے کہ امام مالک اور سفیان دونوں ہم پلہ ہیں۔ ابن مدینی نے کہا۔ کہ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے کہا۔ کہ میرے اساتذہ میں سے ابن عیینہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ میں نے عرض کیا اے ابو سعید! کیا سفیان بن عیینہ حدیث کے امام تھے! کہنے لگے۔ وہ متواتر چالیس سال سے امام فی الحدیث چلے آرہے ہیں۔ علی کا کہنا ہے۔ کہ میں نے بشر بن مفضل سے سنا۔ کہ اب زمین پر ابن عیینہ کی مثل کوئی باقی نہیں ہے۔ عثمان دارمی کہتے ہیں۔ میں نے ابن معین سے پوچھا۔ کہ عمرو دینار کے اصحاب میں سے ابن عیینہ یا ثوری کون تمہیں زیادہ محبوب ہے؟ کہنے لگے۔ ابن عیینہ اُس سے زیادہ عالم ہے۔ ابن وہب کا قول ہے۔ کہ میں نے ابن عیینہ سے بڑھ کر قرآن کریم کا زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا۔ امام شافعی کہتے ہیں۔ میں نے ابن عیینہ کے سوا، کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں دیکھا جس میں علمی جوہر ہو۔ امام احمد کہتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم اور سنت کا ابن عیینہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ ابن سعد انہیں ثقہ، ثابت، حجت اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ ابوداؤد سے آجری بیان کرتا ہے۔ کہ ابو معاویہ کہتے ہیں۔ کہ ہم جب امام اعمش کے ہاں سے پڑھ کر فارغ ہوتے تو سیدھے ابن عیینہ کے پاس آتے۔ یحییٰ ابن سعید کا کہنا ہے۔ کہ معمر کی برنسبت امام زہری کے شاگردوں میں مجھے ابن عیینہ زیادہ محبوب ہیں۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ اہل حجاز کی حدیث کو سب سے

زیادہ جاننے والا ابن عینیہ تھا۔ ابوحاتم رازی کہتے ہیں۔ کہ ابن عینیہ دنیا والوں کے لیے حجت تھے۔ اور ان کے علاوہ امام مالک، شعبہ اور ثوری بھی حجت تھے۔

لمحہ فکریہ:

جناب سفیان بن عینیہ کے بارے میں ائمہ حدیث اور علماء نے بالاتفاق کہا ہے۔ کہ ان کی تدلیس مقبول ہے۔ اور یہ خود بہت بڑے قرآن وسنت کے عالم تھے۔ ثقہ، ثابت اور قابل حجت تھے۔ ان کے اساتذہ اور شاگرد ایسے ایسے کہ ڈھونڈے سے ایسے نہ ملیں۔ ان (ابن عینیہ) کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حرمتِ متعہ والی روایت ناقابل استدلال، موضوع اور من گھڑت بنائی گئی ہے۔ جاڑوی کا روایت مذکورہ کو غیر صحیح قرار دینے کا یہی حربہ تھا۔ آپ نے اس کی حقیقت حال جان لی۔ ہم یہاں تک بالفرض تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ چلو ابن عینیہ کی سند والی روایت ناقابلِ استدلال اور ضعیف ہو گئی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی یہی روایت مسلم شریف میں چار دیگر اسناد سے مروی ہے۔ اور وہ چاروں اسناد صحیح ہیں۔ لہٰذا قابلِ حجت و استدلال بھی ہوئے۔ ان چاروں کی صحت نے ان کی کمزوری کو بھی چھپا لیا۔ کیونکہ قانون ہے۔ کہ ایک حدیث اگرچہ ضعیف ہو۔ لیکن جب اُسے مختلف اسناد سے روایت کیا گیا ہو۔ تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے حرمتِ متعہ کی مسلم شریف میں پانچ روایات مذکور ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کی سند علیحدہ ہے۔ اگر ابن عینیہ کی سند والی روایات چھوڑ بھی دی جائیں۔ تو پھر بھی چار روایات صحیحہ مسندہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ متعہ، حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حرام ہے۔ اور

اگر وہ روایت بھی شامل کر لی جائے۔ تو پھر پانچ عدد روایات صحیحہ مسندہ سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ متعہ معروفہ کو حرام کہتے اور سمجھتے تھے۔ اور تا قیامت اس کی حرمت کا قول انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تھا۔

دھوکہ کذب بیانی

جواز متعہ پر طبری کی ایک عبارت

جواز متعہ

اگر راوی حدیث سفیان بن عیینہ کے ساتھ اس افسوس کو شامل کریں جسے قابلِ اعتماد علماء اہل سنت نے قابلِ اعتماد ذرائع حدیث سے نقل کیا ہے۔ تو اس جھوٹ کی قلعی اور بھی کھل جاتی ہے جو حرمت متعہ کے سلسلہ میں حضرت علی سے منسوب کیا گیا ہے۔

۱۔ رَوَی الطَّبَرِیُ فِیْ تَفْسِیْرِہِ الْکَبِیْرِ جلد ۵ ص ۱۳ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ شُعْبَۃَ قَالَ سَأَلْتُ عَنِ الْحَکَمِ عَنْ اٰیَۃِ الْمُتْعَۃِ اَہِیَ مَنْسُوْخَۃٌ؟ قَالَ لَا: ثُمَّ قَالَ الْحَکَمُ وَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لَوْ لَا اَنَّ عُمَرَ نَھٰی عَنِ الْمُتْعَۃِ مَا زَنٰی اِلَّا شَقِیٌّ۔

طبری نے اپنی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۳ پر صحیح سلسلہ سند کے ذریعہ شعبہ سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے حکم سے آیت متعہ کے متعلق پوچھا۔ کیا آیت متعہ

منسوخ ہے؟ حکم نے کہا۔ نہیں۔ پھر حکم نے کہا۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر عمر متعہ پر پابندی نہ لگاتا تو کسی بدنصیب کے سوا کوئی شخص زنا کا ارتکاب نہ کرتا۔

۲۔ فخرالدین رازی نے تفسیر جلد ۱ ص ۵۰ پر بعینہ یہی روایت انہی الفاظ میں حضرت علی کا حضرت عمر پر اعتراض نقل کیا ہے۔

۳۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے تفسیر در منثور جلد دوم ص ۴۰ پر بلا کم و کاست حضرت عمر پر حضرت علی کا اظہار افسوس اور اعتراض نقل کیا ہے۔

۴۔ احکام القرآن جلد دوم ص ۱۷۹ ابو بکر رازی جصاص نے حضرت علی کا یہی قول اظہارِ افسوس اور حضرت عمر پر اعتراض نقل کیا ہے۔ جس میں آخری لفظ مَا زَنیٰ اِلَّا شَقِیٌّ مَا زَنیٰ اِلَّا شَقَا۔ کوئی بدنصیب ہی زنا کرتا کی جگہ بہت قلیل ہی زنا کرتے۔ نقل کیا ہے۔

۵۔ ہدایۃ المجتہد جلد دوم ص ۵۸ پر ابن رشد اندلسی نے اور ۶۔ تفسیر در منثور جلد دوم ص ۱۴۱ پر علامہ جلال الدین السیوطی نے حافظ عبدالرزاق اور حافظ ابن منذر کے صحیح سلسلہ سند سے قابلِ اعتماد راوی عطاء سے بھی حضرت عمر پر تحریم متعہ کا اعتراض اور اظہار افسوس حضرت علی سے نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں ان سلسلہ ہائے سند کے علاوہ دیگر مختلف سلسلہ ہائے سند جو کہ صحیح ہیں۔ سے قابلِ اعتماد اعتراض بمقدار وافر نقل کیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حرمت متعہ کی حدیث کو حضرت علی سے منسوب کرنا غلط محض اور افترا ہے۔ اور جواز متعہ درست ہے۔ اور حکم اسلام ہے۔ جو جس طرح زمانۂ رسول میں جائز اور عین اسلام تھا۔ اسی طرح آج بھی عین اسلام اور جائز ہے۔

(جواز متعہ ص ۳۱، ۳۲)

جواب :

اثیر جاڑوی صاحب نے حضرت علی المرتضےٰ کے افسوس کی روایات کو جو چھ عدد تفاسیر میں موجود ہیں، "صحیح سلسلۂ سند" کے ساتھ ہونا ذکر کیا ہے۔ اس کذب بیانی اور دغابازی کی جس طرح مذمت کی جائے وہ کم ہی ہو گی۔ ان چھ کتب تفسیر میں سے کسی ایک میں بھی "سند صحیح" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ یہ اضافہ جاڑوی کا خود تراشا ہوا ہے اس قدر بے دینی اور کذب بیانی اور پھر اپنے آپ کو "فاضل قم پرنسپل جامعہ حسینیہ" لکھنا ہمیں تو اس سے یہی پتہ چلا ہے۔ کہ ان کے تمام فاضلوں کا یہی حال ہے۔

چیلنج

ہماری طرف سے بیس ہزار روپیہ نقد انعام کی پیشکش ہے۔ اگر جاڑوی اینڈ کمپنی کوئی بھی یہ ثابت کر دے کہ تفسیر طبری میں "باسناد صحیح" کا لفظ یہاں موجود ہے جس کی بنا پر قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی۔ کہ طبری کی طرح من وعن علامہ السیوطی امام رازی وغیرہ نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے۔ اس پر قرآن کریم کی صرف دو آیات ہی ذکر کر دینا کافی ہیں۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین۔ اور لعنة اللہ علی الکاذبین۔

ہمارا اعلان ہے۔ کہ لکھنؤ سے قم تک کے اصاغر و اکابر سبھی سر جوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اور روایتِ مذکورہ میں "باسناد صحیح" کا لفظ دکھا دیں تو منہ مانگا انعام پائیں۔

"حرمتِ متعہ" پر حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے افسوس کرنے کی مؤید روایت کی طرف ہم آتے ہیں۔ آیئے ذرا اسماء الرجال سے اس روایت کے

راویوں کے حالات دیکھیں۔ روایت مذکورہ میں حضرت علی المرتضیٰ سے بیان کرنے والے راوی کا نام "حکم" ہے۔ اور پھر ان سے آگے شعبہ نے بیان کی۔ یعنی اس روایت کا اصلی اور مرکزی راوی "حکم" ہے۔ شیعہ سنی کتب اسماء الرجال میں، ہم نے ایسے حکم کو بہت تلاش کیا۔ جو حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کرنے والا اور شعبہ کا شیخ واستاد ہو۔ میزان الاعتدال میں حکم نامی جتنے راویوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے ایک دو کو چھوڑ کر سب کے متعلق "مجہول" کا لفظ موجود ہے۔ اور ان میں سے ایک یہ حکم بھی ہے۔ لہٰذا، مجہول راوی کی روایت کی کیا وقعت ہے۔ کہ اُسے مقام استدلال میں پیش کیا جائے۔ دنیائے شیعیت کو دعوت ہے۔ کہ وہ ہماری یا اپنی کسی کتاب سے بھی اس حکم راوی کا تذکرہ بتائیں۔ جو حضرت علی المرتضیٰ سے راوی ہو اور جناب شعبہ نے اس کی شاگردی کی ہو۔ جب اس راوی کا اتہ پتہ ہی معلوم نہیں جس نے حضرت علی المرتضیٰ کے افسوس کرنے والی روایت ذکر کی۔ تو اس کی روایت اُس روایت کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔ جو قوی اور مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔ اس قوی روایت کو حضرت علی المرتضیٰ سے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے ابن عباس کو فرمایا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ یا امام مسلم کے بقول حضرت علی المرتضیٰ نے ابن عباس کو ڈانٹ کر کہا۔ کہ تو راستے سے ہٹا ہوا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعہ سے منع فرما دیا ہے۔

طبری کا ایک راوی حکم شیعہ ہے

"حکم"، نامی راوی جو کہ شعبہ کا استاد ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ تہذیب التہذیب میں ملتا ہے۔ لیکن یہ حکم راوی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کرتا۔

لہٰذا یہ حکم بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر مان لیا جائے۔ کہ یہ حکم وہی ہے۔ جس نے حضرت علی کی افسوس والی روایت ذکر کی ہے۔ تو پھر بھی اہل سنت کے نزدیک قابلِ حجت نہیں۔ کیونکہ صاحب تہذیب التہذیب نے اس کے بارے میں لکھا۔

تہذیب التہذیب

الحکم بن عتیبہ الکندی وَکَانَ فِیْہِ تَشَیُّعٌ اِلَّا اَنَّ ذَالِکَ لَمْ یَظْھَرْ مِنْہُ۔

(تہذیب التہذیب جلد دوم ص ۴۳۴)

ترجمہ:

حکم بن عتیبہ کندی۔ اس میں تشیع پایا جاتا تھا۔ مگر اس کا اُس سے ظاہر ہونا معلوم نہیں۔

بہرحال اس کی اگرچہ ثقاہت بھی معلوم ہو جائے۔ تب بھی قابل حجت نہیں کیونکہ متعہ اہل تشیع کا ایک مذہبی شعار ہے۔ اور اس کے جواز کی روایت کسی سنی سے ہی قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اور یہ تشیع سے موصوف ہونے کے علاوہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بھی نہیں کرتا۔ اس لیے اس حکم نامی راوی کے حوالہ سے حضرت علی المرتضےٰ کا افسوس کرنا ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔

فاعتبروا یااولی الابصار

حرمت متعہ والی حدیث صحیحین میں تضاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حرمت متعہ کے متعلق کسی قول کے نہ ہونے کا دعوٰے

جوازِ متعہ:

سلمہ بن اکوع / سلمہ بن اکوع وہ راوی ہے۔ جس کی ایک ہی نقل کردہ حدیث صحیحین میں ایک دوسرے سے دست بگریبان۔ صحیح مسلم جلد چہارم ص ۱۹ مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی میں سلمہ بن اکوع حرمتِ متعہ کی حدیث نقل کرتا ہے۔ جبکہ یہی سلمہ صحیح بخاری جلد سوم ص ۸۴ حدیث ۱۰۴ مطبوعہ لاہور پر جواز متعہ کی حدیث بیان کرتا ہے

جواز متعہ از سلمہ بن اکوع در صحیح بخاری جلد سوم ص ۸۴ کتاب النکاح حدیث ۱۰۴ ادبی کتب خانہ اردو بازار لاہور

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَسَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَا كُنَّا فِيْ جَيْشٍ فَاَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ

اَنْ تَتَمَتَّعُوْا فَاسْتَمْتِعُوْا حَدَّثَنِیْ اِیَاسُ ابْنِ سَلَمَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَیُّمَا رَجُلٍ وَامْرَاَۃٍ تَوَافَقَا فَعِشْرَۃُ مَا بَیْنَہُمَا ثَلَاثُ لَیَالٍ فَاِنْ اَحَبَّا اَنْ یَتَزَایَدَا اَوْ یَتَتَارَکَا تَتَارَکَا۔

پھر سلمہ خود کہتا ہے۔ فما ادری أشی کان لنا خاصۃ ام للناس عامۃ جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن اکوع روایت کرتے ہیں۔ ہم ایک لشکر میں تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس آکر فرمایا۔ کہ تم کو متعہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لہذا متعہ کرو۔ بخاری کہتے ہیں۔ کہ سلمہ بن اکوع نے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اور مرد باہم موافق ہو جائیں تو تین شب تک باہم عشرت کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد اگر کمی یا زیادتی کرنا چاہیں تو وہ مختار ہیں۔ نہ معلوم یہ ہمارے لیے خاص تھا یا سب لوگوں کے واسطے جائز ہے۔۔۔۔۔ یہ دونوں حدیثیں نقل کرنے کے بعد خود اجتہاد فرماتے ہوئے علامہ بخاری لکھتے ہیں۔ کہ ابو عبداللہ نے حضرت علی سے اور حضرت علی نے حضور سے جواز متعہ کی منسوخی نقل فرمائی ہے۔ حالانکہ اگر حرمت متعہ واقعاً ہوتی اور حرمت متعہ کے راوی حضرت علی ہوتے تو اولاً حضرت عمر کے اعلان تحریم متعہ پر اعتراض نہ کرتے۔ ثانیاً طریق اہل بیت سے بھی کوئی ضعیف السند یا قوی السند حدیث منقول ہوتی۔ ثالثاً دیگر صحابہ سے بھی حرمت متعہ کی کوئی حدیث نقل کی جاتی۔ لہذا اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ حرمت متعہ

کی احادیث غلط محض جعلی اور افتراء ہیں۔ اور تحریم متعہ ایک شخص کی ذاتی رائے ہے جو کسی بھی لحاظ سے قابل اعتبار نہیں۔ جواز متعہ اور سلمہ بن اکوع اور صحیح مسلم علاوہ ازیں امام مسلم نے اس حدیث کو دوسرے الفاظ سے نقل کیا ہو۔ ملاحظہ ہو۔

صحیح مسلم

عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ آبَائِهِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَ نِكَاحَ الْمُتْعَةِ۔

جابر اور سلمہ نے کہا کہ ہم پر رسول اللہ کا منادی نکلا۔ اور اس نے پکارا کہ رسول اللہ نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے یہ دونوں احادیث جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن اکوع سے جواز متعہ کے لیے نقل کی ہیں۔ لیکن ان میں بھی تفریق موجود ہے۔ صحیح بخاری کے مطابق آنحضور بنفس نفیس جابر اور ابن اکوع کے پاس تشریف لائے۔ جبکہ صحیح مسلم کے مطابق آنحضور کا منادی ندا کرتا ہے۔ صحیح بخاری کے مطابق آنحضور کی اجازت متعہ صرف جابر ابن عبداللہ اور سلمہ بن اکوع سنتے ہیں۔ جبکہ صحیح مسلم کے مطابق اذن متعہ کا اعلان عام ہوتا ہے۔ اور میدان جنگ میں موجود تمام صحابہ سنتے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے جواز متعہ کی حدیث سلمہ بن اکوع سے باختلاف الفاظ نقل کی ہے۔ لیکن

حرمت متعہ کی حدیث نقل کرنے میں امام مسلم تنہا رہ گئے اور امام بخاری نے ان کا ساتھ نہ دیا جس کی وجہ واضح ہے کہ امام بخاری نے حرمت متعہ کے لیے سلمہ بن اکوع کی جانب منسوب کردہ حدیث کو نہ تو قابل عمل سمجھا ہے اور نہ ہی قابل نقل۔

(جواز متعہ مصنفہ اثیر جاڑوی)

جواب:

مذکورہ عبارت چند امور پر مشتمل ہے۔ بطور خلاصہ وہ یہ ہیں۔ (۱) سلمہ بن اکوع کی نقل کردہ ایک حدیث باہم دست بگریبان ہے (۲) حضرت علی المرتضیٰ سے حرمتِ متعہ پر کوئی حدیث مروی نہیں۔ اگر ہوتی تو آپ اس پر افسوس کیوں کرتے (۳) حضرت علی المرتضیٰ سے اگر حرمت متعہ پر کوئی حدیث ہوتی۔ تو اہل بیت سے کوئی نہ کوئی اُسے ضرور ذکر کرتا (۴) سلمہ بن اکوع سے جواز متعہ کی روایت بخاری اور مسلم دونوں نے ذکر کی۔ لیکن حرمت متعہ کی روایت صرف مسلم میں ہے بخاری نے اس میں ساتھ چھوڑ دیا۔ (۵) کسی بھی صحابی سے حرمت متعہ پر کوئی روایت نہیں۔ ان امور کا سلسلہ وار جواب پیش خدمت ہے۔

۱۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے ایک روایت ہونا اور وہ بھی باہم مخالف ہونا، کون بے وقوف یہ تسلیم کرے گا۔ جناب سلمہ بن اکوع سے مسلم شریف میں دو روایات ہیں۔ پہلی روایت جابر بن عبداللہ سے ہے جس میں متعہ کی اجازت کا ذکر ہے۔ اور دوسری اعمش سے ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سال اوطاس میں تین دن تک متعہ کی اجازت دینا اور اس کے بعد منع فرما دینے کا ذکر ہے۔ حوالہ کے لیے مسلم شریف جلد اول ص۴۵۰-۴۵۱ ملاحظہ ہو۔ یہ ایک روایت نہیں بلکہ دو ہیں سا نہیں ایک کہہ کر پیش کرنا دو ضل قم،

کا کمال ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں تناقض کہاں؟ پہلی روایت میں جواز متعہ کا ذکر ہے۔ اور دوسری میں مدتِ جواز کے گزرنے پر حرمت متعہ کا ذکر ہے۔

۲۔ یہ کہنا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حرمت متعہ پر کوئی حدیث موجود نہیں، پہلی بات کی طرح یہ بھی جھوٹ ہے۔ مسلم شریف اور صحیح بخاری میں ان کی وہ روایات سندِ صحیح کے ساتھ موجود ہیں۔ جن میں حرمت کا ذکر ہے۔ رہا یہ کہ اگر آپ سے حرمتِ متعہ کی روایات ملتی ہیں۔ تو پھر حضرت عمر پر افسوس کا اظہار کیوں کیا گیا؟ تو اس بارے میں ہم پہلے تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ کہ یہ روایت مجہول راوی سے ہے لہذا اس میں اجماع صحابہ کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں اس لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حرمتِ متعہ کی روایت جس کو تمام صحابہ کرام کی تائید حاصل ہے وہ قوی ہے۔ اور افسوس والی کمزور۔ اس لیے ان دونوں کے مراتب کے فرق کے پیش نظر آپ کے کلام میں تناقض نہیں ہے۔

۳۔ جہاں تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حرمتِ متعہ کی روایت اور پھر اُسے اہل بیت کے ذکر کرنے کا معاملہ ہے۔ تو جاڑدی کو اپنی کتابوں کے دیکھنے کا بھی موقعہ نہ ملا۔ نہ جانے قم سے فاضل کیسے بن گیا۔ جاڑدی صاحب آپ کی صحاح اربعہ میں سے الاستبصار اور تہذیب الاحکام میں یہ روایت موجود ہے۔

حرمت متعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت

الاستبصار و تہذیب الاحکام

عن زید بن علی عن ابائہ عن علی علیہم السلام
قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ
الْاَهْلِيَّةِ وَنِكَاحِ الْمُتْعَةِ

(۱۔ الاستبصار جلد سوم ص ۱۴۲
ابواب المتعہ)
(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ہفتم ص ۲۵۱
باب تفصیل احکام النکاح)

ترجمہ:

زید بن علی اپنے والد سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک تمام اُن حضرات سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو پالتو گدھوں کا گوشت اور نکاح متعہ کو حرام فرما دیا ہے۔

زید بن علی اپنے والد سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ تک تمام ان حضرات سے حرمتِ متعہ کی روایت کر رہے ہیں۔ جو اہل بیت کے ممتاز افراد ہیں۔ ان تمام نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے سے پہلی شخصیت سے روایت

سنی۔ حتی کہ زید بن علی تک وہ روایت پہنچ گئی۔ اب اثیر جاڑدی کے لیے یہی راستہ رہ جاتا ہے۔ کہ یا تو اس روایت کا انکار کر دے۔ لیکن یہ ان کی صحاح اربعہ میں موجود ہے انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ یا پھر اس بات کو تقیہ پر محمول کر کے اہل بیت کو غلط بات کہنے والا ثابت کرے۔ لیکن تقیہ کا زمانہ بھی نہ تھا کسی کا خوف وخطرہ بھی نہ تھا۔ اس لیے اب جاڑدی کو یا تو حرمتِ متعہ تسلیم کر لینی چاہیئے۔ یا پھر ان ائمہ اہل بیت کی محبت کا طوق گلے سے اتار دینا چاہیئے۔ جو جھوٹ موٹ پہن رکھا ہے۔

۴۔ جوازِ متعہ کی روایت سلمہ بن اکوع سے مسلم اور بخاری دونوں نے ذکر کی لیکن حرمتِ متعہ کی روایت میں امام مسلم تنہا رہ گیا۔ اس کی وجہ خود جاڑدی نے بیان کی۔ کہ بخاری کے نزدیک سلمہ بن اکوع کی یہ روایت ناقابل عمل ونقل ہے چلئے مان لیا۔ کہ سلمہ بن اکوع کی یہ روایت ناقابلِ عمل ونقل ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت کیسے ہو گیا۔ کہ متعہ حرام نہیں۔ اگر امام بخاری کے نقل کرنے پر فیصلہ چاہتے ہو۔ تو پھر ہم تمہیں سلمہ بن اکوع سے کہیں زیادہ معتبر شخصیت کی حرمت متعہ پر روایت بخاری شریف میں دکھاتے ہیں۔ اسے بھی تسلیم کر لو۔

بخاری شریف

حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ اَنَّهُ سَمِعَ زُهْرِيَّ يَقُوْلُ اَخْبَرَنِي الْحَسَنُ ابْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِيٍّ وَاَخُوْهُ عَبْدُ اللهِ عَنْ اَبِيْهِمَا اَنَّ عَلِيًّا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَ

عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۷۶۷ مطبوعہ
اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس سے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے وقت متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع کر دیا تھا۔

حرمت متعہ کی یہ روایت امام بخاری نے ذکر کی۔ اور ذکر بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے۔ اب ذرا جاڑوی کے پاس دعویٰ کو دیکھئے۔ کہتا ہے۔ کہ سلمہ بن اکوع کی حرمتِ متعہ کی روایت امام بخاری کے نزدیک ناقابل عمل ہے۔ اس لیے اُسے نقل کیا۔ اور یہ روایت حضرت علی المرتضیٰ سے نقل کر کے امام بخاری نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ قابل عمل ہے۔ اب اس پر عمل جاڑوی کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم سے سندِ فاضل اسی لیے دی گئی۔ کہ جھوٹ کو کبھی بھی جُدا نہ ہونے دینا۔ یہ سند فاضل کی نہیں بلکہ پاگل کی ہے۔ یا پھر یہ فاضل فضیلت سے نہیں بلکہ فضول سے بنا ہے۔

۵۔ حرمتِ متعہ پر کسی بھی صحابی کی روایت موجود نہیں۔" سچ کہتے ہیں۔ کہ بکواسی اور جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ اپنی تصنیف جواز متعہ کے ابتداء میں خود تسلیم کر آیا ہے۔ کہ حرمت متعہ کی روایات صرف تین صحابہ سے ملتی ہیں۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ، سلمہ بن اکوع اور سبرہ بن معبد جہنی۔ اور اب یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ کہ حرمت متعہ کی روایت کسی صحابی سے موجود نہیں۔ ؎

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے۔

جواز متعہ

حرمتِ متعہ اور سلمہ بن اکوع از صحیح مسلم مسلم جلد چہارم طبع مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی نمبر (۱)

امام مسلم تک اس حدیث کے پہنچنے میں ابن محمد اور عبدالواحد ابن زیاد دو راوی بھی ہیں۔

عن ایاس ابن سلمۃ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَامَ اَوْطَاسٍ فِی الْمُتْعَۃِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَہٰی عَنْہَا۔

ترجمہ:

ایاس بن سلمہ اپنے باپ سلمہ سے روایت کرتا ہے۔ کہ آنحضورؐ نے اوطاس کے سال تین بار متعہ کی اجازت دی۔ اور پھر منع کر دیا۔

اولاً تو سلمہ کی یہ حدیث اس کی اپنی سابقہ حدیث جسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ دونوں نے نقل کیا ہے معارض ہے۔ ثانیاً اگر یہ حدیث قابلِ اعتماد ہوتی۔ تو امام بخاری اس حدیث کو قطعاً نظر انداز نہ کرتے۔ ثالثاً علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۸۵ میں یونس ابن محمد اور عبدالواحد ابن زیاد دونوں کو اس قابل قرار نہیں

دیا کہ ان سے حلال محمد کے خلاف کسی نقل حدیث کو قابل اعتماد سمجھا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے میزان الاعتدال جلد چہارم ص ۴۸۵/ ابن معین، نسائی اور احمد نے یونس بن محمد کو قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ عبد الواحد ابن زیاد ان محدثین کی فہرست میں ہے۔ جن کی کذب بیانی اور افترا پردازی اظہر من الشمس ہے۔ میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۶۷۲ میں مرقوم ہے۔ کہ عبد الواحد ابن زیاد اختراع حدیث کرتا تھا، اور انہیں اعمش سے منسوب کرتا تھا۔ حالانکہ اعمش سے اس نے ایک حرف بھی نقل نہ کیا۔ میزان الاعتدال جلد دوم شمارہ ۵۲۸۷)

میزان الاعتدال

قال ابو داود عمد عبد الواحد الی احادیث کان یرسلها الاعمش فوصلها بقوله حدثنا الاعمش حدثنا مجاهد فی کذا وکذا قال عبد الواحد لیس بشئ

(میزان الاعتدال جلد دوم شمارہ نمبر ۵۲۸۷)

ترجمہ:

ابو داؤد فرماتے ہیں۔ کہ عبد الواحد نے ان تمام کو جنہیں اعمش نے مرسل چھوڑا لے لیا اور حدثنا الاعمش کہہ کر مجاہد سے سلسلہ سند جوڑ دیا۔
یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ کہ عبد الواحد لیس بشئ ہے۔
حرمت متعہ کے سلسلے میں نقل کی گئی دوسری حدیث کا یہ عالم ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ لہذا حضرت علی سے نقل کردہ حدیث حرمت متعہ کی طرح سلمہ ابن اکوع کی حدیث حرمت متعہ بھی جعلی من گھڑت اور خود ساختہ ثابت ہوئی

اور جواز متعہ جس طرح قرآن میں موجود تھا۔ آج بھی ہے۔ اور اسے حرام قرار دینا احکام خدا میں تصرف ہے۔ جس کا حق خداوند عالم کے سوا کسی کو نہیں۔

(جواز متعہ ص ۳۶ مصنفہ اثیر جاڑدی)

جواب:

گذشتہ سطور میں جاڑدی نے پچھلی باتیں ہی دہرائی ہیں۔ جن کا جواب ہم تحریر کر چکے ہیں۔ یہاں صرف سلمہ بن اکوع سے مروی حرمت متعہ کی روایت کے دو افراد یونس بن محمد اور عبدالواحد بن زیاد پر جرح کر کے حدیث کو مجروح ثابت کیا گیا۔ اور حوالہ کے لیے میزان الاعتدال کا نام لیا۔ اب ہم ان دونوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔

میزان الاعتدال میں مذکورہ جلد اور صفحہ پر یونس بن محمد نامی کسی راوی کا تذکرہ نہیں۔ لہذا جس کا نام و نشان تک نہ ہو اس کے متعلق ابن معین نسائی اور احمد کا قول نقل کرنا واضح جہالت ہوگی۔ جو فاضل قم کی امتیازی علامت ہے۔ دوسرے راوی عبدالواحد کے متعلق جو کچھ جاڑدی نے کہا ہے۔ گروہ یہ ہے کہ عبدالواحد نے دوسروں کی مرسل احادیث کو متصل بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ کہ محدثین میں عبدالواحد کا شمار کذاب اور مفتری لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس دوسرے الزام کے بارے میں جاڑدی نے وہی کچھ کیا۔ جو یونس بن محمد کے ساتھ روا رکھا۔ یعنی میزان الاعتدال میں عبدالواحد بن زیاد کے بارے میں ان الفاظ کا نام و نشان تک نہیں۔ بلکہ ان کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں۔

میزان الاعتدال

قَالَ عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدٍ سَأَلْتُ يَحْيٰى عَنْ عَبْدِ

الْوَاحِدِ بْنِ زِيَادٍ فَقَالَ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ ثِقَةٌ وَحَدَّثَ عَنْهُ مُسَدَّدٌ وَقُتَيْبَةُ وَخَلْقٌ وَرَوَاهُ عُثْمَانُ أَيْضًا عَنْ يَحْيَى ثِقَةٌ وَقَالَ لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ۔

(میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ نمبر ۱۵۷
مطبوعہ مصر قدیم)

ترجمہ:

عثمان بن سعید نے یحییٰ ابن معین سے عبدالواحد بن زیاد کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ وہ لیس بشئی ہے۔ اور امام احمد وغیرہ نے اسے ثقہ کہا۔ اس سے مُسدّد اور قتیبہ وغیرہ بہت سے محدثین نے روایت کی۔ عثمان نے یحییٰ سے اس کی ثقاہت لکھی ہے۔ اور یہ بھی کہا۔ اس کی روایات لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ تو تھی ان کے بارے میں وضاحت کہ کس قسم کے راوی تھے۔ اب پہلا الزام لیجئے۔ کہ یہ مرسل روایات کی سند بیان کرتے تھے۔ جناب اعمش نے جن روایات میں ارسال کیا۔ ان کی صحت پر انہیں اعتماد تھا۔ اس لیے ان کی سند کے اتصال اور متواتر ہونے پر زور نہ دیا۔ لیکن ان کے بعد عبدالواحد بن زیاد نے بڑی جانفشانی سے ان مراسیل کی پوری سند ذکر کی۔ اب اس کو عبدالواحد کی خوبیوں میں شمار کریں گے یا ان کی کمزوریوں پر محمول کریں گے؟ ان کی اس خدمت اور دیگر حالات کے پیش نظر جید علماء نے انہیں ثقہ کہا۔ اور ان کی مرویات ذکر کرنے میں کسی حرج کو دخیل نہ کیا۔ لیکن جارحی تو جھوٹ بولنے اور من گھڑت باتیں بنانے کی قسم اٹھائے ہوئے ہے۔ اگر حق و صداقت کی تلاش مقصود ہوتا۔ تو عبدالواحد

بن زیاد کے بارے میں وہی لکھتا۔ جو کتب اسماء الرجال نے لکھا ہے۔ اپنی خود ساختہ نہ ہانکتا۔ عبدالواحد بن زیاد کی سیرت کتب اسماء الرجال سے ملاحظہ ہو۔

تہذیب التہذیب

عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادِ الْعَبْدِی۔ رَوٰی عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ الشَّيْبَانِیْ وَ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ وَ الْاَعْمَشِ وَ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْجَعِی ..... وَعَنْهُ ابْنُ مَهْدِیْ وَ عَفَّان وَ عَارِم وَ مُعَلّٰی ابْنُ سَعْدِ الخ قَالَ اَبُوْعَوَانَةَ عَبْدُ الْوَاحِدِ ثِقَةٌ وَ قَالَ ابْنُ سَعْدٍ كَانَ ثِقَةً كَثِيْرُ الْحَدِيْثِ وَقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ وَ اَبُوْحَاتِمِ ثِقَةٌ قَالَ النَّسَائِیُّ لَيْسَ بِهٖ بَاْسًا وَ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ ثِقَةٌ عَمَدَ اِلٰی اَحَادِيْثَ كَانَ يَرْسِلُهَا الْاَعْمَشُ فَوَصَلَهَا قَالَ الْاَجَلِی الْبَصَرِی ثِقَةٌ حَسَنُ الْحَدِيْثِ وَ قَالَ الدَّارُقُطْنِیْ ثِقَةٌ مَامُوْنٌ وَ ذَكَرَهُ ابْنُ حَبَّانِ فِی الثِّقَاتِ وَ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ اَجْمَعَ لَاخِلَافَ بَيْنَهُمْ اَنَّ عَبْدَ الْوَاحِدِ بْنَ زِيَادِ ثِقَةٌ ثَبَتَ وَ قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ الْفَارِسِی ثِقَةٌ لَمْ يَحْتَلَّ عَلَيْهِ بِقَادِحِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۴۳۴ حرف العین)

ترجمہ:

عبدالواحد بن زیاد عبدی کے اساتذہ و شیوخ میں سے چند یہ ہیں۔

ابو اسحاق الشیبانی، عاصم الاحول، اعمش اور ابو مالک الاشجعی۔ اور ان کے شاگردوں میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ابن مہدی عفان، عارم اور معلی ابن سعد ابو عوانہ نے انہیں ثقہ کہا۔ ابن سعد نے ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہا۔ ابو زرعہ اور ابو حاتم دونوں نے ثقہ کہا۔ نسائی نے لیس بہ باس کہا۔ ابو داؤد نے ثقہ کہا۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ جن احادیث کو اعمش ارسال کر دیا کرتے تھے یہ ان کی سند بیان کر دیتے تھے اجلی بصری نے ثقہ اور حسن الحدیث کہا۔ دار قطنی نے ثقہ ماموں کہا۔ ابن حبان نے ان کو ثقہ روایوں میں لکھا۔ ابن عبد البر نے کہا۔ کہ تمام محدثین کرام کا اتفاق ہے۔ کہ عبد الواحد بن زیاد ثقہ ثبت ہے۔ ابن قطان فارسی نے بھی ثقہ کہا۔ اور کہا کہ ان پر کوئی حرج نہیں ہوئی ہے۔

لمحہ فکریہ

"عبد الواحد بن زیاد" کے متعلق جرح اور تنقید کرتے ہوئے جاڑوی نے یہ لکھا ہے۔ کہ "اس کی کذب بیانی اور افتراء پردازی اظہر من الشمس ہے" ایک طرف یہ الزام اور دوسری طرف عظیم محدثین اور ناقدین کا انہیں بالاتفاق ثقہ کہنا یہ جاڑوی کے خود کذاب اور افتراء پرداز ہونے کی ایسی دلیل ہے۔ جو اظہر من الشمس ہے۔ عبد الواحد اپنے شیخ جناب اعمش کی مراسیل کی سند بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس محنت اور علمی خدمت کو جاڑوی اس رنگ میں پیش کر رہا ہے۔ کہ عبد الواحد اختراع حدیث کرتا تھا۔ اور اسے اعمش کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ اس سے آپ جاڑوی کا یتیم فی العلم ہونا جان چکے ہوں گے۔ اُدھر میزان الاعتدال اور

تہذیب التہذیب اس کی خوبی بیان کریں۔ اور ادھر اس متعہ کی پیداوار کو دیکھی نقص نظر آئے۔ ابن قطان فارسی نے تو سو باتوں کی ایک بات کہہ دی۔ کہ کوئی جرح و تنقید کرنے والا عبدالواحد میں نقص نہیں نکال سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حرمتِ متعہ کی حدیث کے یہ دونوں راوی قابل اعتماد اور ثقہ ہیں۔ اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث صحیح اور قابل حجت ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواز متعہ

سبرہ ابن معبد جہنی۔ اب حرمت کے سلسلہ میں تیسری حدیث جو سبرہ ابن معبد نے نقل کی ہے۔ آپ نے سبرہ کے متعلق علماء سواد اعظم کے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک نگاہ میں انہیں بھی دیکھ لیں تاکہ حرمتِ متعہ کی قلعی کھل جائے۔ اور جواز متعہ کا حکم الٰہی طشت از بام ہو جائے۔

(ا)۔ سبرہ سے احادیث اس کے بیٹے ربیع ابن سبرہ کے علاوہ کسی نے بھی نقل نہیں کیں۔

(ب)۔ ربیع بن سبرہ راویانِ حدیث کی فہرست میں مجہول الشخصیت ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ امام بخاری میں نے پوری صحیح بخاری میں سبرہ بن معبد سے ایک حدیث بھی نہیں لی۔ کیونکہ سبرہ سے اس کے بیٹے ربیع کے سوا کسی دوسرے راوی نے ایک حدیث تک نقل نہیں کی۔ امام بخاری کے بعد

امام مسلم کو ہی دیکھ لیجئے کہ پوری صحیح مسلم میں حرمت متعہ کی حدیث کے علاوہ کوئی، دوسری حدیث نقل نہیں کی۔

(ج)۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں ص ۴۴۴ پر احادیث سبرہ کے متعلق لکھا ہے کہ علمائے روایت سبرہ ابن معبد کی حدیث کو درست قرار نہیں دیتے کیونکہ عبد الملک بن ربیع بن سبرہ ابن معبد ناقل حدیث ہے اور عبد الملک کے متعلق ابن معین نے کافی کچھ لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ شدت احتیاج اور سخت ضرورت کے باوجود امام بخاری نے سبرہ کی ایک حدیث کو بھی قبول نہیں کیا اگر امام بخاری کے نزدیک سبرہ کی حدیث درست ہوتی تو وہ یقیناً احادیث سبرہ کو اپنی صحیح بخاری میں جگہ دیتے۔ مزید تفصیل کے لیے الجمع بین رجال الصحیحین جلد ۱ ص ۱۳۵ ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ ہوا کہ حدیث حرمت متعہ ریت کی دیوار ہے۔ اور جس طرح یہ اصول ہے کہ ایک غلطی کو چھپانے کے لیے کئی غلطیاں کی جاتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر کی تحریم متعہ کو جائز قرار دینے کے لیے تنسیخ آیت کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے پڑے۔ حدیث ساز فیکٹری کی طرف رجوع کرنا پڑا اور ایسے افراد کی احادیث نقل کی گئی جو یا تو معیار حدیث پورا نہیں کرتے اور یا وہ اس کے خلاف کافی سے زیادہ اظہار خیال کر چکے ہیں۔ لہٰذا نہ تو کلام حضرت علی تحریم متعہ کے تقاضے پورا کرتا ہے۔ نہ حدیث سلمہ ابن اکوع معیار صحت پر پوری اترتی ہے۔ اور نہ ہی حدیث سبرہ تنسیخ احادیث کی اہلیت رکھتی ہے۔ اور جواز متعہ جس طرح تھا وہیں کا وہیں رہا۔

(جواز متعہ تصنیف اشبر جارڈوی شیعی
ص ۳۸)

جواب:

مذکورہ عبارت تین امور پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ سبرہ ابن معبد کا بیٹا ربیع بن سبرہ چونکہ "مجہول الشخصیت" ہے اس لیے سبرہ بھی مجہول ہوا۔

دوم:

بخاری نے سبرہ کی ایک روایت بھی ذکر نہ کی۔ اور مسلم نے صرف ایک ہی روایت حرمت متعہ والی ذکر کی ہے۔ کسی اور روایت کا نام و نشان نہیں ملتا۔

سوم:-

احادیث سبرہ اس لیے نامقبول ہیں ــــ کہ ان کی روایت کرنے والا عبدالملک بن ربیع (یعنی جناب سبرہ کا پوتا) ہے۔ اور اس پر ابن معین نے بہت کچھ کہا ہے۔

اوّل:-

کسی راوی کا مجہول ہونا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک نسب کے طور پر اور دوسرا عدالت میں۔ جناب سبرہ کے نسب کا تذکرہ تو کتب اسماء الرجال میں موجود ہے۔ سبرہ ابن معبد عوسجہ جہنی۔ ان کے بیٹے ربیع اور پوتے عبدالملک تک کے نام موجود ہیں۔ اس لیے جہالت باعتبار نسب کے تو نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ عدالت میں مجہول ہیں۔ تو اس سلسلہ میں کتب اسماء الرجال میں ان پر کوئی تنقید موجود نہیں ہے

بلکہ اس کے برعکس ان کے صحابی ہونے کی شہادت موجود ہے اور تمام صحابہ کرام کی عدالت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے۔ فرمایا "میرے تمام صحابہ عادل ہیں" آپ کے اس ارشاد کے پیش نظر جب جناب سبرہ کی صحابیت کی طرف خیال جاتا ہے۔ تو فوراً ان کی عدالت سامنے آجاتی ہے اثیر جاڑوی نے بھی ایک جگہ راوی پر تنقید کرتے ہوئے یہ کہا "وہ کہ اس نے زمانہ رسول بھی نہ پایا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو زمانۂ رسول میسر ہو وہ قابل اعتبار و اعتماد راوی ہے۔ لہذا صحابی ہونے کی وجہ سے کسی ناقد نے ان کی عدالت پر اعتراض نہیں کیا۔ ان کا صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا درج ذیل امور سے ثابت ہے۔

تہذیب التہذیب

سَبْرَةُ بْنِ مَعْبَدِ بْنِ عَوْسَجَةَ لَهٗ صُحْبَةٌ وَقَعَ ذِكْرُهٗ فِيْ حَدِيْثٍ عَلَّقَهُ الْبُخَارِیُ فِیْ اَحَادِيْثِ الْاَنْبِيَاءِ فَقَالَ يَرْوِیْ عَنْ سَبْرَةَ ابْنِ مَعْبَدٍ وَاَبِی الشُّمُوْسِ اَنَّ النَّبِیَّ اَمَرَ بِاِلْقَاءِ الطَّعَامِ يَعْنِیْ مِنْ اَجَلِ مِيَاهِ الثَّمُوْدِ وَعَنْهُ ابْنُ الرَّبِيْعِ وَ ذَكَرَهُ ابْنُ سَعْدٍ فِیْ مَنْ شَهِدَ الْخَنْدَقَ فَمَا بَعْدَ هَا۔

(تہذیب التہذیب جلد سوم ص۴۵۳
حرف السین)

ترجمہ: سبرہ ابن معبد عوسجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

(یعنی صحابی ہیں) ان کا نام اس حدیث میں آیا جسے امام بخاری نے احادیث الانبیاء میں تعلیقاً ذکر کیا۔ کہا کہ سبرہ ابن معبد اور ابو الشموس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا گرا دینے کا حکم دیا۔ یعنی اس وجہ سے کہ اس میں قوم ثمود کا پانی ملا ہوا تھا۔ ان سے ان کا بیٹا ربیع روایت کرتا ہے۔ اور ابن سعد نے کہا۔ کہ سبرہ غزوۂ خندق اور اس کے بعد رونما ہونے والے غزوات میں حاضر ہوئے تھے۔

جب کہ جناب سبرہ کا صحابی ہونا ثابت ہے۔ تو پھر ان کی عدالت بھی ثابت۔ لہذا انہیں "مجہول الشخصیت" کہنا نری جہالت ہے۔ اور پھر اس پر مزید جہالت یہ کہ ان کے بیٹے ربیع کو مجہول کہہ کر جاڑوی نے ان کی جہالت بیان کی۔ نہ بیٹے کی جہالت پر کوئی دلیل اور نہ کہیں یہ قانون کہ بیٹے کے مجہول ہونے سے باپ بھی مجہول ہو جائے۔ یہ تھی اثیر جاڑوی کی علمیت۔

دوم:

امام بخاری نے سبرہ کی کوئی روایت ذکر نہ کی۔ اور امام مسلم نے صرف ایک ہی بیان کی۔ لہذا مجہول ہونے کی وجہ سے ہوا۔ خدا عقل دے۔ امام بخاری نے اگرچہ ان کی کوئی حدیث روایت نہیں کی لیکن عدم روایت سے ان کا مجہول ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔ کیا پوری بخاری شریف میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی کوئی روایت ہے؟ اگر نہیں تو پھر ان کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے نام سے اپنی فقہ چمکا رہے ہو؟ امام بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے ان کی روایات ذکر کیں۔ جس کا جاڑوی کو بھی اعتراف ہے۔ ان میں ایک امام مسلم ہیں۔ اگرچہ ان کی صحیح مسلم میں ان کی صرف ایک روایت ذکر فرمائی۔ لیکن امام مسلم نے یوں ہی سنی سنائی

بر حدیث اپنی صحیح میں درج نہیں کر دی۔ بلکہ جب تک اُسے شرائط پر پورا اترتے نہ پایا۔ اس وقت تک اُس کا ذکر نہ کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ امام مسلم کی شرائطِ صحت روایت پر چونکہ حدیث سبرہ پورا اتر گئی تھی۔ اس لیے امام مسلم نے اسے درج فرما دیا۔ صحیح مسلم میں روایت کا درج ہونا تو اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ صحیح ہے۔ اور جاڑوی یہ تاثر دینے کی کوشش میں ہے۔ کہ چونکہ ایک ہے۔ اس لیے اس کا راوی مجہول ہوا۔ عجیب منطق ہے اور انوکھا ضابطہ۔ نہ کسی نے اس سے قبل پیش کیا اور نہ ہی کسی کے ذہن میں آیا۔ ممکن ہے ثبوت جوازِ متعہ کے شائق کو یہ ضابطہ اس کا بابا ابلیس بتا گیا ہو کیونکہ اُسے حرام کاموں کو جائز ثابت کرنے کے بہت دلائل آتے ہیں۔

سوم:

حرمت متعہ کی جناب سبرہ کی روایت چونکہ ان کے پوتے عبد الملک سے مروی ہے۔ اور عبد الملک کے بارے میں ابن معین نے بہت کچھ لکھا۔ لہذا یہ روایت ریت کی دیوار سے بڑھ کر نہیں۔ سو اس بارے میں سُنیئے۔ جناب سبرہ سے روایت کرنے والے صرف عبد الملک ہی نہیں بلکہ ایک اور راوی عبد العزیز بھی ہیں۔ اور مسلم شریف میں روایت حرمت متعہ ان دونوں سے مذکور ہے۔ کتب اسماء الرجال میں یہ مذکور ہے۔ کہ وہ روایت سبرہ جو عبد الملک کے واسطے سے مروی ہو۔ ضعیف ہے۔ اس واسطہ کے سوا اگر دوسرے واسطے سے مروی ہو۔ تو وہ ضعیف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حرمت متعہ کی روایت جو عبد الملک کے واسطہ سے ہے اس میں اگرچہ ضعف ہے۔ لیکن اُسے موضوع نہیں کہا جا سکتا۔ اب اسی روایت کو جب عبد العزیز کے واسطہ سے ذکر کیا گیا۔ جو کہ ضعیف بھی نہیں۔ تو اس روایت کی تاکید ہو گئی۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر ایک حدیث ضعیف

کی دوسری غیر ضعیف حدیث تائید و توثیق کر دے۔ تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے لہذا روایت عبد الملک بوجہ تائید کے ضعف سے نکل کر قوت میں داخل ہو گئی۔

آخر میں ہم جناب سبرہ کے بیٹے ربیع کے متعلق ایک حوالہ پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ ربیع کو "مجہول الشخصیت" کہہ کر جاڑوی نے سبرہ پر تنقید کی تھی۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ بیٹے پر تنقید سے باپ کو ملوث کرنا نری حماقت ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ بیٹا بھی تنقید سے خالی ہو۔ تو پھر اس پر فرضی جرح و تنقید ثابت کر کے اس کے باپ کو بدنام کرنا وہ عبد اللہ بن سبا کی تعلیم کا اثر ہی ہو سکتا ہے؟

تهذيب التهذيب

رَبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ وَقَالَ الْاَجْلِيُّ حِجَازِيٌّ تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ثِقَةٌ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ۔

(تہذیب التہذیب جلد سوم ص ۲۴۴ حرف الراء)

ترجمہ:

ربیع بن سبرہ کے بارے میں الاجلی نے کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ امام نسائی نے بھی اسے ثقہ کہا۔ اور ابن حبان نے اس کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے

جہاں تک حرمت متعہ پر بقول جاڑوی تین روایات ہیں۔ اور ان کو ناقابل اعتماد ٹھہرانے کی نہایت کذابانہ چالاکی کی۔ ہم نے اس کذب بیانی اور دھوکہ دہی کو طشت از بام کر دیا ہے۔ روایات مذکورہ ریت کی دیوار نہیں ہیں بلکہ ان پر کی گئی جھوٹی تنقید تار عنکبوت سے بھی گئی گزری ہے۔ ہم نے اس کو تار تار کر کے

الگ کر دیا۔ اس بنا و ٹی محب علی کو جواز متعہ کی فکر اس قدر دامن گیر ہے۔ کہ مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث کو بھی در خور اعتناء نہ سمجھا۔ اور بڑی ڈھٹائی سے لکھ دیا۔ کہ "وہ کلام حضرت علی تحریم متعہ کے تقاضے پورے نہیں کرتا" اسے کلام علی بھی تسلیم کر رہے ہو۔ اور پھر اسے وہ تقاضے پورے نہ کرنے والا، کہہ کر کس کو خوش کرنا چاہتے ہو۔ یہی علی المرتضیٰ ہیں۔ جن کا مقام و مرتبہ تمہارے عقائد کے اعتبار سے انبیاء سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور جن کی ہر بات قابلِ حجت ہے۔ ظالمو! جن کا نام لے کر دکان چمکاتے ہو۔ ان کی توہین سے بھی باز نہیں آتے حدیث علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند، مرفوع اور صحیح ہے۔ اسے ہم تحقیق سے ثابت کر چکے ہیں۔

لہٰذا "جواز متعہ جیسے تھا ویسا ہی رہا" اس سے اپنوں کا دل تو بہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چاہنے والوں کے نزدیک جوازِ متعہ کا وجود ختم ہو گیا ہے۔ اور اب بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح بقول علی المرتضیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دے دیا تھا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواز متعہ

نوٹ: اب ذرا شرح نووی کے دعوائے اجماع اور امام فخر الدین رازی کے مذکورہ فرمان کا موازنہ کریں۔ کہ ان میں سے کون درست ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ صرف اہل سنت کے ہاں متعہ منسوخ ہے۔ اور عبد اللہ بن عباس اور عمران بن حصین جواز متعہ کے قائل ہیں۔ اور علامہ نووی لکھتے ہیں۔ کہ حرمت پر اجماع ہے۔

(جواز متعہ ص ۴۱)

جواب:

اثیر جاڑوی نے رسالہ "جواز متعہ" ص ۳۹ پر ایک عنوان "متفق علیہ نظریہ" کے تحت چند حوالہ جات درج کیے ہیں۔ جن میں ابتدائے اسلام میں متعہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور آخر میں مندرجہ بالا دھوکہ اور کذب بیانی کا ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ ہم اس سے قبل اس امر کی تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ کہ آیت استمتاع کو جسے اہل تشیع جواز متعہ کی سند کے طور پر لاتے ہیں۔ اس کا صحیح معنی نکاح دائمی ہے

اس کی مزید تحقیق انشاءاللہ ذکر ہوگی۔ اب اس کی طرف آئیے۔ کہ ابتداء اسلام میں متعہ جائز تھا۔ سو اس بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ کہ "متعہ" دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز فرمایا۔ اور دونوں دفعہ حرام بھی فرما دیا تھا۔ اس کی قطعی تحریم فتح مکہ کے دن ہوئی تھی۔ اور پھر تمام صحابہ کرام نے اس کی حرمت پر اجماع فرمالیا تھا۔

جاڑوی نے بزعم خود امام رازی اور امام نووی کے نظریات کو متناقض کہا۔ حالانکہ ان میں درحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے۔ امام نووی نے حرمتِ متعہ پر اجماع کا قول کیا ہے اور امام رازی نے آیت متعہ کی تنسیخ کا دعویٰ کیا ہے اس میں قابل غور یہ بات ہے۔ کہ امام رازی نے تنسیخ کا قول اپنی طرف سے نہیں کیا۔ بلکہ اس کا ایک پس منظر بیان کیا۔ وہ اس طرح کہ امام موصوف نے حرمت اور جواز متعہ کی، مختلف روایات ذکر فرمانے کے بعد روایت حرمت کو بطور ناسخ اور روایت جواز کو بطور منسوخ ذکر کیا۔ جواز کے منسوخ ہونے پر انہوں نے روایت ذکر کی ہے۔ اس لیے تنسیخ کا دعویٰ اُن کا اپنا نہیں۔ کہ قارئین کرام کو یہ تاثر دیا جائے۔ کہ امام نووی حرمت متعہ پر اجماع کہتے ہیں۔ اگر اجماع تھا۔ تو پھر امام رازی تنسیخ کا دعویٰ کیوں کر رہے ہیں۔ اس لیے دونوں اماموں کے اقوال میں تعارض نہیں ہے۔ حرمت کی صورت چونکہ شروع اسلام سے تھی۔ اسی لیے صحابہ کرام نے اپنی مجبوری اور، معذوری کا اظہار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت، حلت میں تبدیل فرما دی۔ پھر اس وقتی حلت کو ختم فرما کر اس کی اصلیت بحال فرما دی۔ یہی امام رازی کا بیان ہے۔ اور اسی کو امام نووی نے آخر میں ذکر فرمایا۔

تناقض کی ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ امام رازی متعہ کی تنسیخ کا قول کرتے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن عباس اور عمران بن حصین جوازِ متعہ کے قائل تھے۔ اگر "جواز" منسوخ ہو چکا تھا۔ تو پھر ان صحابہ نے اس کے خلاف

کیوں عقیدہ بنائے رکھا؟ لہذا معلوم ہوا۔ کہ امام رازی کا قول تفسیخ درست نہیں۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ امام رازی نے عبداللہ بن عباس کے متعہ کے بارے میں تین اقوال نقل کیے ہیں۔ ۱۔ متعہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ ۲۔ حالت اضطرار میں جائز سمجھتے ہیں۔ ۳۔ اس کے جواز کو منسوخ کہتے ہیں۔ اور اس تیسرے قول میں امام رازی نے عبداللہ بن عباس کا جواز متعہ سے رجوع اور توبہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ اب ان تین اقوال میں وہ پہلا قول کہ جس سے انہوں نے رجوع فرمالیا۔ اور توبہ کرلی۔ جاڑوی نے اُسے تو لے لیا۔ اور اُن کی توبہ ورجوع کو گول کر گیا۔ آخر ایسا کرنا ہی اس کے لیے مفید تھا۔ کیونکہ دوسرا اور تیسرا قول نقل کرنے سے اس کی قائم کردہ عمارت دھڑام سے گر جاتی اور ان دونوں کو ذکر کرنے سے اس کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جاتا آیئے تفسیر کبیر سے یہ اقوال ملاحظہ کریں۔

تفسیر کبیر

الرِّوَايَةُ الثَّالِثَةُ اَنَّهٗ اَقَرَّ بِاَنَّهَا صَارَتْ مَنْسُوْخَةً رَوٰى عَطَاءُ ‌الْخَرَاسَانِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ مِنْهُنَّ) قَالَ صَارَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ مَنْسُوْخَةً لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ) وَرَوٰى اَيْضًا اَنَّهٗ قَالَ عِنْدَ مَوْتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ قَوْلِيْ فِي الْمُتْعَةِ۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۹ ۴ م زیر آیت فما استمتعتم مطبوعہ مصر جدید)

ترجمہ:

تیسری روایت (حضرت عبداللہ بن عباس سے) یہ ہے۔ کہ انہوں نے جواز متعہ کی آیت کے منسوخ ہونے کا اقرار کیا۔ عطاء الخراسانی نے ابن عباس سے آیت فما استمتعتم کے بارے میں روایت کی۔ کہ وہ اسے منسوخ فرماتے تھے۔ اور اسکی ناسخ یہ آیت بتلاتے تھے یاایھا النبی اذا طلقتم النسآء الخ۔ اور خراسانی سے ہی یہ روایت بھی ہے۔ کہ ابن عباس نے بوقت انتقال یہ کہا وے اللہ! متعہ کے متعلق جو میرا قول (جواز کا) تھا۔ میں اس سے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس اگرچہ جواز متعہ کے قائل رہے۔ اور اسی قول پر اہل تشیع اور جاڑوی بغلیں بجاتے ہیں لیکن یہ آخری کیفیت اُن کی کیوں نقل نہیں کرتے۔ یا انہیں نظر کیوں نہیں آتی۔ اللہ کے حضور جاتے وقت آخری دُعا یہ مانگی۔ کہ اے اللہ! جواز متعہ کے قول سے مجھے معاف کردے۔ اس کے بعد ان کی طرف سے جواز متعہ کا کونسا قول تلاش کروگے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ جاڑوی ساکم فہم یہ کہہ دے۔ کہ یہ روایت امام رازی نے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کی۔ اس وہم باطل کو بھی ہم جڑ سے اکھیڑ دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر جسے "تفسیر ابن عباس" کہتے ہیں۔ اس میں اُن کی اپنی زبانی اس بارے میں الفاظ پیش خدمت ہیں:۔

تفسیر ابن عباس:

وَ يُقَالُ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ اَنْ تَطْلُبُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

فُرُوْجَهُنَّ وَهِيَ الْمُتْعَةُ وَقَدْ نُسِخَتِ الْاٰنَ
(مُحْصِنِيْنَ) يَقُوْلُ كُوْنُوْا مَعَهُنَّ مُتَزَوِّجِيْنَ
(غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ) غَيْرَ زَانِيْنَ بِلَا نِكَاحٍ
(فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ) اِسْتَمْتَعْتُمْ (بِهٖ مِنْهُنَّ)
بَعْدَ النِّكَاحِ (فَاٰتُوْهُنَّ) فَاَعْطُوْهُنَّ (اُجُوْرَهُنَّ)
مُهُوْرَهُنَّ كَامِلَةً (فَرِيْضَةً) مِنَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اَنْ تُعْطُوا الْمَهْرَ تَامًّا (وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ)
وَلَا حَرَجَ عَلَيْكُمْ (فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ) فِيْمَا
تَنْقُصُوْنَ وَتَزِيْدُوْنَ فِي الْمَهْرِ بِالتَّرَاضِيْ
(مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ) الْاُوْلٰى الَّتِيْ سَمَّيْتُمْ لَهَا
(اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا) فِيْمَا اَحَلَّ لَكُمْ مُتْعَةً
(حَكِيْمًا) فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمُتْعَةَ وَيُقَالُ
عَلِيْمًا بِاِضْطِرَارِكُمْ اِلَى الْمُتْعَةِ حَكِيْمًا فِيْمَا
حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمُتْعَةَ۔

(تفسیر ابن عباس ص ۶۸ زیر آیت
فما استمتعتم)

ترجمہ:

اور کہا گیا ہے۔ کہ ان تبتغوا باموالکم کا معنی یہ ہے۔ کہ تم مال کے عوض ان کی شرمگاہوں کو طلب کرو۔ یہی متعہ ہے۔ اور اب یہ منسوخ ہو چکا ہے۔ محصنین کا معنی یہ ہے۔ کہ تم عورتوں کے ساتھ باقاعدہ شادی کر کے رہو۔ یوں نہیں کہ نکاح کیے بغیر زنا کرتے رہو۔ پھر تم نے

ان عورتوں میں سے جس سے نکاح کے بعد نفع اُٹھایا۔ تو اُن کے حق مہر مکمل ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر اُن کا مہر ادا کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔ اور تم پر اس صورت میں کوئی حرج نہیں کہ آپس میں رضامندی کے ساتھ حق مہر میں کمی یا زیادتی کر لو۔ یہ کمی یا زیادتی اس حق مہر پر ہو گی جو بوقت نکاح تم نے بیوی کے لیے مقرر کر لیا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے متعہ کو حلال کرنا بخوبی جانتا ہے۔ اور حرمتِ متعہ کی حکمت بھی اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس مجبوری کو جانتا ہے۔ جس کی وجہ سے تم متعہ کے خواہش مند ہوئے۔ اور متعہ کی پھر حرام کر دینے کی حکمت وہ بہتر جانتا ہے۔

توضیح:

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر سے اُن کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ متعہ حرام ہو چکا ہے۔ اور اس کی تین وجہیں بیان فرمائیں۔

۱۔ "ان تبتغوا باموالکم" سے متعہ جائز ہونا ثابت ہوا۔ لیکن اس کی تنسیخ محصنین غیر مسافحین نے کر دی۔ اور اجورھن کا معنی حق مہر فرمایا۔ یاد رہے کہ "اجورھن" ہی وہ لفظ تھا۔ جسے جاڑدی کے "متعہ" کے جواز پر دلیل بنایا تھا۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حق مہر کے معنی میں لیا۔ اور چونکہ متعہ میں حق مہر نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں اجورھن سے مراد متعہ کا معاوضہ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے علیم و حکیم دو ناموں کی توجیہ یہ ذکر فرمائی۔ کہ علیم اس لیے

کہ وہ جواز متعہ کو جانتا تھا۔ اور حکیم اس لیے کہ اس نے حرام کردیا۔ لیکن اس میں بھی حکمت تھی

۲۔ علیم اس لیے کہ اس نے حالت اضطراری کو جانتے ہوئے متعہ کی اجازت دے دی۔ اور حکیم ہونے کے اعتبار سے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اسے حرام کردے۔ سو کردیا۔

لہذا ان دلائل کے ہوتے ہوئے حضرت ابن عباس کے جواز متعہ کے قول کا سہارا لینا نری جہالت ہے۔ اور ان کے بقیہ دو اقوال نہ پیش کرنا مکمل خیانت ہے جو جاڑوی اینڈ کمپنی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

آیت استمتاع سے استنباط

جواز متعہ: سلسلہ روایات واحادیث کو دیکھ لینے کے بعد مناسب ہوگا۔ اگر نفس آیت میں بھی ایک مرتبہ غور کریں۔ تاکہ حکم الٰہی کا یہ واضح اور غیر مبہم پہلو بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے۔ جن لوگوں نے جوازِ متعہ سے انکار کیا ہے انہوں نے قرآن حکیم کی اس آیت محکمہ کو دو طریقوں سے کالعدم کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ ذاتی استنباط و اجتہاد کے ذریعہ (۲) دعویٰ کہ آیت منسوخ ہے۔

استنباط اجتہاد۔ جصاص اور اس کے دیگر ہم نور کہتے ہیں۔ کہ آیت کریمہ سابقہ اور لاحقہ کے اعتبار سے نکاح دائمی پر دلالت کرتی ہے۔ اور نکاح متعہ مقصود آیت نہیں اس سلسلہ میں جصاص نے احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۰۸ میں تین دلائل پیش کیے ہیں۔

۱۔ فما استمتعتم کا عطف احل لکم ما وراء ذالکم پر ہے۔ اور احل لکم سے محرمات کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کو جائز بتایا گیا ہے کیونکہ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں احل لکم سے مراد باری تعالیٰ نکاح ہی ہے۔ بنا برایں استمتاع بھی اسی احل لکم کی وضاحت ہونا چاہیئے۔ اور نکاح چونکہ نکاح دائمی کو کہتے ہیں۔ لہذا اجرت متعہ سے مراد حق مہر ہی ہوگا۔

۲۔ اسی آیت میں لفظ محصنین ہے۔ اور احصان صرف نکاح صحیحہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ متعہ سے وطی کو احصان نہیں کہا جاتا۔ اور نہ ہی متعہ سے مباشرت پر احصان کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہذا مراد نکاح ہے۔

۳۔ اسی آیت میں لفظ محصنین ہے۔ اور گویا ذاتِ احدیت نے زنا کو سفاح سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور سفاح کا معنی ہوتا ہے پانی کو ضائع کرنا۔ چونکہ متعہ کرنے والا بھی زانی کی طرح اپنے مادۂ منویہ کو ضائع کرتا ہے۔ اس لیے متعہ کو نکاح نہیں کہا جائے گا۔ اور استمتاع سے مراد نکاح دائمی اور اجور سے مراد حق مہر ہوگا۔ اب آیئے اور جصاص کے ان دلائل کو امام فخرالدین رازی کے سامنے پیش کیجیئے اور سنیئے کہ آپ نے کیا فرمایا ہے۔ لیجیئے تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۵۳ کھولیے اور پڑھیئے۔ دلیل اول لکھ کر امام رازی فرماتے ہیں کہ جصاص مقصودِ قرآن نہیں سمجھ سکا۔ کیونکہ ذات احدیت نے ابتدائے آیات میں انسان کو ایسے رشتوں سے مطلع کیا ہے۔ جن سے مباشرت حرام ہے۔ ان رشتوں کے ذکر کے بعد خالق نے فرمایا ہے۔ کہ ان کے علاوہ ہر عورت سے مباشرت جائز اور مباح ہے۔

لیجیئے امام رازی کے اس جملہ کی توضیح کر دوں۔ ذاتِ احدیت نے

اولاان عورتوں کا ذکر کیا ہے جن سے انسان شادی نہیں کر سکتا۔ ازاں بعد مطلقاً اباحت کا حکم دے دیا۔ کہ ان کے علاوہ دوسری ہر عورت سے شادی اور مباشرت جائز ہے۔ اب بھلا آپ ہی بتلائیں بقول امام رازی آیت میں متعہ کا عدم جواز کہاں سے ثابت ہوا بلکہ آیت میں تو یہ بتایا گیا ہے۔ کہ مذکورہ عورتوں سے نکاح علی الاطلاق حرام ہے۔ اور ان کے علاوہ ہر عورت سے نکاح علی الاطلاق جائز ہے۔ اس کے جواب میں امام رازی فرماتے ہیں۔ جصاص نے یہ تو کہہ دیا ہے۔ کہ احصان کا اطلاق صرف نکاح صحیح یعنی نکاح دائم پر ہوتا ہے۔ لیکن اپنے اس دعویٰ کی دلیل نہیں دی۔ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

لیجئے ذرا امام رازی کے اس جملہ کی مختصر سی توضیح دیکھ لیجئے۔ امام رازی فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ احصان کا معنی ہے عورت اور مرد دونوں اپنے اپنے ناموس کو بدکاری یعنی زنا سے محفوظ رکھیں۔ اس لفظ سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ احصان صرف نکاح دائمی ہی سے مخصوص ہے۔ اور نکاح میعادی میں احصان نہیں بولا جاسکتا؟ بلکہ احصان جس طرح نکاح دائمی میں ہے اسی طرح نکاح میعادی میں بھی ہے۔

اب امام رازی تیسری دلیل کا جواب دیتے ہیں۔ زنا کو سفاح کہا گیا ہے کیونکہ زنا میں مقصود صرف پانی گرانا ہوتا ہے۔ اور متعہ بھی اسی طرح ہے۔ جصاص کا یہ نظریہ غلط ہے۔ کیونکہ متعہ اس ذیل میں ہرگز نہیں آتا۔ متعہ میں اذن الٰہی کے مطابق جائز طریقہ سے پانی گرایا جاتا ہے۔ اور یہ طریقہ بالکل نکاح دائمی کی طرح ہے اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں۔ کہ اگر تم یہ کہو کہ متعہ حرام ہے۔ تو یہی آغاز بحث ہے۔ آخر میں بطور اختتام لکھتے ہیں۔ کہ جصاص کے دلائل انتہائی بودے ہیں۔

(جواز متعہ ص ۴۲)

جواب:

''استنباط اور اجتہاد'' کے عنوان کے تحت جاڑوی کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آیت فما استمتعتم سے مراد ''نکاح دائمی'' لینا ایک اجتہادی کوشش ہے۔ اور ''نکاح دائمی'' مراد لینے پر ابوبکر جصاص کے تین دلائل ذکر کر کے امام رازی کے حوالہ سے ان تینوں کی تردید بیان کر دی۔ اس سے ثابت یہ ہوا۔ کہ جصاص کے استنباط و اجتہاد کو خود ان کے ایک سُنّی عالم نے تسلیم نہیں کیا۔ اور ان دلائل کی تردید کر دی۔ لہٰذا دلائل کی تردید کر دی۔ لہٰذا دلائل کی تردید سے ''نکاح دائمی'' کا دعویٰ باطل اور نکاح میعادی ثابت ہو گیا۔

جاڑوی کے اس انداز سے بھی دھوکہ دہی اور کذب بیانی ٹپک رہی ہے کیونکہ جصاص کے دلائل اور پھر ان پر امام رازی کی تنقید کو جس رنگ میں اس نے پیش کیا۔ وہ ان کی عبارات میں ہے ہی نہیں۔ آیئے ذرا ان دونوں حضرات کی بات کا تعین کریں۔ کہ جصاص نے دلائل کس بات پر دیئے اور امام رازی نے ان کی تردید یا تضعیف کیوں کی؟ علامہ جصاص کا کہنا یہ ہے۔ کہ آیت فما استمتعتم میں متعہ معروفہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ نکاح دائمی مراد ہے۔ یعنی ''جواز متعہ'' قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن حرمتِ متعہ کا حکم جس طرح احادیث میں ہے اسی طرح اس بارے میں قرآنی آیات بھی ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ ''جواز متعہ'' اسلام کے ابتدائی دور میں تھا۔ اور اسے جصاص بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ منسوخ ہو گیا۔ اس کی تنسیخ قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ تو اپنے اس دعوای پر (جواز متعہ معروفہ قرآن کی آیت فما استمتعتم سے نہیں) انہوں نے تین دلائل پیش کیے۔ جن سے

آیت مذکورہ سے مراد نکاح دائمی لینا ثابت کیا۔ اور متعہ معروفہ مراد لینا ناقابل قبول قرار دیا۔ جب امام جصاص کا نظریہ آپ جان چکے ہیں۔ تو اب امام رازی کی تحریر کی، طرف آیئے۔

امام رازی بھی یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ "متعہ" دائمی حرام ہے۔ لیکن ان کا خیال ہے کہ جب ابتدائے اسلام میں اس کی اجازت دی گئی۔ تو اس اجازت کا ثبوت اس جواز متعہ کے لیے آیت "فما استمتعتم" دلیل بن سکتی ہے۔ لہٰذا آیت مذکورہ متعہ کے جواز کے لیے ہے۔ لیکن اس کو بعد میں دوسری آیات نے منسوخ کر دیا۔ اس نظریئے کی قوت اور جصاص کے نظریہ کی کمزوری ثابت کرنے کے لیے امام رازی نے تین دلائل پر گرفت کی۔ لیکن اس سے جاڑوی اینڈ کمپنی کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ آیت مذکورہ بقول جصاص نکاح دائمی کے لیے ہے۔ اور شیعہ اسے متعہ معروفہ کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور امام رازی کے نزدیک یہ آیت متعہ معروفہ کے جواز کے لیے ضرور ہے لیکن منسوخ ہو چکی ہے اب اگر انہیں امام رازی پسند ہیں۔ اور ان کے نظریات قبول ہیں۔ تو سبحان اللہ! لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ کیونکہ امام رازی اگرچہ آیت مذکورہ سے مراد متعہ معروفہ ہی لیتے ہیں۔ لیکن دوسری ناسخ آیتوں سے متعہ معروفہ کے ابدی حرام ہونے کے معتقد ہیں۔ یہ چکر جاڑوی نے صرف اس لیے چلایا تاکہ یہ بنا سکے۔ کہ جصاص کے تینوں دلائل جب امام رازی نے رد کر دیئے۔ تو متعہ معروفہ کا اب بھی جواز ثابت ہو گیا۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں کا اس میں اختلاف نہیں۔ ہم ذیل میں ابوبکر جصاص کے تینوں دلائل اور امام رازی کی ان پر تنقید نقل کر رہے ہیں۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

دلیل اول:

آیت فما استمتعتم سے پہلے احل لکم ما وراء ذالکم ہے۔ یہ دونوں

معطوف اور معطوف علیہ ہونے کی وجہ سے ایک ہی کیفیت کو بیان کرتی ہیں۔ یعنی جب اس سے پہلے ایسے رشتے بیان کیے گئے جن سے نکاح، دائمی طور پر حرام تھا تو اب ایسے بیان کیے جا رہے ہیں۔ جن سے دائمی نکاح جائز ہے۔ احل لکم ما وراء ذالکم سے نکاح دائمی مراد لینا چونکہ سنی شیعہ دونوں کا متفق علیہ ہے۔ اس لیے اس متفقہ نکاح کو ہی مراد لیا جائے گا۔ اور استمتاع سے مراد نفع دائمی ہوگا۔ جس کا حصول نکاح دائمی سے ہوتا ہے۔ اس لیے اُجُوْرَ سے مراد حق مہر ہے۔ اس دلیل پر امام رازی کی گرفت ملاحظہ فرمائیں۔

تنقیدِ رازی:

احل لکم ما وراء ذالکم سے جب یہ مراد ہے کہ مذکورہ محرمات عورتوں کے علاوہ دوسری ہر عورت سے وطی حلال ہے۔ تو وطی حلال وقتی ہو یا دائمی دونوں کو شامل ہے۔ فای فساد فی ھذا الکلام۔ اس کلام میں کونسا فساد ہے؟

دلیل دوم:

آیت مذکورہ میں "محصنین،، جو احصان سے ماخوذ ہے۔ یہ نکاح دائمی سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی محصن وہ آدمی ہے۔ جس نے دائمی نکاح کرکے اپنی زوجہ سے وطی کی ہو۔ متعہ کے طور پر وطی کرنے والا محصن نہیں کہلاتا۔ اس لیے یہ لفظ اس بات کا قرینہ ہے۔ کہ استمتاع سے مراد نکاح دائمی ہے۔

تنقیدِ رازی:

جصاص نے احصان کے مذکورہ معنی لینے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

نوٹ:

دلیل بیان نہ کرنے سے کسی دعویٰ کی دلیل ہی نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

دلیل کی اس وقت ضرورت پڑتی ہے۔ جب مدمقابل دعوٰے تسلیم نہ کرتا ہو۔ اور اگر دعوٰے فریقین کے مابین مسلم ہو۔ تو پھر دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی "احصان" کا معنی جب اہل تشیع بھی وہی کرتے ہیں۔ جو جصاص نے کیا تو اس پر دلیل کی کیا ضرورت تھی۔ سنی شیعہ دونوں کا اتفاق ہے۔ کہ زانی کی سزا دو طرح کی ہے۔ کنوارے کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنا یا یوں کہہ لیں کہ محصن کی سزا رجم اور غیر محصن کی سو کوڑے ہے۔ جب متعہ کے طور پر وطی کرنے والا خود اہل تشیع کے نزدیک محصن نہیں۔ تو پھر احصان سے مراد نکاح دائمی کر کے وطی کرنے والا ہوا۔

مجمع البیان

وَالْاِحْصَانُ هُوَاَنْ يَكُوْنَ لَهُ فَرْجٌ يَغْدُوْ عَلَيْهِ وَيَرُوْحُ عَلٰى وَجْهِ الدَّوَامِ۔

(مجمع البیان جلد ۷ ص ۱۲۴ مطبوعہ تبریز)

ترجمہ:

احصان کی تعریف یہ ہے۔ کہ کس کے پاس اپنی بیوی ہو۔ اور اس سے صبح و شام جب چاہے وطی کرے۔ لیکن یہ بیوی دائمی بیوی ہو۔

دلیل سوم:

"غیر مسافحین" میں لفظ سفاح بھی استمتاع سے مراد نکاح دائمی پر قرینہ

ہے۔ کیونکہ سفاح بمعنی زنا آتا ہے۔ جس طرح زنا میں مادۂ منویہ ضائع کیا جاتا ہے اسی طرح متعہ میں بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

تنقید رازی:

زنا اور متعہ میں فرق ہے۔ زنا میں مادۂ منویہ ضائع کرنا ہی مقصود ہوتا ہے لیکن متعہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایسا ہوتا ہے۔ زنا میں اذن نہیں۔

نوٹ:

"غیر مسافحین" کا معنی صاحب مجمع البیان میں "غیر زانین" کر کے ثابت کر دیا۔ کہ سفاح اور زنا دونوں ایک ہی ہیں۔ علاوہ ازیں جب امام رازی بھی متعہ کے ابدی حرام ہونے کے معتقد ہیں۔ تو پھر متعہ کے طور پر گرایا گیا پانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ گرانا کیسے بن گیا؟

لمحہ فکریہ:

امام رازی نے احکام القرآن کے مصنف جناب جصاص پر جو تنقید کی۔ وہ اپنی جگہ درست لیکن اس بات پر دونوں متفق ہیں۔ کہ متعہ کچھ عرصہ جائز رہنے کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا تھا۔ امام رازی نے آخری میں جو دلیل لکھی ذرا اس پر بھی نظر پڑ جائے۔

فلو كانت هٰذه الاية دالة على انها مشروعة لم يكن ذالك قادحا فی غرضنا۔

یہ آیت اگر اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ متعہ جائز تھا۔ تو بھی ہمارے

عقیدہ میں اس سے کوئی اعتراض نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اس کی اباحت منسوخ ہو چکی ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۵۲)

امام رازی اور امام جصاص کی تحریرات کے مطالعہ کے بعد ہر ذی فہم اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ ان دونوں بزرگوں کا آیت استمتاع سے مراد لینے میں اختلاف تو ہو سکتا ہے۔ لیکن جواز متعہ کے بعد اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہذا جاڑوی اینڈ کمپنی کو ان دونوں بزرگوں سے مایوسی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ یہ جواز متعہ کا شائق اور وہ حرمتِ متعہ کے قائل۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواز متعہ

اس بحث میں امام رازی رقمطراز ہیں۔ کہ متعہ کے سلسلہ میں قابل اعتماد بات یہ ہے۔ کہ ہم کھلے دل سے یہ تسلیم کریں۔ کہ متعہ ایک وقت مباح تھا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اب منسوخ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد امام رازی نے بھی اپنے دعوے کے ثبوت

ہیں تین دلائل پیش کیے۔

۱۔ آیت متعہ کو ذاتِ احدت نے آیت طلاق سے منسوخ کر دیا ہے یعنی سورۂ طلاق کی آیت ہے یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔

اے نبی جب عورتوں کو طلاق دو تو طلاق کے بعد دوسرے نکاح کے لیے عدت کا انتظار کرو۔

اس آیت کے مطابق چونکہ میاں بیوی کی جدائی طلاق پر موقوف ہے۔ اور طلاق کے بعد عدت ہوتی ہے۔ اور متعہ میں نہ طلاق ہے نہ عدت۔ لہذا یہ آیت، آیتِ متعہ کی ناسخ ہے۔

لیکن امام رازی کی آنکھوں پر تعصب اور افراد نوازی کی دبیز پٹی نہ ہوتی۔ انہوں نے لکھنے کو تو یہ لکھ دیا ہے۔ لیکن اس کا ثابت کرنا ان کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ متعہ میں بھی عدت ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ متعہ کی عدت، عدت طلاق کا نصف ہوتی ہے۔ بہر صورت عدت ہوتی ہے۔ میاں اور بیوی میں جدائی کا ذریعہ صرف طلاق تو نہیں۔ اگر امام رازی فقہ میں جھانکیں۔ تو اسباب فسخ کی موجودگی میں جدائی بلا طلاق بھی ہوتی ہے۔ اور میاں بیوی دونوں فسخ نکاح کے اختیارات رکھتے ہیں۔ لہذا میاں بیوی کی جدائی طلاق میں منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ آیت میں حکم طلاق ہے۔ یعنی ایسی صورتوں میں جب میاں بیوی کی جدائی طلاق میں ذریعہ ہو جیسا کہ دائمی نکاح میں ہوتا ہے۔ اس کا مقصد نہیں کہ ہر مقام پر میاں بیوی کی جدائی صرف طلاق پر موقوف ہے۔

۲۔ امام رازی کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ آیت متعہ کی ناسخ آیت میراث ہے چونکہ نکاح متعہ میں میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ اس لیے

متعہ کی اجازت منسوخ ہوگئی ہے.......... دلیل آپ نے دیکھ لی۔ چونکہ جصاص اور دیگر علمائے سواد اعظم کی طرح امام رازی بھی اباحت متعہ کو حرمت میں بدلنا چاہتے ہیں اس لیے قدم جمیں یا نہ جمیں بات سے نہیں ہٹنا پہلے آیت طلاق کو آیت متعہ کا ناسخ بتانا لیکن جب دل کو سکون نہ ہوا۔ تو آیت طلاق سے ہٹ کر میراث پر آگئے حالانکہ امام ہونے کے باوجود تعصب نے اتنا تک نہ سوچنے دیا۔ کہ نسخ اور تخصیص میں فرق ہوتا ہے۔ ناسخ حکم اول کو کالعدم قرار دیتا ہے۔ جبکہ تخصیص سے حکم اول کی عمومیت ختم ہو کر حلقہ محدود ہو جاتا ہے۔ آیت میراث نے میاں بیوی کے توارث کو مخصوص کیا ہے۔ نہ کہ آیت متعہ کو منسوخ کیا ہے۔ اگر اسے ناسخ بنایا جائے۔ تو پھر اپنے شوہر کی قاتلہ بیوی یا اپنی بیوی کا قاتل بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ کیا یہ بھی نکاح دائمی کی ناسخ ہوگی۔ نکاح متعہ میں عدم توارث، توارث عمومی کا مخصص ہے۔ حکم متعہ کا ناسخ نہیں۔ علاوہ ازیں امام رازی نے چونکہ احکام شرعیہ متعہ میں غور نہیں کیا اس لیے ان سے یہ امر پوشیدہ رہا۔ ورنہ احکام متعہ میں اگر ان کی نگاہ میں ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ میعادی نکاح میں بھی اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے توارث کی شرط قرار دے دیں اور مدت متعہ میں کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

۳۔ امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے۔ کہ آیت متعہ حدیث نبوی سے منسوخ ہے۔.... سابقاً سرور کونین کی طرف منسوب کردہ حرمت متعہ کی احادیث آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور ہم بتا چکے ہیں۔ کہ یہ ریت کی دیواریں متعہ کے جواز میں دراڑ ڈالنے سے قاصر ہیں۔ احادیث کو تو تفصیل سے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ اولاد سرور کونین سے حرمت متعہ کی احادیث ثابت ہی نہیں نبی اکرم پر افتراء اور بہتان ہے۔ اور ثانیاً اگر ثابت ہو بھی جائیں تو علم اصول میں باتفاق امت یہ ثابت ہے۔ کہ

حدیث نص قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی خواہ اقسام حدیث میں سے کسی قسم کی حدیث ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حدیث کا مقام ظن کا ہوتا ہے۔ اور قرآن کی حیثیت یقین کی ہے اور کبھی بھی یقین کو ظن سے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

جواب:

میاں بیوی کی جدائی طلاق پر موقوف ہے۔ اور طلاق کے بعد عدت ہوتی ہے اور متعہ میں نہ طلاق نہ عدت ہوتی۔ آیت طلاق، آیتِ متعہ کی ناسخ ہوئی۔ امام رازیؒ کی پہلی دلیل جاڑوی نے مذکورہ الفاظ سے ذکر کی۔ لیکن امام صاحب کی تحریر سمجھنے کے لیے علم درکار ہے۔ جو اتفاق سے جاڑوی کے پاس نہیں۔

امام صاحب کا کہنا ہے۔ کہ نکاح کے احکام سے ایک حکم "طلاق" بھی ہے۔ اور یہ حکم "متعہ" میں موجود نہیں ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم نازل فرمایا تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ طلاق سے قبل مرد اور عورت کے درمیان ایسا تعلق ہونا چاہیئے۔ جو طلاق سے ختم ہو سکتا ہو۔ اور تعلق "متعہ" میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ متعہ کرنے والے مرد اور عورت دونوں کی جدائی کے لیے طلاق کے لیے طلاق کی ضرورت نہیں۔ اور آیتِ طلاق کے بعد عدت کا بھی ذکر ہے۔ یعنی طلاق کے بعد جب تک عورت عدت ختم نہ کر لے۔ اسے دوبارہ کسی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ اور "متعہ" کے بعد عورت اسی وقت دوسرے سے متعہ کر سکتی ہے۔ اسے عدت کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کی تائید کتب شیعہ سے ملاحظہ کیجئے۔

فروع کافی:

تَقُوْلُ يَا اَمَةَ اللّٰهِ اَتَزَوَّجُكِ كَذَا وَكَذَا يَوْمًا بِكَذَا

وَكَذَا دِرْهَمًا فَإِذَا مَضَتْ تِلْكَ الْأَيَّامُ كَانَ طَلَاقُهَا فِي شَرْطِهَا وَلَا عِدَّةَ لَهَا عَلَيْكَ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۵۶ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

امام جعفر نے فرمایا۔ کہ جب تو متعہ کرنا چاہیے۔ تو عورت سے یوں کہہ اے اللہ کی بندی! میں تجھے اتنے دنوں کے لیے اتنے درہموں کے بدلے زوجیت میں لانا چاہتا ہوں۔ پھر جب مقررہ دن گذر جائیں تو اس کی طلاق دنوں اور روپوں کی شرطیں ہوگی۔ (یعنی مقررہ دن گزرنے اور معاوضہ دینے پر وہ نکاح طلاق دیئے بغیر خود بخود ختم ہو جائے گا۔) اور اس عورت کی تجھ پر کوئی عدت نہیں۔

الاستبصار:

عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیہ السلام فی المتعۃ قال لیست من الاربع لانھا لا تطلق ولا ترث ولا تورث و انما ھی مستاجرۃ

(الاستبصار جلد سوم ص ۱۴۷ باب انہ یجوز الجمع بین اکثر من الاربع فی المتعۃ)

ترجمہ:

امام جعفر سے محمد بن مسلم راوی ہیں کہ امام نے متعہ کے بارے میں فرمایا

جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے۔ وہ ان چار عورتوں میں سے نہیں ہوتی جن کو بیک وقت نکاح میں رکھنا شرعًا جائز ہے۔ کیونکہ متعہ کی گئی عورت کو طلاق دے کر فارغ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (بلکہ وہ مقررہ میعاد گزرنے پر خود بخود کا دوسرے کے لیے فارغ ہو جاتی ہے) اور وہ نہ کسی متعہ کرنے والے کی وارث ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی متعہ کرنے والا اس کا وارث ہوتا ہے۔ وہ تو ایک کرایہ پر لی گئی عورت ہوتی ہے۔

الاستبصار

عن عبيد بن زرارة عن ابيه عن ابى عبد الله عليه السلام قال ذكر له المتعة اهى من الاربعة قال تزوج منهن الفا فانهن مستاجرات۔

(الاستبصار جلد سوم ص ۱۴۷)

ترجمہ:

زرارہ امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ امام موصوف کے ہاں متعہ کا ذکر ہوا۔ اور پوچھا گیا۔ کیا وہ عورت جس سے متعہ کیا جاتا ہے۔ وہ چار میں سے ہوتی ہے؟ فرمایا۔ تو بطور متعہ ایک ہزار عورت سے شادی کرلے۔ (اس میں کوئی گناہ نہیں) کیونکہ وہ تو کرایہ پر لی گئی عورتیں ہیں۔

لمحہ فکریہ:

جو کچھ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح اور متعہ کے درمیان فرق بیان فرمایا

تھا۔ وہی بعینہ امام جعفر صادق بھی بیان فرما رہے ہیں۔ اب جاڑوی کو وہی زبان اپنے امام کے بارے میں بھی استعمال کرنی چاہیئے۔ جو اس نے اس فرق پر امام رازی کے بارے میں استعمال کی ہے۔ ائمہ اہل بیت نے صراحت فرما دی۔ کہ متعہ والی عورت کے لیے طلاق کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی لیے اس کے لیے عدت کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ مقررہ وقت جس پر اس نے ہاں کی تھی۔ گزرنے پر وہ فارغ ہے۔ اور اب کسی نئے سے معاہدہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا۔ کہ عورتوں کو طلاق دے کر فارغ کرو۔ اور اُن کی عدت گزرنے پر دوسری جگہ اُن کی شادی ہونی چاہیئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اب وہ نکاح کہ جس کے بعد فراغت کے لیے طلاق کی ضرورت نہ تھی۔ اور کسی دوسرے سے معاہدہ کرنے کے لیے عدت گزارنا بھی ضروری نہ تھا۔ وہ منسوخ ہو گیا۔ اسی نکاح کو میعادی نکاح یا متعہ کہتے ہیں۔ یہ تھا امام رازی کی تحریر کا مفہوم۔ جسے جاڑوی نے متمتع عورت کی طرح گھسیٹ کر اپنا مطلب پورا کرنے کی کوشش کی۔ اب امام رازی کی دوسری دلیل کی طرف آئیے۔

۲۔ آیت میراث، آیت متعہ کی ناسخ ہے۔ کیونکہ متعہ والی عورت متعہ کرنے والے مرد کی وارث نہیں ہوتی۔ اس پر جاڑوی نے تنقید کرتے ہوئے لکھا۔ کہ بیوی اپنے خاوند کی میراث نہیں پاتی۔ اگر محرومیٔ وارث نسخ کی وجہ ہے۔ تو پھر اس سے نکاح دائمی بھی منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ دائمی نکاح کے ہوتے ہوئے اگر عورت خاوند کو یا بالعکس قتل کر دیتے ہیں۔ تو ان میں توارث نہیں چلتا۔

یہاں بھی جاڑی نے خود مغالطہ میں پھنسانے کی کوشش کی۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ چند اشیاء ایسی ہیں۔ جو مانع وراثت ہیں۔ اور وہ شیعہ سنی دونوں کے مابین متفق علیہ ہیں۔ مثلاً رقیت (غلامی) قتل اور اختلاف دین۔ گویا زوجین

کے درمیان توارث بطور امر لازم ہے۔ مگر ان موانع اور عوارض میں سے اگر کوئی موجود ہو۔ تو زوجین کے مابین توارث نہیں رہے گا۔ لیکن نکاح متعہ ایسا معاہدہ ہے۔ کہ متعہ کرنے والا اور کرانے والی دونوں ان عوارض کے بغیر بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ یعنی نکاح متعہ میں ایک دوسرے کا وارث ہونا یا وارث بننا "امر لازم" نہیں ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان وراثت جاری کی۔ تو اس حکم سے ایسے میاں بیوی جو ایک دوسرے کے انتقال پر وارث نہ بنتے ہوں۔ یعنی یہ کہ خاوند مر جائے تو اس کی بیوی کو اس کے مالِ متروکہ میں سے وراثت ملے گی۔ اور اگر بیوی مر جائے تو اس کے ترکہ سے خاوند کو وراثت ملے گی۔

تو اس حکم سے ایسے میاں بیوی جو ایک دوسرے کے انتقال پر وارث نہ بنتے ہوں۔ ایسے رشتہ دار کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا۔ نکاح متعہ میں توارث "امر لازم" نہیں۔ یہ اہل تشیع کو بھی تسلیم ہے۔ بلکہ اُن کی ہی بات ہے

تہذیب الاحکام:

وَ لَيْسَ يُحْتَاجُ إِلَى اَنْ يَشْتَرِطَ اَنَّهُمَا لَا تَرِثُ لِاَنَّ مِنْ شُرُوْطِ الْمُتْعَةِ الا زِمَةِ اَنْ لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُمَا تَوَارُثٌ۔

(تہذیب الاحکام جلد ہفتم ص ۲۶۴)

ترجمہ:

اور نکاح متعہ کے وقت اس بات کی کوئی ضرورت نہیں۔ کہ متعہ کرنے والا عورت سے یہ شرط ٹھہرا لے۔ کہ تو میری وارث نہیں ہو گی۔ کیونکہ متعہ کے لیے جو شرائط لازم ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے

کہ متعہ کرنے والے مرد اور متعہ کرانے والی عورت کے درمیان توارث نہیں ہوگا۔

الاستبصار:

لَا مِيْرَاثَ بَيْنَهُمَا سَوَاءٌ اُشْتُرِطَ نَفْيُ الْمِيْرَاثِ اَوْلَمْ يُشْتَرَطْ لِاَنَّ مِنَ الْاَحْكَامِ اللَّازِمَةِ فِي الْمُتْعَةِ نَفْيُ التَّوَارُثِ وَاِنَّمَا يُحْتَاجُ ثُبُوْتُ الْمُوَارَثَةِ اِلَى شَرْطٍ

(الاستبصار جلد سوم ص ۱۵۰)

ترجمہ:

متعہ کرنے والے مرد اور متعہ کرانے والی عورت کے درمیان وراثت کا حکم ہرگز نہ ہوگا۔ چاہے وہ میراث کی نفی بطور شرط رکھیں یا اس کی شرط نہ رکھیں۔ کیونکہ متعہ کے احکام لازمہ میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ اس میں توارث نہیں ہوتا۔ اور یہ یقیناً ثبوتِ توارث، شرط کا محتاج ہے۔

مذکورہ دونوں حوالہ جات سے ثابت ہوا۔ کہ متعہ میں "توارث،، ہرگز نہیں ہوتا۔ اور یہ ہی نکاح متعہ میں اصل ہے۔ یعنی اگر کسی نے نکاح متعہ کیا۔ اور بوقتِ نکاح باہم توارث نہ ہونے کی کوئی بات نہ کی۔ تو یہ بات از خود موجود ہوگی۔ اور ان میں سے ایک دوسرے کا کوئی بھی وارث نہیں ہوگا۔ ہاں اگر یہ شرط باندھ لیں۔ کہ ہم نکاح متعہ اس شرط پر کرتے ہیں۔ کہ ہم دونوں میں سے مدت مقررہ میں جو مر گیا اس کا زندہ رہنے والا وارث ہوگا۔ تو اس صورت میں وراثت چل سکتی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف نکاح دائمی میں میاں بیوی توارث کی شرط لگائیں یا نہ لگائیں۔ وہ

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ لہٰذا آیت میراث نے ایسے نکاح کو کہ جس میں عدم توارث بطور شرم لازم ہو۔ اس کو منسوخ کر دیا۔ یعنی نکاح متعہ کو منسوخ کر دیا۔ اب وہی نکاح جائز رہ گیا جس میں باہم وراثت ہو۔ اور وہ نکاح دائمی ہی ہے۔

جہاں تک توارث زوجین کا "امر لازم" ہونے کا معاملہ ہے۔ وہ ہم نے بیان کر دیا۔ اب اِس "امر لازم" کے موانع اور عوارض کہ جن میں سے کسی ایک کی موجودگی میں توارث ختم ہو جاتا ہے۔ ان میں رق، کفر اور قتل بھی ہیں۔ جن کو اہل تشیع بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

المبسوط:

يَمْنَعُ مِنَ الْمِيْرَاثِ ثَلَاثَةُ اَشْيَاءَ الْكُفْرُ وَالرِّقُّ وَالْقَتْلُ۔

(المبسوط جلد چہارم ص ۷۹)

ترجمہ:

وراثت سے تین باتیں محروم کر دیتی ہیں۔ کفر۔ رق اور قتل۔

نوٹ:۔

جاڑوی نے جس قتل کو باعث تنقید بنایا ہے۔ اور امام رازی کی دلیل کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا ایک عمدہ جواب علامہ جصاص نے یہ دیا ہے۔

احکام القرآن

فَإِنْ قِيلَ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ نَفْيِ النَّسَبِ وَالْعِدَّةِ وَالْمِيرَاثِ لَيْسَ انْتِفَاءُ هٰذِهِ الْأَحْكَامِ بِمَانِعٍ مِنْ أَنْ تَكُونَ نِكَاحًا لِأَنَّ الصَّغِيرَ لَا يُلْحَقُ بِهِ نَسَبًا وَيَكُونُ نِكَاحُهُ صَحِيحًا وَالْعَبْدَ لَا يَرِثُ وَالْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ وَلَمْ يُخْرِجْهُ انْتِفَاءُ هٰذِهِ الْأَحْكَامِ مِنْ أَنْ يَكُونَ نِكَاحًا قِيلَ لَهُ إِنَّ نِكَاحَ الصَّغِيرِ قَدْ تَعَلَّقَ بِهِ ثُبُوتُ النَّسَبِ إِذَا صَارَ مِمَّنْ يَسْتَفْرِشُ وَيَتَمَتَّعُ وَأَنْتَ لَا تُلْحِقُ نَسَبَ وَلَدِهَا مَعَ الْوَطْيِ الَّذِي يَجُوزُ أَنْ يُلْحَقَ بِهِ النَّسَبُ فِي النِّكَاحِ وَالْعَبْدُ وَالْكَافِرُ إِنَّمَا لَمْ يَرِثَا لِلرِّقِّ وَالْكُفْرِ وَهُمَا يَمْنَعَانِ التَّوَارُثَ بَيْنَهُمَا وَذٰلِكَ غَيْرُ مَوْجُودٍ فِي الْمُتْعَةِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ أَهْلِ الْمِيرَاثِ مِنْ صَاحِبِهِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا مَا يَقْطَعُ الْمِيرَاثَ ثُمَّ لَمْ يَرِثْ مَعَ وُجُودِ الْمُتْعَةِ عَلِمْنَا أَنَّ الْمُتْعَةَ لَيْسَتْ بِنِكَاحٍ لِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ نِكَاحًا لَا وَجَبَتِ الْمِيرَاثُ مَعَ وُجُودِ سَبَبِهِ

مِنْ غَيْرِ مَانِعٍ ثَمَّہٗ مِنْ قِبَلِهِمَا ۔

(احکام القرآن جلد دوم ص ۱۵۰ مطبوعہ
سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:

اگر اعتراض کیا جائے کہ جو تم نے نسب، عدۃ اور میراث کی نفی ذکر کی ہے۔ ان احکام کا انتظار اپنی جگہ لیکن ان کے انتفاء سے یہ لازم نہیں آتا کہ نکاح ہی منتفی ہو جائے۔ (یعنی نکاح موجود ہوتے ہوئے بھی نسب، عدۃ اور میراث کی نفی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا متعہ میں اگرچہ نسب نہیں، عدت کی ضرورت نہیں اور وراثت نہیں چلتی۔ لیکن اس کے باوجود نکاح متعہ "نکاح" رہتا ہے) دیکھئے کہ نابالغ بچہ جب اس کی شادی ہو جائے۔ تو اس کی بیوی کے ہاں بچہ بچی پیدا ہونے پر اس نابالغ خاوند سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کا نکاح بہر حال صحیح ہے۔ اور غلام وارث نہیں ہوتا۔ (لیکن وہ بھی اگر مولیٰ کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کرے۔ تو نکاح درست ہے) اور اسی طرح مسلمان بھی اپنے کافر عزیز کا وارث نہیں ہوتا۔ (لیکن مسلمان کا نکاح درست اور صحیح ہے) تو نسب، میراث اور عدت کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اصل نکاح ہی ختم ہو جائے۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جائے گا۔ کہ چھوٹے نابالغ خاوند کے نکاح سے اس کی بیوی کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا اس سے نسب ثابت ہوتا ہے اور یہ اس وقت کہ وہ چھوٹا خاوند ایسا ہو۔ کہ وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کر سکتا ہو لیکن اے معترض تو نکاح متعہ میں باوجود اس کے کہ متعہ کرنے کرانے والے دونوں

اس قابل ہیں۔ کہ اگر وہ نکاح صحیح کے بعد وطی کرتے تو ان کا نسب ثابت ہوتا۔ لیکن متعہ میں وطی کرنے پر تو نسب کا بالکل انکار کرتا ہے۔ (لہٰذا صغیر پر اسے قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اگر وہ وطی کے قابل ہو تو پھر نسب کی نفی نہیں ہوگی) اور غلام و کافر اس لیے وارث نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان میں سے ایک میں رقیت اور دوسرے میں کفر ہے۔ اور یہ دونوں اوصاف وراثت کے مانع ہیں۔ لیکن متعہ میں یہ دونوں موجود نہ ہونے کے باوجود پھر ان دونوں میں توارث کیوں نہیں؟ حالانکہ متعہ کرنے کرانے والے دونوں ایک دوسرے کے وارث بننے کے اہل ہیں۔ لہٰذا جب ان دونوں کے درمیان ایسی کوئی بات نہیں جو وراثت کو روکے۔ لیکن اس کے باوجود وہ وارث نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان کے مابین اس کی وجہ سے توارث واجب ہو جاتا۔ جبکہ متعہ کرنے کرانے والے دونوں افراد میں سبب وراثت موجود ہیں۔ اور کوئی مانع بھی ان کی طرف سے موجود نہیں ہے۔

۳۔ آیت متعہ کی ناسخ حدیث ہے۔ اور کوئی حدیث شیعہ سنی دونوں کے نزدیک قرآن کی ناسخ نہیں بن سکتی۔

آیت متعہ کی تنسیخ اگرچہ خود آیات سے ہے۔ جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہاں جاڑوی کے فریب اور مکر کو ہم واضح کرتے ہیں۔ کہ اس کا یہ دعوٰی کرنا کہ کوئی حدیث بالاتفاق قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ یہ دعوٰی نہ صرف دھوکا اور فریب دینے کے لیے ہے بلکہ اس سے جاڑوی کے اصول فقہ سے لاعلمیت بھی ٹپک رہی ہے۔ کم از کم اپنے مذہب کی اصول فقہ کی کتب کو دیکھ لیا ہوتا۔ آیئے دونوں مکتبہ فکر کی کتب سے حوالہ جات دیکھیں۔ کہ "حدیث" ناسخ قرآن ہو سکتی ہے یا نہیں۔

☆

حسامی:

اِنَّمَا يَجُوْزُ النَّسْخُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَيَجُوْزُ نَسْخُ اَحَدِهِمَا بِالْاٰخِرِ۔

(حسامی ص ۸۹ بحث سنت)

ترجمہ:

نسخ، قرآن کریم اور سنت نبوی سے جائز ہے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے سے نسخ بھی جائز ہے۔

معالم الاصول:

نَسْخُ الْكِتَابِ بِالسُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ وَهِيَ بِهٖ وَلَا نَعْرِفُ فِيْهِ مِنَ الْاَصْحَابِ مُخَالِفًا۔

(معالم الاصول ص ۳۹۴)

ترجمہ:

کتاب اللہ کا نسخ سنت متواترہ اور سنت متواترہ کا نسخ کتاب اللہ سے ہو سکتا ہے۔ ہم اس بارے میں اپنے اصحاب میں سے کسی کی مخالفت نہیں جانتے۔

شرح:

نیز جائز است نسخ سنت متواترہ امثل خود و نسخ حکم کہ مستفاد شود از از خبر واحد بمثل خود و نسخ کتاب بسبب سنت متوازہ و نسخ سنت متوازہ۔

بسبب کتاب۔ یعنی سنت متواترہ کا نسخ اور خبر واحد کا حکم خبر واحد کے حکم سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ اور کتاب اللہ کا نسخ سنت متواترہ سے اور سنت متواترہ کا نسخ کتاب اللہ سے ہو سکتا ہے۔

ان تصریحات سے بالاتفاق یہ ثابت ہوا۔ کہ قرآن کریم کے کسی حکم کو سنت متواترہ سے منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ اس تصریح کے باوجود جاڑوی نے دعویٰ کر ڈالا کہ قرآن کریم کے کسی حکم کی تنسیخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے بھی نہیں ہو سکتی۔ جہالت کا یہ عالم ہے۔ کہ اپنے مسلک کی کتب اصول کی بھی چھان بین نہ کی۔ یا عوام کو دھوکہ دینے کی غرض سے امام جعفر صادق کے قول پر عمل کیا۔ بقول اہل تشیع امام نے فرمایا۔ کہ جس نے ہماری کوئی بات ظاہر کی۔ اس نے ہمیں عمداً قتل کر دیا۔ حالانکہ یہی امام ایک جگہ یہ بھی فرما چکے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے جان بوجھ کر ایک جھوٹ بولا۔ اس کے نامۂ اعمال میں ستر زنا کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ جس میں کم درجہ وہ زنا ہے جو اپنی والدہ سے کیا جائے۔

(بحوالہ منتہی الآمال جلد اول ص ۵۴۵)

☆
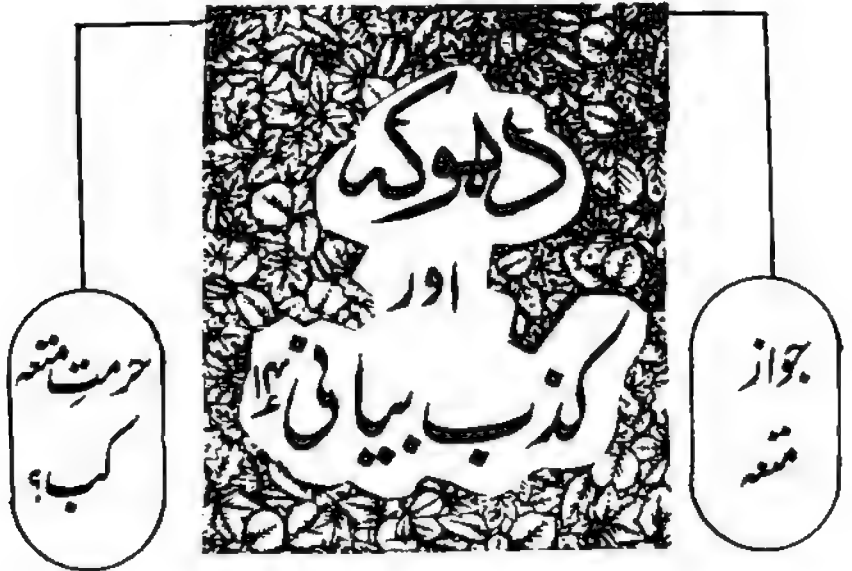
محترم قارئین آپ نے یہ تو دیکھ لیا ہے کہ جواز متعہ کے خلاف نہ تو قرآن کریم سے کوئی آیت مل سکی ہے۔ اور نہ ہی حدیث نبویہ میں سے کوئی حدیث دستیاب ہوئی ہے۔ اب آیئے اور کتب احادیث سے جواز متعہ کے خلاف حکم اوّل کی تلاش کریں۔ کہ متعہ کو کب ناجائز کیا گیا؟ کیوں ناجائز کیا گیا۔ اور کس نے حلالِ محمد کو حرام کرنے کی جسارت کی؟ لیجئے یہ سنن بیہقی ہے جلد ۷ اور ص ۲۰۶)

سنن بیہقی

قَالَ اَبُوْ نَضْرَةَ قُلْتُ لِجَابِرٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ ابْنَ الزُّبَیْرِ یَنْهٰی عَنِ الْمُتْعَةِ وَ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ یَاْمُرُ بِهٖ فَقَالَ عَلٰی یَدِیْ جَرَی الْحَدِیْثُ تَمَتَّعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا وُلِّیَ عُمَرُ خَطَبَ النَّاسَ

فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
هٰذَا الرَّسُوْلُ وَ اِنَّ الْقُرْاٰنَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ وَ اِنَّهُمَا كَانَتَا
مُتْعَتَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ اَنَا اَنْهٰى عَنْهُمَا
وَ اُعَاقِبُ عَلَيْهِمَا اَحَدُهُمَا مُتْعَةُ النِّسَآءِ وَ لَا
اَقْدِرُ عَلٰى رَجُلٍ تَزَوَّجَ الْمَرْاَةَ اِلٰى اَجَلٍ اِلَّا
غَيَّبْتُهٗ بِالْحِجَارَةِ وَ الْاُخْرٰى مُتْعَةُ الْحَجِّ ۔

ترجمہ:

ابونضرہ کہتا ہے کہ میں نے جابر سے عرض کیا۔ کہ ابن زبیر متعہ سے منع کرتا ہے۔ اور ابن عباس متعہ کا حکم دیتا ہے۔ جابر نے کہا میری ہی زبان سے حدیث نکلی ہوئی ہے۔ ہم نے سرور کونین اور ابوبکر کے زمانہ میں متعہ کیا۔ جب عمر حکمران بنا تو اس نے خطبہ دیا اور کہا کہ رسول اللہ بہر طور رسول اللہ تھے۔ اور قرآن بھی بہر طور قرآن ہے۔ البتہ زمانہ رسول اللہ میں دو متعے تھے۔ اور میں ان سے روکتا ہوں۔ اور ان پر سزا دوں گا۔ ایک متعۃ النساء ہے۔ میں نے جس شخص کو بھی میعادی نکاح کرتے ہوئے دیکھا اسے پتھروں میں دبا دوں گا۔ اور دوسرا متعۃ الحج ہے۔

۲/ احکام القرآن:

باسنادہ الی ابی نضرۃ۔
يَقُوْلُ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ يَاْمُرُ بِالْمُتْعَةِ وَ كَانَ ابْنُ

الزُّبَیْرِ یَنْھٰی عَنْھَا قَالَ فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِجَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ فَقَالَ عَلٰی یَدِیْ دَارَ الْحَدِیْثُ تَمَتَّعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ عُمَرُ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ یُحِلُّ لِرَسُوْلِہٖ مَاشَآءَ بِمَا شَآءَ فَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ کَمَا اَمَرَ اللّٰہُ وَانْتَھُوْا عَنْ نِکَاحِ ھٰذِہِ النِّسَآءِ لَا اُوْتِیَ بِرَجُلٍ نَکَحَ امْرَاَۃً اِلٰی اَجَلٍ اِلَّا رَجَمْتُہٗ۔

(احکام القرآن جلد دوم ص ۱۷۹)

ترجمہ:

اپنے سلسلہ سند کے ذریعہ ابونضرہ نے نقل کیا ہے۔ کہ ابن عباس متعہ کا حکم دیتے تھے۔ اور ابن زبیر متعہ سے منع کرتے تھے۔ ابونضرہ کہتا ہے کہ میں نے جابر سے اس کا تذکرہ کیا تو جابر نے کہا کہ میرے ہی ہاتھوں یہ حدیث آگے بڑھی ہے۔ ہم نے سرورِ کونین کے زمانہ میں متعہ کیا جب عمر حکمران بنا تو اس نے کہا کہ اللہ اپنے رسول کے لیے جو چاہتا تھا حلال کر دیتا تھا۔ اب حج اور عمرہ تو حکم خدا کے مطابق پورا کرو لیکن عورتوں کے میعادی نکاح سے باز آجاؤ مجھے اگر کسی ایسے مرد کی اطلاع ملی جس نے میعادی نکاح کیا۔ تو میں اُسے سنگسار کر دوں گا۔

۳- بدایۃ المجتہد:

نَقَلَ ابْنُ رُشْدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ وَعَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَطَآءٍ قَالَ سَمِعْتُ

جَابِرَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ تَمَتَّعْنَا عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّ نِصْفًا مِّنْ خِلَافَۃِ عُمَرَ ثُمَّ نَہٰی عَنْہَا عُمَرُ النَّاسَ۔

(بدایۃ المجتہد جلد دوم ص ۵۸)

ترجمہ:

ابن رشد ابن جریح عمرو بن دینار سے اور عمرو بن دینار عطار سے نقل کرتا ہے کہ میں نے جابر سے سنا کہ ہم نے زمانہ سرور کونین زمانہ ابوبکر اور خلافت عمر کے نصف دور تک متعہ کیا۔ پھر عمر نے لوگوں کو متعہ سے منع کر دیا۔

۴ مسلم:

عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ

قَالَ قَالَ لِجَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ کُنَّا نَسْتَمْتِعُ بِالْقَبْضَۃِ مِنَ التَّمْرِ وَالدَّقِیْقِ اِلٰی اَیَّامٍ عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی نَہٰی عَنْہُ عُمَرُ فِیْ شَاْنِ عُمَرَ وَابْنُ حُرَیْثٍ۔

(مسلم جلد چہارم ص ۱۸ تا ۱۹ مطبوعہ مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی ۱)

ترجمہ:

ابوزبیر سے مروی ہے کہ جابر نے کہا کہ زمانہ ابوبکر اور سرور کونین میں

کھجور اور آٹا کی ایک مٹھی کے عوض متعہ کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عمرو ابن حدیث کے واقعہ کے بعد عمر نے متعہ سے روک دیا۔

۵۔ مسند احمد حنبل

عَنْ عِمْرَانَ الْحُصَيْنِ قَالَ نَزَلَتْ اٰيَةُ الْمُتْعَةِ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَعَمِلْنَا بِهَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَمْ تَنْزِلْ اٰيَةٌ تَنْسِخُهَا وَلَمْ يَنْهَ عَنْهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی مَاتَ۔

(مسند احمد حنبل جلد چہارم ص ۴۳۶)

ترجمہ:

عمران بن حصین سے منقول ہے کہ جب کتاب خدا میں آیت متعہ نازل ہوئی۔ تو ہم نے سرور کونین کے ساتھ متعہ کیا۔ اور پھر کوئی ایسی آیت نازل نہ ہوئی جو متعہ کو منسوخ کر دیتی اور نہ ہی سرور کونین نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک منع فرمایا۔

۶۔ تفسیر کبیر

فِیْ حَدِيْثٍ صَحِيْحِ الْاِسْنَادِ اَخْرَجَهُ الطَّبَرِیْ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْلَا اَنَّ عُمَرَ نَهَی الْمُتْعَةَ مَا زَنٰی اِلَّا شَقِیٌّ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم ص ۱۵)

ترجمہ:

ایک ایسی حدیث میں جس کا سلسلہ سند صحیح ہے۔ طبری نے حکم سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتا تو کوئی بدنصیب ہی زنا کرتا۔

۷۔ درمنثور

عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَابْنِ الْمُنْذِرِ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَرْحَمُ اللهُ عُمَرَ مَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَ اللهِ رَحِمَ بِهَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْلَا نَهْيُهُ مَا احْتَاجَ إِلَى الزِّنَا إِلَّا شَقِيٌّ۔

(درمنثور جلد دوم ص ۱۴۱)

ترجمہ:

عبدالرزاق اور ابن منذر عطاء سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباس نے کہا اللہ عمر پر رحم کرے۔ متعہ امتِ محمدؐ کے لیے ایک نعمت تھا۔ اگر عمر کی رکاوٹ نہ ہوتی۔ تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا۔

۸۔ عمدۃ القاری

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَا تَمَتَّعْنَا إِلَى نِصْفٍ مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ حَتَّى نَهَى عُمَرُ النَّاسَ۔

(عمدۃ القاری للعینی جلد ۸ ص ۳۱۰)

ترجمہ:

ابو سعید خدری اور جابر کہتے ہیں کہ ہم نے عمر کے نصف زمانہ حکومت تک متعہ کیا۔ حتی کہ عمر نے لوگوں کو متعہ سے روک دیا۔

۹۔ تفسیر کبیر

صَحَّ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ فِي الْمُتْعَةِ اٰيَةً وَّمَا نَسَخَهَا بِاٰيَةٍ اُخْرٰى وَاَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا نَهَانَا عَنْهَا ثُمَّ قَالَ رَجُلٌ بِرَاْيِهٖ۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۵۳)

ترجمہ:

عمران بن حصین کی روایت صحیح میں ہے۔ کہ ذات احدیت نے متعہ کے بارے میں آیت نازل کی۔ اور پھر اُسے کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں کیا۔ اور ہمیں سرورِ کونین نے اجازت دی۔ اور منع نہ فرمایا۔ پھر ایک فرد نے اپنی مرضی کا حکم دے دیا۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۵۳ قسطلانی نے ارشاد الساری جلد ۴ ص ۱۶۹ اور ابن حجر نے فتح الباری ص ۳۲۹ میں بھی یہی لکھا ہے۔ بطور نمونہ یہ چند ایک احادیث لکھ دی ہیں۔ جن میں متعہ سے منع کرنے والے صرف حضرت عمر ہیں۔ نہ تو ذات احدیت نے متعہ منسوخ کیا۔ اور نہ ہی سرور کونین نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ کہ حضرت عمر کے منع کرنے کے باوجود حضرت علی علیہ السلام، عبد اللہ بن عباس، جابر بن عبد اللہ انصاری ابو سعید خدری اور عمران بن حصین نے جواز متعہ

کی تصریح کی ہے۔ اور یہ بھی آپ دیکھ چکے۔ کہ حضرت عمر بھی اعتراف کرتے ہیں۔ کہ متعہ قرآن میں بھی ہے۔ اور سرور کونین کے زمانہ میں بھی تھا۔ لیکن اب میں اسے حرام کرتا ہوں

(جواز متعہ ص ۴۸ تا ۵۲)

جواب:

مذکورہ نو عدد روایات تعداد میں تو نو ہی ہیں۔ لیکن ان میں جو مقصد بیان ہوا ہے اُسے ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصہ میں روایت نمبر ۱، ۲ دوسرا حصہ میں ۳، ۴، ۶، ۷، ۸۔ اور تیسرے حصہ میں ۵۔ اور ۹ ہوں گی۔ ترتیب وار ان پر بحث ملاحظہ فرمائیے۔

روایت نمبر ایک اور دو۔ سنن بیہقی میں روایت اولیٰ کی سند میں ایک راوی جن کا نام قتادہ ہے سخت مجروح ہے حوالہ یہ ہے۔

تہذیب التہذیب

وَقَالَ حَنْظَلَةُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ کَانَ طَاؤُسُ یَفِرُّ مِنْ قَتَادَةَ وَکَانَ قَتَادَةُ یَرْمُ بِالْقَدْرِ وَقَالَ جَرِیْرٌ عَنْ مُغِیْرَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ قَتَادَةُ حَاطِبُ اللَّیْلِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۵۲)

ترجمہ:

حنظلہ بن ابی سفیان نے کہا۔ کہ طاؤس، قتادہ سے روایت کرنے میں بھاگتا تھا۔ اور قتادہ "پر فرقہ قدریہ" میں سے ہونے کا الزام بھی ہے ہے۔ جریر نے مغیرہ اور انہوں نے شعبی سے بیان کیا۔ کہ قتادہ "حاطب اللیل" تھا۔ (یعنی جو ہاتھ لگے۔ اُسے لے لینے والا تھا)

اسی طرح روایت مذکورہ کا آخری راوی محمد بن عبد اللہ ہے۔ اور اس پر شیعیت کا الزام ہے۔ صاحب میزان نے لکھا ہے۔

میزان الاعتدال

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النَّيْسَابُوْرِيُّ الْحَاكِمُ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ صَاحِبُ التَّصَانِيْفِ إِمَامٌ صَدُوْقٌ لٰكِنَّهٗ يُصَحِّحُ فِيْ مُسْتَدْرِكِهٖ اَحَادِيْثَ سَاقِطَةً وَيَقْصُرُ مِنْ ذٰلِكَ فَمَا اَدْرِيْ الْخَفِيَّةُ عَلَيْهِ مَا هُوَ لِمَنْ يَجْهَلُ ذٰلِكَ وَ اِنْ عَلِمَ فَهٰذِهٖ خِيَانَةٌ عَظِيْمَةٌ ثُمَّ هُوَ شِيْعِيٌّ مَشْهُوْرٌ بِذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلشَّيْخَيْنِ وَ قَدْ قَالَ ابْنُ الطَّاهِرِ سَاَلْتُ اَبَا اِسْمَاعِيْلَ عَبْدَ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ عَنِ الْحَاكِمِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ اِمَامٌ فِي الْحَدِيْثِ رَافِضِيٌّ خَبِيْثٌ قُلْتُ اللّٰهُ يُحِبُّ الْاِنْصَافَ مِنَ الرَّجُلِ بِرَافِضِيٍّ بَلْ شِيْعِيٌّ فَقَطْ

(میزان الاعتدال جلد سوم ص ۸۵ تذکرہ محمد بن عبد اللہ مطبوعہ مصر قدیم)

(۲۔ لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۳۳)

ترجمہ:

محمد بن عبد الحاکم نیشاپوری بہت سی تصانیف کا مصنف ہے۔ اور امام صدوق ہے۔ لیکن اس نے مستدرک میں بہت سی ایسی احادیث کو صحیح حدیث کے طور پر پیش کیا ہے۔ حالانکہ وہ ساقط ہیں۔ اور وہ

درجہ صحت تک نہیں پہنچتیں۔ پس میں نہیں جانتا کہ یہ بات اس پر کس طرح مخفی رہی۔ کیونکہ وہ ایسی باتوں سے جاہل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اسے ان احادیث کے ساقط ہونے کا علم تھا۔ اور اس کے باوجود اس نے انہیں صحیح بنا دیا۔ تو یہ بہت بڑی خیانت ہے۔ پھر وہ شیعہ ہونے میں بھی مشہور ہے۔ اگرچہ شیخین پر اعتراض نہیں کرتا۔ ابن طاہر نے کہا۔ کہ میں نے ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے حاکم کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ حدیث میں امام تھا۔ رافضی خبیث تھا۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند فرماتا ہے۔ وہ یعنی حاکم رافضی نہیں بلکہ فقط شیعی تھا۔

لسان المیزان

اَنَّهٗ ذَکَرَ جَمَاعَۃً فِیْ کِتَابِ الضُّعَفَآءِ لَهٗ وَقَطَعَ بِتَرْكِ الرِّوَایَۃِ عَنْهُمْ وَمَنَعَ مِنَ الْاِحْتِجَاجِ بِهِمْ اَخْرَجَ اَحَادِیْثَ بَعْضُهُمْ فِیْ مُسْتَدْرِكِهٖ وَصَحَّحَهَا مِنْ ذٰلِكَ اَنَّهٗ اَخْرَجَ حَدِیْثًا لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ وَکَانَ قَدْ ذَکَرَهٗ فِی الضُّعَفَآءِ فَقَالَ اِنَّهٗ رَوٰی عَنْ اَبِیْهِ اَحَادِیْثَ مَوْضُوْعَۃً لَا تَخْفٰی عَلٰی مَنْ تَاَمَّلَهَا مِنْ اَهْلِ الصَّنْعَۃِ اَنَّ الْحَمْلَ فِیْهَا عَلَیْهِ۔

(لسان المیزان جلد پنجم ص ۲۳۳)

ترجمہ:

حاکم نے ایک جماعت کا اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ اور لکھا کہ ان کی روایت کو ہرگز نہ لیا جائے۔ اور ان کی روایت کو حجت نہ بنایا جائے۔ اور انہی لوگوں کا حاکم نے اپنی دوسری تصنیف مستدرک میں ذکر کیا۔ اور ان کی روایات کی تصحیح کی۔ ان میں سے بطور نمونہ ایک یہ ہے کہ ایک روایت عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی ذکر کی۔ حالانکہ اس کا ذکر ضعیف راویوں میں بھی حاکم نے کیا ہے۔ وہاں لکھا۔ کہ یہ عبدالرحمن اپنے باپ سے احادیث موضوعہ کی روایت کرتا ہے۔ اور یہ طریقہ الحاکم کا ہر اس شخص پر واضح ہے۔ جو اس فن کو جانتا ہے۔ اس بنا پر اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

المستدرک

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُبَاذَرَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ لِعَمْرِوابْنِ عَبْدُوْدٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(المستدرک ص ۳۲ کتاب المغازی جلد ۳ مطبوعہ دکن حیدرآباد)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق میں جو مقابلہ کیا۔ وہ تاقیامت تمام امت کے اعمال سے افضل ہے۔

نوٹ:

اس روایت کی تحقیق میں علامہ ذہبی نے لکھا قُلْتُ قَبَّحَ اللّٰهُ رَافِضِیًّا اِفْتَرَاهُ۔
ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کا بُرا کرے۔ اس رافضی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھا۔

اہل سنت اگرچہ حاکم صاحبِ مستدرک کو احادیث میں عموماً قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں لیکن رافضی شیعی ہونے کی بنا پر ایسی احادیث و روایات کے بارے میں جن کا تعلق عقائد کے ساتھ ہوتا ہے، اس کی بات ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ اور عقیدہ کے خبث کے علاوہ فنِ حدیث و روایت میں بھی اس کی بے احتیاطی بیان کی گئی۔ کہ ایک جگہ ایک شخص کو ضعیف کہہ دیتا ہے۔ اور دوسری جگہ اسی کی روایت کو روایت صحیحہ کا درجہ دے دیتا ہے۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خندق میں عمرو کو قتل کیا۔ یہ تسلیم کہ عمرو ایک بے دین اور پکا کافر تھا۔ لیکن اس کی اہمیت اور کفر میں مقام وہ نہ تھا۔ جو ابوجہل کا تھا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے اپنی امت کا فرعون کہا۔ اور اس کے واصلِ جہنم ہونے پر آپ نے سجدہ شکر بھی ادا کیا تھا۔ لیکن عمرو مذکور کے قتل پر آپ نے اس قدر خوشی نہ منائی۔ کیونکہ اس کی کفار میں کوئی وقعت نہ تھی۔ کوئی سرداری نہ تھی۔ اب ایک ایسے شخص کو قتل کرنے پر یہ عمل بے مثل ہو جائے۔ تو پھر ابوجہل کو مارنا کیا ہوگا؟ معلوم ہوا۔ کہ رافضی ہونے کی وجہ سے اس نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ حدیث بیان کی۔ اور اس میں اپنے عقیدہ کو بھی ختم کر دیا۔ اسی حاکم نیشاپوری کا تعارف اہل تشیع کی کتب سے بھی ملاحظہ کریں۔

اعیان الشیعہ

قَالَ ابْنُ الطَّاهِرِ سَأَلْتُ اَبَا اِسْمَاعِيْلَ الْاَنْصَارِيَّ

عَنِ الْحَاكِمِ فَقَالَ ثِقَةٌ فِي الْحَدِيثِ رَافِضِيٌّ
خَبِيثٌ ثُمَّ قَالَ ابْنُ الطَّاهِرِ كَانَ شَدِيدَ التَّعَصُّبِ
لِلشِّيعَةِ فِي الْبَاطِنِ وَكَانَ يُظْهِرُ التَّقْدِيمَ الشَّيْخَيْنِ
فِي الْخِلَافَةِ وَكَانَ مُنْحَرِفًا عَنْ مُعَاوِيَةَ وَآلِهِ
مُتَظَاهِرٌ بِذٰلِكَ وَلَا يَعْتَذِرُ مِنْهُ قُلْتُ إِمَّا انْحِرَافُهُ
عَنْ خُصُومِ عَلِيٍّ فَظَاهِرٌ فَامَّا الشَّيْخَانِ
فَيُعَظِّمُهُمَا فَهُوَ شِيعِيٌّ لَا رَافِضِيٌّ ۔

(اعیان الشیعہ ج نہم ص ۲۹۱)

ترجمہ :

ابن طاہر کہتا ہے۔ کہ میں نے ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ وہ حدیث میں ثقہ تھا۔ خبیث رافضی تھا۔ پھر کہا باطنی طور پر وہ سخت متعصب شیعہ تھا۔ اور ظاہری طور پر شیخین کی خلافت کا اقرار کرتا تھا۔ امیر معاویہ اور اُن کی اولاد سے منحرف تھا۔ یہ بات وہ علی الاعلان کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا انحراف حضرت علی کی لڑائی سے تو وہ ظاہر ہے۔ بہر حال وہ شیعہ تھا۔ رافضی نہ تھا۔

الکنیٰ والالقاب

وَقَدْ يُقَالُ لَهُ الْحَاكِمُ النِّيسَابُورِيُّ هُوَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ
مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ حَمْدَوَيْهِ
الْحَافِظُ الْمَعْرُوْفُ بِابْنِ الْبَيِّعِ وَهُوَ مِنْ اَبْطَالِ
الشِّيعَةِ وَسَدَنَتِهِ الشَّرْعِيَّةِ وَكَانَ ابْنُ الْبَيِّعِ

يَمِيلُ إِلَى التَّشَيُّعِ صَرَّحَ جَمْعٌ مِّنَ الْفَرِيقَيْنِ بِتَشَيُّعِهِ عَنِ الذَّهَبِيِّ عَنِ ابْنِ الطَّاهِرِ كَانَ شَدِيدَ التَّعَصُّبِ لِتَشَيُّعِهِ فِي الْبَاطِنِ وَذَكَرَهُ ابْنُ شَهْرَآشُوبَ فِي مَعَالِمِ الْعُلَمَاءِ وَصَاحِبُ الرِّيَاضِ فِي الْقِسْمِ الْأَوَّلِ فِي عِدَادِ الْإِمَامِيَّةِ عَلَى مَا نُقِلَ عَنْهُمَا۔

(الکنی والالقاب تصنیف شیخ عباس قمی
جلد دوم ص ۱۷۰ تا ۱۷۱ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

جسے حاکم نیشاپوری کہا جاتا ہے۔ وہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حافظ تھا۔ اور ابن البیع عرف رکھتا تھا۔ وہ بہت بڑا شیعہ مجتہد تھا۔ اور ان کا ستون تھا۔ یہ حاکم نیشاپوری تشیع کی طرف مائل تھا۔ اس بات کی دونوں فریق نے تصریح کی ہے۔ امام ذہبی نے ابن طاہر سے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ حاکم اپنے شیعہ بھائیوں کے حق میں بہت متعصب تھا۔ ابن شہر آشوب نے معالم العلماء اور صاحب الریاض نے اُسے شیعہ امامی علماء میں سے صف اول کا عالم لکھا ہے۔

لمحہ فکریہ

حاکم نیشاپوری عرف علمائے اہل سنت کے نزدیک ہی شیعہ نہیں۔ بلکہ شیعہ سُنی دونوں کے نزدیک متفقہ شیعہ ہے۔ اور وہ بھی بہت بڑا عالم اور مجتہد ہے۔ اب جس

عبارت سے جاڑوی پھولا نہیں سماتا۔ وہ اسی حاکم سے مروی ہے۔ جاڑوی کو اگر احقاق حق مطلوب ہوتا۔ تو کسی ایسے شخص کی روایت پیش کرتا۔ جو قابل حجت ہوتی۔ آخری راوی شیعہ ہے۔ اور دوسرا ادھر اُدھر کی جمع کرنے والا ہے۔ ان حالات میں مذکورہ روایت پر اعتماد جاڑوی اینڈ کمپنی تو کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم اہل سنت کے نزدیک یہ ناقابل اعتماد ہے

علاوہ ازیں بیہقی کی مذکورہ روایت اگر من وعن مکمل طور پر نقل کی جاتی۔ تو سرے سے اس کی اہمیت ختم ہو جاتی۔ اور جاڑوی کے ارادوں پر پانی پھر جاتا۔ اب آیئے ہم وہ عبارت پیش کر دیتے ہیں۔

بیہقی شریف

وَالْاُخْرٰی مُتْعَةُ الْحَجِّ اَفْصِلُوْا حَجَّكُمْ مِنْ عُمْرَتِكُمْ فَاِنَّهٗ اَتَمُّ لِحَجِّكُمْ وَاَتَمُّ لِعُمْرَتِكُمْ اَخْرَجَهُ الْمُسْلِمُ فِی الصَّحِيْحِ مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنْ حَمَّامٍ قَالَ الشَّيْخُ نَحْنُ لَا نَشُكُّ فِیْ كَوْنِهٖ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ وَجَدْنَاهُ نَهٰی عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ عَامَ الْفَتْحِ بَعْدَ الْاِذْنِ فِيْهِ ثُمَّ لَمْ نَجِدْهُ اَذِنَ فِيْهِ بَعْدَ النَّهْیِ عَنْهُ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِيْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ نَهْیُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ مُوَافِقًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذْنَا بِهٖ وَلَمْ نَجِدْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ

مُتْعَةِ الْحَجِّ فِي رِوَايَةٍ صَحِيحَةٍ عَنْهُ وَ
وَجَدْنَا فِي قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا دَلَّ
عَلىٰ اَنَّهُ اَنْ يَفْصِلَ بَيْنَ الْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ لِيَكُوْنَ
اَتَمَّ لَهُمَا فَحَمَلْنَا نَهْيَهُ عَنْ مُتْعَةِ الْحَجِّ
التَّنْزِيْهِ وَعَلىٰ اِخْتِيَارِ الْاِفْرَادِ عَلىٰ غَيْرِهٖ
لَا عَلَى التَّحْرِيْمِ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ -

(بیہقی شریف جلد ۷ ص ۲۰۶ کتاب النکاح)

ترجمہ:

دوسرا متعۃ الحج۔ تم اپنے حج کو اپنے عمرہ کے ساتھ ملا کر ادا کرو۔ کیونکہ یہ طریقہ تمہارے حج اور عمرہ کا کامل طریقہ ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایک اور سند کے ساتھ جو جمام سے ہے۔ اسے ذکر کیا۔ ہم متعۃ النکاح کے عہد رسول میں جواز کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن ہمیں ایسی احادیث پہنچی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ لہذا اس نہی کے بعد کوئی ایک حدیث ایسی ہمیں نہیں ملی۔ جس میں پھر سے اجازت دینے کا ذکر ہو۔ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات سے تشریف لے گئے۔ لہذا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا متعۃ النکاح سے منع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہے۔ اس لیے ہم نے اس پر عمل کرنا قبول کر لیا۔ اس کے مقابلہ میں متعۃ الحج سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا ایک بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں اس سے منع کرنا ملتا ہے۔ لہذا یہ اس امر کی دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حج اور عمرہ کے درمیان جدائی رکھنا محبوب سمجھا۔

تاکہ اس طرح دونوں بطریقہ کامل ادا ہوں۔ لہٰذا ہم نے ان کے منع کرنے کو محض احتیاط اور پسندیدگی پر محمول کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا ادا کرنا ان کے نزدیک حرام تھا۔ و باللہ التوفیق۔

خلاصہ:

امام بیہقی کی تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اگرچہ متعۃ الحج اور متعۃ النکاح دونوں سے منع فرمایا تھا۔ لیکن اول الذکر سے منع فرمانا۔ اولویت کے پیش نظر تھا۔ نہ کہ حرمت کی بنا پر۔ اس لیے ان کے اجتہاد کے مطابق حج اور عمرہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ ادا کرنا تمتع سے بہتر ہے۔ لیکن متعۃ النکاح سے منع کرنا ان کی اپنی رائے نہ تھی۔ بلکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تائید اور تقریر ہے گویا میعادی نکاح یا متعہ سے منع کرنے کی ابتداء حضرت عمر نے نہیں بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور جب سے آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ دوبارہ اس کی اجازت کے لیے ایک بھی حدیث صحیح نہیں ملتی۔ اب جو کچھ جاڑوی نے تانا بانا بنایا تھا۔ اس کا مرکز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس منتج ہے۔

۳، ۴، ۶، ۷، اور ۸ نمبر روایات۔ ان پانچ عدد روایات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ متعۃ النکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پھر اس کے بعد ابوبکر صدیق کے پورے دورِ خلافت اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت تک جائز رہا۔ اس کے منع کی ابتداء عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کی۔ اگر عمر منع نہ کرتے۔ تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا۔

"کوئی بدبخت ہی زنا کرتا" اس جملہ کی نسبت حضرت علی المرتضیٰ کی طرف کی گئی ہم گذشتہ صفحات میں اس کی تفصیلی بحث ذکر کر چکے ہیں۔ اس روایت کا مرکزی

اور پہلا راوی "حکم" سخت مجروح اور ناقابل اعتبار ہے۔ جاڑدی نے یہاں بھی "صحیح الاسناد" کہہ کر اپنا الو سیدھا کیا۔ طبری میں اس کی اسناد کی صحت کا نشان تک موجود نہیں۔ اس پر تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں۔ کہ لعنۃ اللہ علی الکافرین۔

ان تمام روایات کا ایک ہی جواب ہے۔ وہ یہ کہ جن حضرات نے جواز متعہ کی روایات ذکر کیں۔ چونکہ اُن کو ابھی تک حرمتِ متعہ کی روایت نہ پہنچی تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنے سابقہ علم کے مطابق متعہ کے بارے میں وہی کچھ بیان کیا۔ جو انہیں معلوم تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس چونکہ حرمت کی روایات موجود تھیں اس لیے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرانے میں سختی فرمائی۔

نوٹ:

روایات مذکورہ میں اگرچہ منع کی نسبت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ لیکن یہ حقیقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ ازروئے مجاز ہے۔ اور اس قسم کی نسبت قرآن و حدیث میں بکثرت وارد ہے۔ جبرئیل امین نے مریم سے کہا "میں تجھے صاف ستھرا بیٹا عطا کرتا ہوں" حالانکہ اولاد عطا کرنا درحقیقت اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے۔ تو جس طرح یہاں مجازی طور پر نسبت ہے اسی طرح حرمت متعہ کی نسبت مجازاً فاروق اعظم نے اپنی طرف کر دی۔

اب اس کی تائید کہ حضرت فاروق اعظم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت متعہ والی حدیث پر عمل کرایا۔ ہم درج ذیل حوالہ جات سے پیش کرتے ہیں۔:

درمنثور

اَخْرَجَ الْبَیْهَقِیْ عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ خَطَبَ وَقَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ یَنْکِحُوْنَ هٰذَا الْمُتْعَةَ وَقَدْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا لَا اُوْتِیَ بِاَحَدٍ نَکَحَهَا اِلَّا رَجَمْتُهٗ.

(۱۔ درمنثور جلد دوم ص ۱۴۱)

(۲۔ بیہقی جلد ہفتم ص ۲۰۶ مطبوعہ دکن حیدر آباد)

ترجمہ:

بیہقی نے عمر ابن الخطاب سے ذکر فرمایا۔ کہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے یہ کہا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نکاح متعہ کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا تھا۔ کوئی ایک آدمی بھی اگر ایسا نکاح کرنے والا پایا گیا۔ تو میں اسے رجم کرنے کا حکم دوں گا۔

ابن ماجہ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفِ الْعَسْقَلَانِیُّ ثَنَا الْفِرْیَابِیُّ عَنْ اَبَانِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا وَلِیَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لَنَا فِی الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ حَرَّمَهَا وَاللّٰهِ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا یَتَمَتَّعُ وَهُوَ مُحْصِنٌ اِلَّا

رَجَمْتُهٗ بِالْحِجَارَةِ اِلَّا اَنْ تَاْتِيَنِيْ بِاَرْبَعَةٍ
يَشْهَدُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَحَلَّهَا بَعْدَ اِذْ حَرَّمَهَا۔

(سنن ابن ماجہ۔ باب نہی عن نکاح المتعہ،
ص ۱۴۱ مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں۔ جب عمر بن الخطاب خلیفہ بنے۔ تو آپ نے لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین مرتبہ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر اسے حرام کر دیا تھا۔ خدا کی قسم! اگر کوئی محصن آدمی متعہ کرتے پایا گیا۔ تو میں اسے رجم کی سزا دوں گا۔ ہاں اگر وہ چار گواہ ایسے پیش کر دے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام فرمانے کے بعد پھر حلال کر دیا تھا۔ (تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔)

بیہقی

حَدَّثَنَا اَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ
الْاِصْبَهَانِيُّ ابنا ابو محمد عبد الرَّحْمٰنِ بْنِ
يَحْيٰى الزُّهْرِيُّ الْقَاضِيْ بِمَكَّةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الصَّائِغ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدِ الاموی
حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ دِيْنَارٍ حَدَّثَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ
مُحَمَّدٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ

عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَعِدَ عُمَرُ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ یَنْکِحُوْنَ ھٰذِہِ الْمُتْعَۃَ وَقَدْ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْھَا اَلَا وَاِنِّیْ لَا اُوْتٰی بِاَحَدٍ نَکَحَھَا اِلَّا رَجَمْتُہٗ۔

(السنن الکبرٰی للبیہقی جلد ہفتم ص ۲۰۶)

ترجمہ:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر جلوہ فرما کر ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نکاح متعہ کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا تھا۔ خبردار! اگر کوئی شخص یہ نکاح کرتا پکڑا گیا۔ تو میں اسے رجم کر دوں گا۔

لمحہ فکریہ:

ان تین عدد روایات میں صاف صاف موجود ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب نے متعہ سے از خود منع کرنے کی ابتداء نہ فرمائی۔ بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ نے یہ حکم دیا۔ اس لیے آپ نے علی الاعلان کیا۔ کہ کوئی چار گواہ پیش کر دو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمانے کے بعد پھر سے اس کی اجازت دی تھی۔ ان روایات کے پیش نظر حضرت عمر بن الخطاب کا متعہ سے منع کرنے کو اپنی طرف منسوب کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ مجازاً تھا۔

روایت ۵، اور ۹۔ تفسیر کبیر اور مسند امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے عمران بن حصین

کی روایت کہ ہم حضور کے زمانہ میں متعہ کرتے رہے۔ اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے تک کوئی ایسی حدیث نہ فرمائی۔ کہ جس سے اس کی حرمت فرما دی گئی ہو

ان دونوں روایتوں کے سلسلہ سند میں دو راوی یحییٰ بن سلیم اور عمران بن مسلم ایسے شخص ہیں۔ جو قابل اعتماد نہیں۔ جس کی بنا پر روایتِ مذکورہ قابل حجت نہیں۔

یحییٰ بن سلیم: تہذیب التہذیب:۔

يَحْيَى بْنُ سَلِيْمِ الْقُرَشِيِّ الطَّائِفِيِّ هُوَ مُنْكِرُ الْحَدِيْثِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الدَّوْلَابِيُّ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ قَالَ الْعُقَيْلِي قَالَ اَحْمَدُ بْنِ حَنْبَل اَتَيْتُهُ فَكَتَبْتُ عَنْهُ شَيْئًا فَرَاَيْتُهُ يَخْلُطُ فِي الْاَحَادِيْثِ فَتَرَكْتُهُ وَفِيْهِ شَيْءٌ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَلَيِّنٌ اَمْرُهُ وَقَالَ السَّاجِي صُدُوْقٌ يَهِمُ فِي الْحَدِيْثِ وَاَخْطَأَ وَقَالَ الدَّارْ قُطْنِيُّ سُوْءُ الْحِفْظِ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيْخِهِ فِي تَرْجَمَةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَافِعٍ مَا حَدَّثَ الْحُمَيْدِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سُلَيْمٍ فَهُوَ صَحِيْحٌ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۲۶)

ترجمہ:

یحییٰ بن سلیم "منکر الحدیث" ہے۔ دولابی نے کہا یہ "قوی نہیں" عقیلی نے امام احمد بن حنبل سے بیان کیا۔ کہ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں۔ میں یحییٰ بن سلیم کے پاس گیا۔ تو اس سے کچھ روایات میں نے لکھیں سو میں نے

دیکھا کہ وہ احادیث میں "اختلاط" کرتا ہے۔ لہذا میں نے اس کو چھوڑ دیا ابوجعفر نے کہا۔ اس کا معاملہ سست ہے۔ ساجی کے بقول وہ حدیث میں صدوق ہے اور متہم بھی۔ اور حدیث میں غلطی کرتا ہے۔ دارقطنی نے سوالحفظ کہا۔ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ وہ روایات جو حمیدی نے یحیٰی بن سلیم سے بیان کیں۔ وہ صحیح ہیں۔

عمران بن مسلم: تہذیب التہذیب :-

عِمْرَانُ بْنُ مُسْلِمِ الْمُنْقَرِی ذَکَرَہٗ ابْنُ حِبَّان فِی الثِّقَاتِ قُلْتُ وَزَادَ الاان فِیْ رِوَایَۃِ یَحْیٰی ابْن سَلِیْمٍ عَنْہُ بَعْضَ الْمَنَاکِیْرِ وَکَذَا فِیْ رِوَایَۃِ سُوَیْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ عَنْہُ اِنْتَھٰی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۳۸
مطبوعہ حیدرآباد)

ترجمہ:

عمران بن مسلم المنقری کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں سے ذکر کیا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس کے علاوہ یہ بھی زائد عبارت موجود ہے۔ کہ یہی عمران بن مسلم ان روایات میں جو اس نے یحیٰی ابن سلیم اور سوید بن عبدالعزیز سے ذکر کیں۔ بہت سی مناکیر ہیں۔

لمحہ فکریہ:

روایت مذکورہ کے ان دونوں راویوں کے متعلق کتب اسماء الرجال سے

سے جرح آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ دونوں ناقابل اعتماد اور ناقابل حجت ہیں۔
سوء الحفظ، مختلط، منکر الحدیث وغیرہ صفات کا راوی کب قابل حجت ہو سکتا ہے
اور صاحب تہذیب التہذیب نے تو بالکل صراحت کر دی ہے۔ کہ وہ روایت
جو روایت جو عمران بن مسلم کی یحییٰ بن سلیم نے روایت کی وہ "منکر" ہے۔

جاڑوی کی ذکر کردہ ۹ عدد روایات میں جو کچھ جواز متعہ پر پیش کیا گیا تھا۔ ہم نے
اُن میں سے ہر ایک کی تحقیق پیش کر دی ہے۔ انہی روایات کے سہارے جاڑوی
نے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں
نے متعہ کی حرمت کا حکم دیا۔ اور ان کے حرام کر دینے کے باوجود حضرت علی المرتضےٰ
عبد اللہ بن عباس، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری اور عمران بن حصین بدستور
جواز متعہ کے قائل تھے۔ مذکورہ تحقیق کے پیش نظر ان ۹ عدد روایات میں ایک بھی
روایت اس درجہ کی نہیں جو جاڑوی کا مقصد پورا کرنے میں محدد معاون ہو۔ ان
روایات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعہ کو جائز ثابت کر دکھانے میں بھی روایت
اس درجہ انتہائی مکاری اور چالاکی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن کچھ کام نہ آسکا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جوازِ متعہ

حضرت عمر نے ایسا کیوں کیا؟ ابن عبداللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الاصابۃ فی تمیز الصحابہ" کی جلد دوم ص ۶۳ میں تحریم متعہ کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ کہ مسلمہ بن امیہ بن خلف جمحی نے حکیم بن امیہ بن اوقص اسلمی کی کنیز سے متعہ کیا جس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ لیکن مسلمہ بن امیہ نے بچہ لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر کو اس کی اطلاع ملی۔ تو آپ بڑے غضب ناک ہوئے۔ اور مسجد میں کھڑے ہو کر جوازِ متعہ ہی کو کالعدم قرار دیدیا۔ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ ہر دانشمند جانتا ہے۔ کہ ہر قانون میں قانون شکنی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کوئی بھی یہ نہیں کہے گا کہ کسی ایک شخص کی قانون شکنی سے قانون ہی کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔ حق تو یہ تھا۔ کہ حضرت عمر مسلمہ کو سزا دیتے تاکہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ حضرت عمر کے اس فعل کا تو مطلب یہ ہے۔ کہ اگر چند لوگ نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔ تو نماز ہی کو ممنوع قرار دے دیا جائے۔ اگر کچھ لوگ روزے نہ رکھیں۔ تو روزے پر ہی خطِ تنسیخ کھینچ دیا جائے۔ جبکہ کوئی بھی دانشمند اس نظریہ کی حمایت نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی آج تک بننے والے عالمی قوانین میں سے

کسی قانون کو اس طرح پامال کیا گیا جس طرح سے متعہ کیا گیا۔ حالانکہ قرآن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورہ فصلت آیت ۴۲۔

الکتاب الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

ایسی کتاب جس کے ہاں باطل نہ تو سامنے سے آسکتا ہے۔ اور نہ ہی پیچھے سے یہ تو حکم حمید کا نازل کردہ آئین حیات ہے۔ پھر سرور کونین کے متعلق ارشاد قدرت ہے۔ سورہ حشر۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ۔ جو کچھ سرور کونین تمہیں فرمادیں اس پر عمل کرو۔

اب ذرا علامہ قوشجی جو اہل سنت والجماعت کے اشاعرہ گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور علم کلام میں اپنا نظیر نہیں رکھنے کا نظریہ شرح تجرید الاعتقادمیں بحث امامت کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ کہ حضرت عمر نے صرف متعۃ النساء پر ہی خط تنسیخ نہیں کھینچا بلکہ کچھ اور احکام الٰہیہ میں بھی جو حضرت عمر کی نظر کرم میں نہ سما سکے۔ انہوں نے انہیں کالعدم قرار دے دیا۔ علامہ قوشجی لکھتے ہیں۔

اِنَّ عُمَرَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ اَيُّهَا النَّاسُ ثَلَاثٌ كُنَّ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا اَنْهٰى عَنْهُنَّ وَاُحَرِّمُهُنَّ وَاُعَاقِبُ عَلَيْهِنَّ مُتْعَةُ النِّسَآءِ وَمُتْعَةُ الْحَجِّ وَحَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ۔ اِنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ مِمَّا يُوْجِبُ قَدْحًا فِيْهِ فَاِنَّ مُخَالَفَةَ الْمُجْتَهِدِ لِغَيْرِهٖ فِي الْمَسَائِلِ الْاِجْتِهَادِيَّةِ لَيْسَ بِبِدْعٍ۔

ترجمہ:

حضرت عمر منبر پر کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو تین چیزیں زمانۂ رسول میں تھیں۔ اور میں ان سے منع کرتا ہوں۔ انہیں ناجائز قرار دیتا ہوں۔ اور ان پر سزا دوں گا۔ وہ ہیں متعۃ النساء، حج تمتع اور حی علی خیر العمل۔ لیکن ان پر قدح نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے اجتہادی مسائل میں اختلاف بدعت نہیں ہوا کرتا۔ دیکھ لیا آپ نے حضرت عمر کا ارشاد بھی آپ کے سامنے ہے اور علامہ قوشجی کی معذرت بھی آپ کی نگاہوں میں ہے۔

علامہ قوشجی کی نگاہ میں جس طرح ذاتِ احدیت اباحت متعہ میں مجتہد ہے۔ اسی طرح حضرت عمر حرمت متعہ میں مجتہد ہیں۔ علامہ قوشجی کی نظر میں جس طرح سرور کونین اعلان اباحت متعہ میں مجتہد ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر اعلان حرمت متعہ میں مجتہد ہیں۔ علامہ قوشجی کی نظر میں جس طرح ذات احدیت دین سازی میں مختار محض ہے۔ اسی طرح حضرت عمر بھی کل مختار ہیں۔ علامہ قوشجی کی نظر میں جس طرح سرور کونین نفاذ شریعت میں مالک ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر بھی آزاد ہیں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں۔ کہ اگر یہ اصول بنا لیا جائے تو پھر ذات احدیت کے حاکم مطلق ہونے سرور کونین کے مرسل ہونے اور حضرت عمر کے حکمران ہونے میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ اور سلسلہ وحی و نبوت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی مقام فکر ہے۔ کہ کیا سرور کونین مجتہد تھے، کیا سرور کونین احکام دین میں ذاتی رائے رکھتے تھے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ سرور کونین بھی حضرت عمر ام المؤمنین عائشہ۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل کی طرح ایک مجتہد تھے۔ تو پھر سلسلہ وحی اور دین الٰہی کا تصور کیسے ممکن ہو سکے گا۔ اور قرآن کریم کا مقام کیا رہ

جائے گا۔؟

میرے دوستو! یہ دو مجتہدین کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ نبی و امتی کا اختلاف ہے۔ خالق اور مخلوق کا اختلاف ہے۔ قرآن اور انسان کا اختلاف ہے۔ نبی مجتہد نہیں تھا بلکہ نبی تھا۔ اور یہ مقابلہ مجتہدین کے فتاوی کا نہیں بلکہ نص اور اجتہاد کا ہے۔ سرور کونین کا ارشاد نص ہے۔ فتوی نہیں۔ حضرت عمر کا حکم فتویٰ ہے نص نہیں ہے۔ اور کوئی بھی مسلمان سرور کونین کے جواز متعہ کو فتوای نہیں سمجھتا۔ بلکہ حکم الٰہی سمجھتا ہے۔ اور کوئی بھی مسلمان حضرت عمر کے حکم کو نص نہیں بلکہ فتوی سمجھے گا۔ اور ایسی صورت میں جہاں نص اور فتوای کا اختلاف ہو۔ تو جس طرح نص قابلِ پذیرائی ہو گی۔ اسی طرح فتوای دیوار سے مارنے کے قابل ہو گا۔ خواہ وہ فتوی حضرت عمر کا ہو یا مفتی محمود کا۔ (جواز متعہ ص ۵۲)

جواب:

وہ جواز متعہ سے پیش کیا گیا اقتباس اجمالاً تین امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ مسلم بن امیہ نے ایک لونڈی سے متعہ کیا۔ اس سے نطفہ ٹھہر گیا۔ جب بچہ پیدا ہوا۔ تو مسلم بن امیہ نے اسے نہ لیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کو حرام کر دیا۔

۲۔ قرآن کریم اپنے اعلان کے مطابق غیر متبدل ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام قرار دے کر اسے تبدیل کر دیا۔

۳۔ علامہ قوشجی سنی نے حضرت عمر کے بارے میں لکھا۔ کہ انہوں نے تین چیزوں کو حرام کر دیا۔ حالانکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں۔

۱۔ جاڑوی شیعہ کو اس بات کا انتہائی صدمہ کہ حضرت عمر فاروق اعظم نے حرمت متعہ پر سختی سے عمل کیا یہ اس صدمہ کو کچلے ہوئے سانپ کی طرح

بل کھاتے ہوئے اظہار کرتا ہے۔ اور بے باکی سے حضرت عمر کو قرآن کا محرّف ثابت کر رہا ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لیے "الاصابۃ فی تمیز الصحابہ" کا سہارا لیا۔ مذکورہ کتاب میں لونڈی کا واقعہ جہاں درج ہے۔ اس کی سند اس طرح موجود ہے

روی عمرو بن شبۃ فی اخبار المدینۃ من طریق سماك ابن حرب عن رجل ان رجل ان سلمۃ بن امیۃ تزوج مولاۃ

ترجمہ:

یعنی اخبار المدینہ میں سماک بن حرب کے طریقہ سے عمرو بن شبہ روایت کرتا ہے۔ کہ ایک مرد نے بیان کیا۔ کہ سلمہ ابن امیہ نے ایک لونڈی الخ

روایت مذکورہ میں سلمہ بن امیہ کا واقعہ ایک "رجل" بیان کر رہا ہے۔ یہ "رجل" کون ہے اس کا نام و پتہ کیا ہے؟ جاڑوی ہی بتا دے تو منہ مانگا انعام پائے۔ تو ایسے نامعلوم آدمی کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات پر الزام تراشی کی جا رہی ہے۔ روایت مذکورہ کا ایک پہلو تو یہ تھا۔ اب دوسرا پہلو بھی پیش خدمت ہے۔ روایت مذکورہ میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

قلت و ذکر ذالك ابن الکلبی و زاد فبلغ ذالك عمر فنهی عن المتعۃ وروی ایضا ان سلمۃ استمتع بامراۃ فبلغ عمر فتوعد۔

ترجمہ:

صاحب اصابہ کہتا ہے۔ کہ روایت تو اسی طرح ہے۔ کہ سلمہ بن امیہ نے بچہ قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن ابن کلبی کچھ زیادہ بیان کرتا

ہے۔ کہ عمر نے متعہ سے منع فرمایا۔ اور یہ بھی روایت ہے۔ کہ سلمہ نے ایک عورت سے متعہ کیا۔ جب حضرت عمر کو اس کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے اُسے ڈانٹا۔

گویا روایت مذکورہ میں جہاں یہ بات آئی ہے۔ کہ عمر بن الخطاب نے مُتعہ سے منع کر دیا۔ وہاں یہ بھی موجود ہے۔ کہ آپ نے متعہ کرنے والے کو ڈانٹ پلائی اور ان دونوں باتوں کے علاوہ صرف اتنا بھی ہے۔ کہ سلمہ بن امیہ نے متعہ کا بچہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے آگے حضرت عمر کا منع کرنا یا ڈانٹنا مذکور نہیں۔ اب ان مختلف باتوں میں سے صرف ایک کو لے کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو موجب الزام قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔؟ اور اگر صرف یہی بات اختیار کر لی جائے۔ کہ حضرت عمر نے متعہ سے منع کر دیا۔ تو اس بارے میں ہم پچھلے صفحات پر لکھ چکے ہیں۔ کہ حضرت عمر نے اس لیے منع فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی تھی! اسی لیے آپ نے جوازِ متعہ کے لیے چار گواہ مانگے۔ جاڑوی کے پیش نظر حقیقت معلوم کرنا نہیں بلکہ کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ چاہیئے کہ جس سے اپنا کام نکلتا دکھائی دے۔ اور حضرات صحابہ کرام پر زبان طعن و تشنیع دراز کرے۔

(ب) قرآن کریم غیر متبدل ہے۔ الخ اس سلسلہ میں جاڑوی نے جس قرآنی آیت کا حوالہ دیا۔ وہ خود اس کے لیے مفید ہونے کی بجائے نقصان دہ ہے۔ وہ اس طرح کہ قرآن کریم میں متعہ کی حلت پر کوئی آیت نہیں اُتری۔ بلکہ اس کا وقتی طور پر حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اب حلت و جوازِ متعہ کو قرآنی آیت سے ثابت کرنا دراصل قرآن میں باطل داخل کرنا ہے۔ جس کا ارتکاب خود جاڑوی اینڈ کمپنی نے کیا۔ صرف حلت متعہ پر اکتفا نہیں (یہ صرف ہماری طرف سے ہی الزام نہیں) بلکہ اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے

کہ موجودہ قرآن، مکمل قرآن نہیں۔ اس میں کمی بیشی ہو چکی ہے۔ ہم اس کا ثبوت عقائد جعفریہ جلد سوم میں بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں سر دست صرف ایک حوالہ پیش کرتے ہیں:۔

انوار نعمانیہ

اَلْاَخْبَارُ الْمُسْتَفِیْدَۃُ بَلِ الْمُتَوَاتِرَۃُ الدَّالَّۃُ بِصَرِیْحِھَا عَلٰی وُقُوْعِ التَّحْرِیْفِ فِی الْقُرْاٰنِ کَلَامًا وَّ مَادَۃً وَّ اِعْرَابًا۔

(انوار نعمانیہ جلد دوم ص ۳۵۷ نور فی الصلوۃ طبع قدیم ص ۹۳۹)

ترجمہ:

اخبار مستفیدہ بلکہ متواترہ اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ کہ قرآن کریم میں کلام، مادہ اور اعراب میں تحریف واقع ہے۔ نعمت اللہ جزائری نے اہل تشیع کا قرآن کریم کے بارے میں کس صراحت سے عقیدہ ذکر کیا۔ اس کے ہوتے ہوئے جاڑوی کا بیان یا تنبیہ الباطل، کا تحریر کرنا خود جال میں پھنسنا ہے۔

ج۔ علامہ قوشجی کی ایک عبارت اور اسے اہل سنت اشاعرہ کا بہت بڑا عالم کہنا الخ۔

علامہ قوشجی نہ تو دینی علوم کا امام ہے۔ اور نہ ہی ایسے محدثین میں سے ہے جو متقی اور صالح ہوئے ہیں۔ بلکہ علوم عقلیہ میں ماہر اور آزاد خیال آدمی تھا اور اسی بنا پر اسے "قوشجی" کہا گیا۔ یعنی کھیل کود کا رسیا۔ "ہمارے" اس علامہ

کا حال تم اپنی کتابوں میں ہی دیکھ لیتے۔ تو شرما جاتے۔

الکنی والالقاب

اَلْقَوْشَجِی الْمَوْلٰی عَلَاؤُ الدِّیْنِ عَلِیّ بْنُ مُحَمَّدِ الَّذِیْ حَصَلَ فِیْ حِدَاثَةِ سِنِّہٖ غَالِبَ الْعُلُوْمِ وَبِھِمَّتِہٖ کَمُلَ زِیْجَ الغی بیك وَکَانَ ھُوَحَافِظَ الْبَازِیْ وَھُوَ مَعْنٰی الْقَوْشَجِیْ فِیْ لُغَتِھِمْ وَلَہٗ مِنَ التَّصَانِیْفِ شَرْحُہٗ لِلتَّجْرِیْدِ الْمَشْھُوْرِ بِالشَّرْحِ الْجَدِیْدِ وَرِسَالَةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ فِیْ عِلْمِ الْحِسَابِ سَمَّاھَا بِاِسْمِ السُّلْطَانِ مُحَمَّدْخَان وَرِسَالَةِ الْفَتْحِیہ فِیْ عِلْمِ الْھَیْئَةِ سَمَّاھَا بِذٰلِكَ لِمُصَادِفِھَا فَتْحِ السُّلْطَان مُحَمَّدْ خَانْ عِرَاقِ الْعَجَمِ۔

(الکنی والالقاب جلد سوم ص ۹۴، تذکرہ القوشجی۔)

ترجمہ:
قوشجی مولی علاؤالدین علی بن محمد۔ جس نے چھوٹی عمر میں بہت سے علوم سیکھ لیے تھے۔ اور الغ بیگ کی زیج پڑھی۔ یہ کھیل کود کا شوقین تھا لفظ قوشجی کا ان کی لغت میں یہی معنی تھا۔ اس کی تصانیف میں سے تجرید کی شرح ہے۔ جسے شرح الجدید کہتے ہیں، اور محمدیہ نام کا ایک رسالہ جو علم حساب میں ہے۔ اس کا نام اپنے بادشاہوں محمد خان کے

نام پر رکھا۔ ایک اور رسالہ فتحیہ ہے۔ جو علم ہیئت سے متعلق ہے۔ اس کے نام کی وجہ یہ بنی کہ سلطان محمد خان نے عراق و عجم کو فتح کیا تھا۔

توضیح

علامہ قوشجی کا تعارف جو شیخ عباس قمی نے کرایا۔ وہ یہ کہ علم ہیئت، حساب اور منطق و فلسفہ کا ایک فاضل آدمی تھا۔ ان علوم کو علوم شرعیہ نہیں کہتے۔ ایسے کھلنڈرے منطقی اور حساب دان آدمی کی بات سے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات پر الزام تراشی کسی عقلمند کو زیب نہیں دیتی۔ جاڑوی نے فلسفہ کے کیچڑ میں پڑے ہوئے قوشجی کو آسمان پر چڑھا کر فاروق اعظم کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کی۔

علاوہ ازیں قوشجی کو اہل سنت اشاعرہ کا عالم قرار دینا دوسری بڑی حماقت ہے۔ قوشجی کی عبارت جس کتاب سے پیش کی گئی۔ وہ تجرید الکلام کی شرح ہے اور تجرید الکلام اس شخص کی تصنیف ہے جسے محمد بن الحسن الطوسی کہتے ہیں۔ جو صحاح اربعہ شیعہ میں سے دو کا مصنف ہے۔ قوشجی نے جب اس کی شرح لکھی تو اس کے مصنف کی تعریف میں کیا کچھ کہا۔ خود شیعہ تصنیف سے سنیئے۔

الذریعۃ

تَجْرِیْدُ الْکَلَامِ فِیْ تَحْرِیْرِ عَقَائِدِ الْاِسْلَامِ لِسُلْطَانِ الْحُکَمَاءِ وَالْمُتَکَلِّمِیْنَ خواجہ نَصِیْرُ الدِّیْن مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الطُّوْسِی الْمُتَوَفّٰی سنہ ۶۷۲ھ وَهُوَ اَجَلُّ کِتَاب

فِیْ تَحْرِیْرِ عَقَائِدِ الْاِمَامِیَّۃِ وَقَدْ مَدَحَہٗ الْفَاضِلُ الْقَوْشَجِیْ مِنَ الْعَامَّۃِ فِیْ شَرْحِہٖ الْمَعْرُوْفِ بِالشَّرْحِ الْجَدِیْدِ بِاَنَّہٗ مَخْزُوْنٌ بِالْعَجَائِبِ مَشْحُوْنٌ بِالْغَرَائِبِ صَغِیْرُ الْحَجْمِ وَجِیْزُ النَّظْمِ کَثِیْرُ الْعِلْمِ جَلِیْلُ الشَّانِ حَسَنُ النِّظَامِ مَقْبُوْلُ الْاَئِمَّۃِ الْعِظَامِ لَمْ یَظْفَرْ بِمِثْلِہٖ عُلَمَآءِ الْاَمْصَارِ۔

(الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ جلد سوم ص ۳۵۲ تذکرہ تجرید۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

"تجرید الکلام"، خواجہ نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی ۶۷۲ھ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب امامیہ عقائد میں جلیل الشان کتاب ہے۔ فاضل قوشجی نے اس کی شرح المعروف "شرح الجدید" میں ان الفاظ سے اس کی تعریف کی۔ عجائب کا خزانہ، غرائب سے لبریز، حجم میں مختصر نظم میں بے نظیر کثیر العلم، جلیل الشان، حسن النظام، ائمہ عظام کی مقبول اور ایسی کتاب کہ اس دور میں کسی عالم کو ایسی تصنیف لکھنا ناممکن۔

توضیح

قوشجی نے جس کتاب کی شرح لکھی۔ وہ عقائد امامیہ میں لکھی گئی تھی۔ اگر قوشجی واقعی سنی تھا۔ تو اسے شیعہ عقائد کی شرح لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ عمر فاروق رضی

کے بارے میں تین باتوں کا تذکرہ "بحث امامت" میں کیا گیا جس سے اس تقیہ باز نے یہ ثابت کر دکھانے کی کوشش کی۔ کہ امامت حقہ، وہی ہے۔ جسے اہل تشیع تسلیم کرتے ہیں۔ جواز متعہ بھی اُسی امامت کا ایک رکن ہے۔ لیکن حضرت عمر سے متعہ کے بارے میں حرمت پر زور ملتا ہے۔ اسی لیے توشجی نے متعہ کے ضمن سیدنا فاروق اعظم کی ذات پر کیچڑ اچھالا۔ اور تاویلات باطلہ کے سہارے جناب فاروق اعظم کی ذات کو داغدار کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس لیے ایسے شخص کی عبارت سے قطعاً کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ جو عقائد شیعہ کے موافق اور نظریات اہل سنت کے مخالف ہو۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

اب آئیے ذرا علامہ توشجی کے اس نظریہ اجتہاد کو حضرت عمر کے فرزند عبداللہ بن عمر کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور پھر اندازہ کریں کہ علامہ توشجی کا نظریہ اجتہاد درست ہے۔ یا ہمارا نظریہ رسالت، ترمذی جلد اول ابواب الحج ص ۲۰۵ حدیث ۸۰۵ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔

مترجم حافظ حامد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی۔

ترمذی شریف

سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ وَهُوَ يَسْاَلُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ هِيَ حَلَالٌ فَقَالَ الشَّامِيُّ اِنَّ اَبَاكَ قَدْ نَهٰى عَنْهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ اَبِيْ نَهٰى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُوْلُ اللهِ اَمْرُ اَبِيْ يُتَّبَعُ اَمْ اَمْرُ رَسُوْلِ اللهِ فَقَالَ الرَّجُلُ بَلْ اَمْرُ رَسُوْلِ اللهِ فَقَالَ لَقَدْ صَنَعَهَا رَسُوْلُ اللهِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

(ترمذی شریف جلد اول ابواب الحج ص۴۰۵

حدیث ۸۰۵ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

ترجمہ:

سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شامی کو سنا۔ کہ وہ حضرت ابن عمر سے حج تمتع کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ حلال ہے۔ شامی نے کہا کہ آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر میرے باپ نے منع کیا اور رسول نے وہ عمل کیا تو کیا رسول اللہ کے طریقہ کی پیروی کی جائے گی۔ یا میرے باپ کے طریقہ کی۔ اس آدمی نے کہا رسول اللہ کے

طریقہ کی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے ایسا کیا ہے۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

لیجئے قارئین اب فیصلہ ہو گیا۔ ایک شامی شخص حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آکر حج تمتع کے بارے میں پوچھتا ہے عبداللہ بن عمر جواب دیتے ہیں کہ حج تمتع کرنا جائز ہے۔ شامی کہتا ہے کہ آپ کے باپ نے حج تمتع کرنے سے منع کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر شامی سے پوچھتے ہیں۔ میرے باپ کا حکم مانو گے یا رسول اللہ کا؟ شامی کہتا ہے رسول کا۔ عبداللہ بن عمر کہتا ہے۔ پھر رسول نے حج تمتع کیا ہے۔ علامہ قوشجی نے سرور کونین اور حضرت عمر دونوں کو ایک ہی درجہ کا مجتہد قرار دے کر ان کے باہمی اختلاف کو دو مجتہدوں کا اختلاف بنایا ہے۔ جب کہ عبداللہ بن عمر نے سرور کونین کو سپر پاور قرار دیا ہے۔ اور سرور کونین اور حضرت عمر کے باہمی اختلاف کی صورت میں ارشاد سرور کونین کو آخری حکم فرمایا ہے۔ ایک عام ان پڑھ شامی کی نگاہ میں بھی سرور کونین کے مقابلہ میں حضرت عمر کا کوئی مقام نہیں۔ بھلا اب بتایئے سرور کونین کا جواز متعہ کا حکم باقی ہے۔ یا حضرت عمر کا حرمت متعہ کا ارشاد؟ اب بھی اگر حرمت متعہ پر اصرار ہو تو پھر کھلے لفظوں سے اعلان کر دیں۔ کہ ہمیں حضرت عمر کا قول منظور ہے اور سرور کونین کا ارشاد منظور نہیں۔

اب آیئے اور امام احمد بن حنبل سے پوچھیے وہ کیا فرماتے ہیں۔

مسند امام حنبل

سَأَلَ رَجُلٌ اِبْنُ عُمَرَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ فَقَالَ وَ اللّٰهِ مَا كُنَّا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ زَانِيْنَ وَلَا مُسَافِحِيْنَ۔

(مسند امام حنبل جلد دوم ص ۹۵)

ترجمہ:

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے متعۃ النساء کے متعلق پوچھا۔ تو اس نے جواب دیا۔ بخدا۔ ہم زمانہ رسول میں نہ تو زنا کرتے تھے۔ اور نہ ہی سفاح کرتے تھے۔ یعنی متعہ جائز نکاح ہے جو ہم زمانۂ رسالت پناہ میں کرتے تھے۔ اور آپ کو اس کا علم تھا۔

تفسیر قرطبی

عَنْ سَالِمٍ اَنِّیْ لَجَالِسٌ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِی الْمَسْجِدِ اِذْ جَآءَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ فَسَاَلَهٗ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ حَسَنٌ جَمِیْلٌ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ كَانَ یَنْهٰی عَنْهَا فَقَالَ وَیْلَكَ فَاِنْ كَانَ اَبِیْ نَهٰی عَنْهَا وَقَدْ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَمَرَ بِهٖ اَفَبِقَوْلِ اَبِیْ اٰخُذُ اَمْ بِاَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قُمْ عَنِّیْ۔

(تفسیر قرطبی جلد دوم ص ۳۶۵)

ترجمہ:

سالم کہتا ہے۔ کہ میں ابن عمر کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ شام سے ایک شخص آیا۔ اس نے حج تمتع کے متعلق پوچھا۔ تو ابن عمر نے کہا اچھا کام ہے۔ شامی نے کہا آپ کے والد تو اس سے منع کیا کرتے تھے۔ ابن عمر نے کہا۔ تجھ پر ویل ہو۔ اگر میرا باپ منع کرتا ہے۔ اور سرور کونین حکم دیتے ہیں۔ تو کیا میں اپنے باپ کی بات مانوں یا حکم رسول؟ اٹھ جا میرے

پاس گئے۔

محترم قارئین دیکھ لیا آپ نے عبداللہ بن عمر اپنے باپ کو مجتہد تو مانتا ہے لیکن سرورِ کونین کو اپنے باپ جیسا مجتہد نہیں بلکہ باپ کے مقابلہ میں سپر پا ور مانتا ہے۔

(جواز متعہ ص ۵۷)

جاڑوی اپنے کلام سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ توشجی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلہ مجتہد کہا ہے۔ اور بحیثیت مجتہد ہونے کے حضرت عمر کو یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ دوسرے مجتہد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور اس کی تردید جاڑوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے پیش کی۔ تو اس سلسلہ میں اولاً یہ بات پیش نظر رہے۔ کہ توشجی ہمارا نہیں بلکہ تشیع سے تعلق رکھنے والا ایک فلسفی اور آزاد خیال فاضل ہے۔ اس نے اگر حضرت عمر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو برابر کا مجتہد کہا۔ تو اس سے شیعہ مسلک کی بدعقیدگی اور بے باکی ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے پاس توشجی کی شرالجدید نہیں۔ پھر بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جاڑوی نے دوسرے حوالہ جات کی طرح اس میں بھی بددیانتی کی ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کی فطرت ہے اور اگر واقعی توشجی نے یہ کچھ لکھا۔ تو اس کا جواب تمہیں دینا چاہیئے۔ ہم تو تمہاری ایک گذشتہ فریب کاری کے جواب میں اس کی تحقیق پیش کر چکے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے منع فرمایا۔ وہ ان کا اپنا اجتہاد یا حکم نہ تھا۔ بلکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرانا مقصود تھا۔ اس لیے کوئی اہل سنت اس بات کی سوچ بھی نہیں سکتا کہ حضرت عمر کا اجتہاد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے بڑھ کر یا برابر ہی تھا حاشا وکلا۔ یہ بہتان ہے۔ باقی جاڑوی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عبارت پیش کی

کہ انہوں نے اپنے والد کے کلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں ٹھکرا دیا۔ تو حقیقت بیان فرمائی۔ کون ایسا مسلمان ہے۔ جو کسی مجتہد یا عالم کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ترجیح دے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول سے حضرت فاروق اعظم کی ذات پر کیچڑ اچھالنا انتہائی بد دیانتی ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ شامی مرد کو خاموش کرانے کے لیے الزامی جواب عطاء فرمایا۔ لیکن جاڑوی کے دماغ میں ایسی باتیں کہاں آسکتی ہیں۔ اس میں تو بغضِ صحابہ اور نام نہاد محبت اہل بیت سمائی ہوئی ہے۔ جب شامی سے آپ نے دریافت فرمایا۔ تم بتاؤ کہ تمہارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مضبوط ہے یا عمر بن خطاب کی؟ تو اس نے فوراً جواب دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اس میں اس طرف اشارہ تھا۔ کہ میں باوجود عمر بن الخطاب کے فرزند ہونے کے اُن کی باتوں کا وہ مطلب نہ سمجھ سکا۔ جو تم نے سمجھا۔ یعنی شامی کا خیال تھا۔ کہ حضرت عمرؓ نے حج تمتع کو منع کر دیا تھا۔ یا اس کی حرمت کے قائل تھے۔ اُن کی بات کا مطلب یہ ہے۔ کہ عمرے کو حج میں داخل نہ کرو۔ حج الگ اور عمرہ الگ کرنا چاہیے۔ یعنی احرام حج کو فاسد کر کے عمرے کا احرام نہ باندھو۔ اس کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔

اس کا پس منظر مختصر یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ہمراہ جب پہلی مرتبہ حج کے لیے مکہ تشریف لانا چاہتے تھے۔ تو مکہ شریف کے قریب پہنچ کر آپ نے فرمایا۔ تم میں سے جو اپنے ساتھ قربانی لے کر نہیں آیا وہ حج کے احرام کو توڑ دے۔ اور عمرے کا احرام باندھ لے۔

عمرہ پورا کرنے پر وہ احرام کو کھول دے۔ اور پھر حج کا احرام باندھ لے۔ حج کا احرام توڑ کر عمرے کا احرام باندھنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا اس کی بعد میں اجازت نہ تھی۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

ارشاد الساری

وَفِی حَدِیْثِ اَبِی ذَرٍ عِنْدَ الْمُسْلِمِ کَانَتِ الْمُتْعَةُ فِی الْحَجِّ لِاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً یَعْنِیْ فَسْخَ الْحَجِّ اِلَی الْعُمْرَةِ وَعِنْدَ النَّسَائِیُّ عَنِ الْحَرْبِ بْنِ بِلَالٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسْخُ الْحَجِّ لَنَا خَاصَّةً اَمْ لِلنَّاسِ عَامَّةً فَقَالَ لَا بَلْ لَنَا خَاصَّةً۔

(ارشاد الساری جلد سوم ص ۲۷۰)

ترجمہ:

امام مسلم نے ابوذر سے روایت لکھی ہے کہ حج میں متعہ کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے مخصوص تھا۔ یعنی حج کا احرام باندھ لینا۔ امام نسائی نے حرب بن بلال کے واسطے سے ان کے والد کی ایک روایت ذکر کی۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حج کا فسخ کیا ہمارے لیے ہی مخصوص ہے یا عام لوگوں کو اس کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ صرف ہمارے لیے یہ رعایت تھی۔

مسند امام احمد بن حنبل

عَنْ سَالِمٍ قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ یُفْتِیْ بِالَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الرُّخْصَةِ بِتَمَتُّعٍ وَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهِ

فَيَقُولُ نَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ كَيْفَ تُخَالِفُ اَبَاكَ وَقَدْ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ فَيَقُولُ لَهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ وَيْلَكُمْ اَلَا تَتَّقُوْنَ اللّٰهَ اِنْ كَانَ عُمَرُ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ فَيَبْتَغِيْ فِيْهِ الْخَيْرَ يَلْتَمِسُ بِهٖ تَمَامُ الْعُمْرَةِ فَلِمَ تُحَرِّمُوْنَ ذٰلِكَ وَقَدْ اَحَلَّهُ اللّٰهُ وَعَمِلَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ تَتَّبِعُوْا سُنَّتَهٗ اَمْ سُنَّةَ عُمَرَ اِنَّ عُمَرَ لَمْ يَقُلْ لَكُمْ اِنَّ الْعُمْرَةَ فِيْ اَشْهُرِ الْحَجِّ حَرَامٌ لٰكِنَّهٗ قَالَ اَنْ اَتِمُّوا الْعُمْرَةَ اَنْ تُفْرِدُوْهَا مِنْ اَشْهُرِ الْحَجِّ۔

(مسند امام احمد بن حنبل ص ۹۵ جلد دوم)

ترجمہ:

سالم کہتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اللہ تعالیٰ کی آیات کے مطابق ہوتا تھا۔ وہ حج تمتع کی اجازت دیتے تھے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے۔ لوگوں نے اس پر انہیں کہا۔ کہ تم اپنے والد کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔ حالانکہ انہوں نے حج تمتع سے منع کر دیا ہے۔ اس پر جناب ابن عمر نے لوگوں سے کہا۔ خدا کا خوف کرو۔ اگر عمر نے اس سے منع کیا ہے تو وہ اس لیے کہ وہ عمرہ کو کامل ادا کرنے کے خواہش مند تھے۔ تم اُسے حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے حلال فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر

عمل کیا۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، عمر کی سنت سے اتباع کے لیے زیادہ حق دار ہے۔ عمر نے یہ نہیں کہا کہ عمرہ حج کے دنوں میں حرام ہے لیکن ان کا کہنا یہ ہے۔ کہ عمرہ کو حج سے الگ ادا کرو۔

نوٹ:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حج تمتع کے بارے میں یہ قول منقول ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کرنا اور پھر حج کرنا اس سے منع فرماتے ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ کہ آپ حج کا احرام توڑ کر عمرہ کا احرام باندھ لینا اس سے منع کرتے تھے ان دونوں میں سے جس قول کو صحیح کہا گیا وہ یہ کہ آپ حج کے احرام کو توڑ کر عمرے کا احرام باندھنا اس سے روکتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

نووی شرح مسلم شریف

قَالَ الْمَازِرِیُّ اُخْتُلِفَ فِی الْمُتْعَۃِ الَّتِیْ نَھٰی عَنْھَا عُمَرُ فِی الْحَجِّ فَقِیْلَ ھِیَ فَسْخُ الْحَجِّ اِلَی الْعُمْرَۃِ وَقِیْلَ ھِیَ الْعُمْرَۃُ فِیْ اَشْھُرِ الْحَجِّ ثُمَّ الْحَجُّ مِنْ عَامِہٖ وَعَلٰی ھٰذَا اِنَّمَا نَھٰی عَنْھَا تَرْغِیْبًا فِی الْاِفْرَادِ الَّذِیْ ھُوَ اَفْضَلُ لَا اَنَّہٗ یَعْتَقِدُ بُطْلَانَھَا اَوْ تَحْرِیْمَھَا وَقَالَ الْقَاضِیْ عیاض ظَاھِرُ حَدِیْثِ جَابِرٍ وَعِمْرَانَ وَاَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ الْمُتْعَۃَ الَّتِیْ اخْتَلَفُوْا فِیْھَا اِنَّمَا ھِیَ فَسْخُ الْحَجِّ اِلَی

الْعُمْرَةِ قَالَ وَلِهٰذَا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَضْرِبُ النَّاسَ عَلَيْهَا وَلَا يَضْرِبُهُمْ عَلٰى مُجَرَّدِ التَّمَتُّعِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ.

(النووی شرح المسلم جزاول ص ۳۹۴
اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:

المازری کا کہنا ہے۔ کہ جس تمتع سے حضرت عمر نے منع کیا اس میں اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ یہ حج کو توڑ کر عمرہ کرنا ہے۔ یہ بھی قول ہے۔ کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے بعد پھر اسی سال حج کرنا۔ اس دوسری وجہ کے مطابق منع کرنے میں احتمال ہوگا۔ کہ آپ دراصل حج مفرد کرنے کی ترغیب دینا چاہتے تھے۔ جو افضل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت عمرؓ ایسا کرنے کو باطل یا حرام کا عقیدہ رکھتے تھے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ جابر، عمران اور ابو موسیٰ کی حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس تمتع میں اختلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ حج کا احرام توڑ کر عمرہ کا احرام باندھنا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرنے والے کو سزا دیا کرتے تھے۔ اور حج کے مہینوں میں محض تمتع کرنے پر نہیں مارتے تھے۔

نوٹ:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے جاڑوی نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ یہ اپنے والد جناب عمر بن الخطاب کے خلاف تھے۔ اگرچہ مخالفت حج تمتع کے بارے میں ذکر کی لیکن متعہ النساء بھی چونکہ بعض جگہ اس کے ساتھ ذکر ہوا اس لیے حج تمتع کی مخالفت کے ضمن جاڑوی نے یہ تاثر دینا چاہا۔ کہ حضرت عبد اللہ بن

عمر رضی اللہ عنہ اپنے والدگرامی کے برعکس متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ حالانکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ شروع شروع میں متعہ کو جائز کیا گیا تھا لیکن بعد میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔

بیہقی

اَنْبَأَ ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ فَقَالَ حَرَامٌ۔

(بیہقی جلد ہفتم ص ۲۰۶ کتاب النکاح)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعۃ النساء کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: حرام ہے۔

طحاوی

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ سَالِمُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ الْمُتْعَةِ فَقَالَ حَرَامٌ قَالَ فَاِنَّ فُلَانًا يَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَمَا كُنَّا مُسَافِحِيْنَ۔

(طحاوی جلد دوم ص ۱۶ باب نکاح المتعہ)

ترجمہ:

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعہ کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ حرام ہے۔ سائل نے کہا کہ ایک آدمی متعہ کے بارے میں کیا چہ میگوئیاں کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! وہ جانتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خیبر کو اسے حرام کر دیا تھا۔ اور ہم زانی نہیں۔

اس تمام گفت گو سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے متعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے مطابق حرام قرار دیا۔ اور لوگوں سے سختی کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اپنی طرف سے اجتہاد نہ کیا۔ اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت کی۔ اس امر کی تائید آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی۔ لیکن جارودی کی آنکھوں میں مخالفت کی پٹی اور دماغ میں متعہ کی ہوس تھی۔ اس لیے اِدھر اُدھر کی ہانک کر اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنا چاہا۔ لیکن اُسے مُنہ کی کھانی پڑی۔ امید واثق ہے۔ کہ غیر جانب دار کے لیے حق کی پہچان ہو جائے گی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

سکوتِ صحابہ

جواز متعہ

ممکن ہے کہ بعض خوش فہم اور سادہ لوح افراد یہ سوچنے کی کوشش کریں کہ اگر سرورِ کونین کے جائز کردہ حکم کو جب عمر ناجائز کر رہے تھے۔ تو صحابہ کے اتنے بڑے مجمع میں سے کسی صحابی نے حضرت عمر کو کیوں نہ روکا؟ اگر صحابہ نے اس کی مخالفت کی ہے تو مخالفت ثابت کی جائے۔ اور اگر صحابہ نے مخالفت نہیں کی۔ تو اس کا دوسرا مطلب یہ ہوگا۔ کہ حرمت کے حکم سے دوسرا کوئی صحابی مطلع نہ تھا۔ اور جب حضرت عمر نے اعلانِ حرمت کیا تو تمام صحابہ سُن کر خاموش ہو گئے گویا اعلان حضرت عمر فی الواقع اعلان رسول تھا۔ اور تحریم حضرت عمر تحریم رسول تھی۔

امام رازی سے سنیئے تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۵۴ میں فرماتے ہیں۔ اگر عمر کا مقصد یہ تھا۔ کہ متعہ زمانۂ رسول میں تو مباح تھا لیکن میں اسے ناجائز قرار دیتا ہوں۔ تو اس سے حضرت عمر کا کفر لازم آئے گا۔ اور تمام اُن افراد کو بھی کافر کہنا ہوگا۔ جو حضرت عمر سے نبرد آزما نہ ہوئے حتیٰ کہ امیر المومنین علی کو بھی کافر کہنا ہوگا۔ چونکہ کسی صحابی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا ایک صورت رہ جاتی ہے۔ کہ ہم یہ بات مان لیں۔ کہ حضرت عمر کے کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ زمانۂ رسالت

ہیں تو متعہ مباح تھا۔ لیکن چونکہ دوسرا کسی کو نبی رسول اور نسخ متعہ معلوم نہیں۔ اس لیے میں نسخ متعہ کا اعلان کرتا ہوں۔

مصر کے عظیم مفتی محمد عبدہ نے بھی اپنی تفسیر المنار جلد پنجم ص ۱۵ پر تقریباً امام رازی کی تقلید کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حرمتِ متعہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں متعہ سے منع فرمایا۔ اور برسرِ منبر تحریم متعہ کا سختی سے اعلان کیا۔ جبکہ صحابہ نے اس کا اعتراف کیا۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ صحابہ کبھی غلط بات کا اعتراف نہیں کرتے۔

اب آئیے امام رازی اور محمد عبدہ کے اس استدلال کی حقیقت معلوم کریں کہ کیا واقعاً تمام صحابہ اعلانِ حضرت عمر کے بعد اباحت متعہ سے منکر ہو گئے تھے؟۔ کیا پھر کسی صحابہ نے اباحتِ متعہ کا فتویٰ نہیں دیا۔؟ کیا تمام صحابہ نے حضرت عمر کی بات مان لی تھی؟ کتب حدیث و تاریخ بیانگ دہل اس دعویٰ کا مذاق اڑاتی ہیں اور کتب حدیث و تفسیر نے عظیم تر صحابہ کی مخالفت کو بھی اسی طرح نقل کیا ہے جس طرح حضرت عمر کے اعلانِ حرمت متعہ کو نقل کیا ہے۔

۱۔ تفسیر طبری جلد پنجم ص ۱۳ میں حضرت علی کھلے لفظوں میں حضرت عمر کا نام لے کر مخالفت کا اعلان کرتے ہیں۔

تفسیر طبری

لَوْ لَا اَنَّ عُمَرَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ لَمَا زَنٰى اِلَّا شَقِيٌّ۔

(تفسیر طبری جلد پنجم ص ۱۳)

ترجمہ:
اگر عمر متعہ سے منع نہ کرتے تو بدنصیب ہی زنا کرتا۔

۲ - درمنثور جلد دوم ص ۱۴۱/۱ اور احکام القرآن جلد دوم ص ۱۷۹ میں علامہ جلال الدین السیوطی اور علامہ جصاص واشگاف الفاظ میں حبر الامت جناب عبداللہ بن عباس کی حضرت عمر سے مخالفت کا اعلان کرتے ہیں۔

درمنثور

لَوْ لَا نَهْيُهٗ عَنْهَا مَا احْتَاجَ اِلَى الزِّنَا اِلَّا شَقِيٌّ۔

ترجمہ:

اگر عمر کی متعہ سے ممانعت نہ ہوتی۔ تو کوئی بدبخت شاذ و نادر ہی ارتکاب زنا کرتا۔

۳ - شیخ محمد عبدہٗ نے تفسیر المنار جلد پنجم ص ۱۵ میں ابن عباس کی حضرت عمر رضہ سے مخالفت کو ان الفاظ میں ذکر کیا۔

تفسیر المنار

فَالْاِنْصَافُ اَنَّ مَجْمُوْعَ الرِّوَايَاتِ تَدُلُّ عَلٰى اِصْرَارِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى فَتْوَاهُ بِالْمُتْعَةِ۔

(تفسیر المنار جلد پنجم ۱۵)

ترجمہ:

انصاف تو یہی ہے۔ کہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ ابن عباس جواز متعہ کے فتوای پر اصرار کرتے ہیں ....

مناسب ہوگا کہ اگر ابن عباس کے جواز فتوای اور اصرار فتوای کی تصدیق صحیح مسلم سے بھی کرتے چلیں۔

صحیح مسلم

اَخْبَرَنِی عُرْوَۃُ ابْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ الزُّبَیْرِ قَامَ بِمَکَّۃَ فَقَالَ اِنَّ نَاسًا اَعْمَی اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ کَمَا اَبْصَارُھُمْ یَفْتُوْنَ بِالْمُتْعَۃِ یَعْرِضُ بِرَجُلٍ فَنَادَاہُ فَقَالَ اِنَّکَ جِلْفٌ جَافٍ فَلَعُمْرِیْ لَقَدْ کَانَتِ الْمُتْعَۃُ تَفْعَلُ فِیْ عَھْدِ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ یُرِیْدُ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ لَہٗ ابْنُ الزُّبَیْرِ مَجْبُوْبٌ بِنَفْسِکَ وَاللّٰہِ لَئِنْ فَعَلْتَھَا لَاَرْجُمَنَّکَ بِاَحْجَارِکَ۔

(صحیح مسلم جلد چہارم ص ۲۳ مطبوعہ مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی ۱۱ ترجمہ مولانا وحید الدین۔

ترجمہ:

مجھے عروہ ابن زبیر نے خبر دی۔ کہ عبد اللہ بن زبیر مکہ میں خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے۔ اور کہا کہ بعض لوگوں کے دل اللہ اس طرح اندھے کر دیتے ہیں (یہ اشارہ کیا انہوں نے ابن عباس کی طرف کہ وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے) کہ وہ جواز متعہ کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جناب عباس نے فرمایا۔ تو کم عقل اور گستاخ۔ بخدا ہم نے متعہ امام المتقین کے زمانہ میں کیا ہے۔ ابن زبیر نے کہا ذرا اب تجربہ کر کے دیکھو۔ اگر تو نے متعہ کیا تو میں تجھے پتھروں سے سنگسار کروں گا۔

ملاحظہ فرمالیا ابن عباس کتنا مصر ہے متعہ کے معاملہ میں اور دوسری طرف انکار متعہ

پر کتنا اصرار ہے۔ کاش کہ علامہ وحید الدین اپنے ترجمہ میں انصاف سے کام لیتے۔ فرماتے ہیں کہ ابن عباس کو نسخ متعہ معلوم نہ تھا۔ اور ابن زبیر کو نسخ متعہ معلوم تھا۔ حدیث آپ کے سامنے ہے۔ ذرا عبد اللہ بن عباس کا انداز بیان بھی دیکھ لیں۔ اور عبد اللہ بن زبیر کا انداز گفتگو بھی ملاحظہ کریں۔ عبد اللہ بن زبیر دوران خطبہ عبد اللہ بن عباس پر بطور طنز اشارہ کرتا ہے کہ اللہ نے کچھ لوگوں کی آنکھوں کی طرح دل کو بھی اندھا کر دیا ہے جس کی بدولت وہ جواز متعہ کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جواب میں ابن عباس کا انداز گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔ وہ ابن زبیر کو نادان اور گستاخ کہہ کر حکم رسول سناتے ہیں۔

ابن زبیر حکم رسول کے جواب میں نہ تو آیت متعہ کی ناسخ آیت پڑھتا ہے۔ اور نہ ہی قول رسول پڑھتا ہے۔ ابن زبیر تشدد پر اتر آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ۔ ذرا اب متعہ کر کے دکھاؤ میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ یعنی دلیل کے جواب میں دھونس اور قول رسول کے مقابلہ میں ڈنڈا۔ یہ ہے حرمت متعہ کا ثبوت۔ (جواز متعہ ص ۶۴)

جواب:

اوپر ذکر کی گئی عبارت میں ایک تو وہی استدلال ہے۔ (یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضرت عمر بن الخطاب کے متعہ کو حرام فرمانے پر افسوس کرنا اس استدلال کا تفصیلی جواب گزشتہ صفحات کی زینت ہو چکا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت مذکورہ کا اصلی اور مرکزی راوی "حکم" ہے۔ اور وہ سخت قسم کا مجروح ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ اس کی روایت کو حجت کا درجہ دیا جا سکے۔ ہاں ایک نئی بات جاڑوی نے ذکر کی۔ وہ یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور جواز متعہ پر اصرار کرنا بحوالہ جصاص کی کتاب احکام القرآن۔ اس کا اوّلاً جواب یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔ اس بنا پر یہ روایت ناقابل قبول ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ احکام القرآن کے

مذکورہ مقام سے جو عبارت جاڑوی نے ذکر کی۔ اس کے متصل عبارت میں اس کی وضاحت تھی۔ لیکن مغالطہ دینے کی خاطر اُسے ہڑپ کر لیا گیا۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

احکام القرآن

لَوْلَا نَهْيُهُ لَمَا احْتَاجَ إِلَى الزِّنَا إِلَّا شَقِيٌّ فَالَّذِي مِنْ أَقَاوِيلِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْقَوْلُ بِإِبَاحَةِ الْمُتْعَةِ فِي بَعْضِ رِوَايَةٍ مِنْ غَيْرِ تَقْيِيدٍ لَهَا بِضَرُورَةٍ وَلَا غَيْرِهَا وَالثَّانِي أَنَّهَا مَيْتَةٌ تُحِلُّ لِضَرُورَةٍ وَالثَّالِثُ أَنَّهَا مُحَرَّمَةٌ وَقَدْ قَدَّمْنَا ذِكْرَ سَنَدِهِ وَقَوْلِهِ أَيْضًا إِنَّهَا مَنْسُوخَةٌ مِمَّا يَدُلُّ عَلَى رُجُوعِهِ عَنْ إِبَاحَتِهَا مَا رَوَى عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَرْثِ أَنَّ بُكَيْرَ بْنَ الْأَشَجِّ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا إِسْحَاقَ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ كُنْتُ فِي سَفَرٍ وَمَعِي جَارِيَةٌ لِي وَلِي أَصْحَابٌ فَحَلَّلْتُ جَارِيَتِي لِأَصْحَابٍ يَسْتَمْتِعُونَ مِنْهَا فَقَالَ ذٰلِكَ السِّفَاحُ فَهٰذَا أَيْضًا يَدُلُّ عَلَى رُجُوعِهِ۔

(احکام القرآن جلد دوم ص ۱۴۷ تا ۱۴۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:
اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہ فرماتے۔ تو کوئی بدبخت ہی ہوتا جو زنا کرتا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعہ کے بارے میں چند اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے۔ کہ آپ اس کی اباحت، ضرورت کے وقت دینے کے قائل تھے۔ اور دوسرا قول یہ کہ آپ اس کی اباحت، ضرورت کے وقت دینے کے قائل تھے۔ اور تیسرا قول یہ ہے۔ کہ متعہ حرام ہے۔ اس تیسرے قول کی سند ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ آیت جواز متعہ منسوخ ہے۔ اور آپ کے مباح کہنے سے آپ کا رجوع اس دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک روایت ہے جو عبداللہ بن وہب نے عمرو بن حرث سے اور انہوں نے بکیر بن اشج سے بیان کی۔ بنی ہاشم کا ایک مولیٰ ابو اسحاق بیان کرتا ہے۔ کہ ایک شخص نے حضرت عباس سے پوچھا۔ اُس نے بیان کیا۔ کہ میں ایک سفر میں تھا۔ اور میرے ساتھ میری ایک لونڈی بھی تھی۔ میں نے بطور متعہ وہ اپنے ساتھیوں کے لیے حلال کر دی۔ یعنی اجازت دے دی۔ کہ وہ اُس سے متعہ کر سکتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ یہ زنا ہے۔ لہذا یہ روایت بھی آپ کے رجوع پر دلالت کرتی ہے۔ (یعنی اس پر کہ آپ نے جواز متعہ سے رجوع فرما لیا تھا۔ اور حرمت کے قائل ہو گئے تھے)

رہا جاڑوی کا آخری حوالہ جس میں حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر کا مکالمہ بیان کیا ہے۔ اس کا جواب بھی وہی ہے۔ جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یعنی یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابن عباس نے اباحت متعہ سے رجوع نہیں فرمایا تھا۔ جب آپ کا رجوع ثابت اور آپ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ تو پھر دونوں کے مابین تنازع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تفسیر ابن عباس سے اس بارے میں ہم حوالہ لکھ چکے ہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جابر بن عبداللہ صحابی نے جواز متعہ کا اعلان کیا

جواز متعہ :-

جابر بن عبداللہ جیسا جلیل القدر صحابی حکم عمر کی پرواہ نہ کرتا۔ اور کھلے لفظوں میں مخالفتِ عمر کرتے ہوئے جواز متعہ کا اعلان کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

صحیح مسلم

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ قَدِمَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مُعْتَمِرًا فَجِئْنَا فِیْ مَنْزِلِهٖ فَسَأَلَهُ الْقَوْمُ عَنْ اَشْیَاءَ ثُمَّ ذَكَرُوا الْمُتْعَةَ فَقَالَ نَعَمْ اِسْتَمْتَعْنَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔

(صحیح مسلم جلد چہارم ص ۱۸ مطبوعہ مکتبہ شعیب برنس روڈ کراچی مترجم مولانا وحید الزمان)

ترجمہ:

عطاء نے کہا جابر بن عبداللہ عمرے کے لیے آئے۔ اور ہم سب ملنے کے لیے ان کی منزل میں گئے۔ لوگوں نے ان سے بہت سی باتیں پوچھیں پھر متعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ ہاں ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مبارک اور ابوبکر و عمر کے زمانۂ خلافت میں متعہ کیا۔

نووی شرح مسلم جلد ۹ ص ۱۷۹۔ جن لوگوں نے مسئلہ متعہ میں حضرت عمر کی مخالفت کی ہے۔ ان میں عظیم صحابی جناب عبداللہ بن مسعود بھی ہیں۔ جو بھرے مجمعوں میں "فما استمتعتم بہ منہن" کی آیت پڑھ کر "إلى أجل مسمّى" (مدت معینہ تک) پڑھا کرتے تھے۔ اور جواز متعہ پر نص قرآن کا ثبوت دیتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود سے حدیث متواتر جواز متعہ میں منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ قَيْسٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ كُنَّا نَغْزُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ وَلَيْسَ لَنَا شَيْءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَسْتَخْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا كَيْ اَنْ نَنْكِحَ الْمَرْاَةَ بِالثَّوْبِ ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْنَا يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ۔

(در منثور جلد دوم ص ۳۰۷۔ احکام القرآن جلد دوم ص ۱۸۴۔ صحیح بخاری جلد ۳ کتاب النکاح ص ۷۰ حدیث ۶۷ مطبوعہ دینی کتب خانہ ۳۸ اردو بازار لاہور۔ مترجم قاری محمد عادل خان)

ترجمہ:

قیس کہتا ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا۔ کہ ہم سرکار دو عالم کے ساتھ جنگ میں جاتے تھے۔ اور ہمارے پاس کچھ نہ ہوتا تھا۔ تو ہم نے عرض کیا۔ ہم خصی نہ ہو جائیں۔ تو آپ نے ہمیں اس فعل سے منع فرمایا۔ پھر ہمیں ایک کپڑے کے عوض نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ اور یہ آیت تلاوت کی۔ اے ایمان والو! پاک چیزیں اپنے لیے حرام مت کرو۔ جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔

آیئے اور سوچئے۔ عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ عورتوں کے نہ ہونے کا شکوہ کرتے ہیں۔ سرور کونین منع فرماتے ہیں۔ پھر آپ کپڑے کے عوض عقد کرنے کی اجازت دیتے۔ اور حکم قرآن سناتے۔ کہ اللہ کے حلال کو حرام مت کرو۔ اب ظاہر ہے۔ کہ کپڑے کے عوض جس نکاح کا تذکرہ ہے۔ وہ نکاح متعہ ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ جابر کی احادیث اور صحیح مسلم کی دیگر احادیث میں کپڑے کے عوض نکاح متعہ ملتا ہے۔ پھر سرور کونین کا یہ فرمانا کہ جو اللہ نے حلال کیا ہے۔ اسے حرام مت کرو۔ ظاہر ہے بات عورت سے نکاح کی مراد ہی ہے۔ اس لیے آپ یہاں کبوتروں اور بیٹروں کا حلال ہونا تو بیان نہیں کریں گے۔ کسی نکاح ہی کی بات ہوگی۔ اور نکاح بھی دائمی کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ تو عبداللہ بن مسعود نے پہلے ہی بتا دیا ہے۔ کہ نکاح دائمی والی بیبیاں ہمارے ساتھ نہ تھیں۔ اب نکاح متعہ ہی رہتا ہے۔ جس کے متعلق سرور کونین آیت پڑھ کر متوجہ فرمانا چاہتے ہیں۔ کہ جو چیز اللہ نے حلال کر دی ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ اور کپڑے کے عوض مدت معینہ تک نکاح متعہ کرو۔ تفسیر طبری جلد پنجم ص۱۲ کھول کر دیکھئے عبداللہ بن مسعود کی طرح ابی بن کعب بھی حضرت عمر کی تحریم متعہ کے خلاف کھلے عام آیت متعہ کی تلاوت الی اجل مسمّٰی سے کرتے ہیں۔ فتح الباری شرح

صحیح بخاری از ابن حجر جلد ۱۱ ص ۷۸ پر ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عمر کے تحریم متعہ کے مخالفین میں سے ابوسعید خدری ہیں۔ جو جواز متعہ کے نظریہ پر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔
فتح الباری شرح صحیح بخاری از ابن حجر جلد ۱۱ ص ۷۹ ، اور تفسیر طبری جلد پنجم ص ۱۲ کھول کر دیکھئے۔ سعید بن جبیر جیسا عظیم صحابی بھی حضرت عمر کی تحریم متعہ کے خلاف جواز متعہ کا فتوی دیتا ہے۔ اور آیت متعہ کی تلاوت کے بعد بطور تفسیر اِلیٰ اَجَلٍ مُسَمّٰی پڑھتا ہے۔ (جواز متعہ ص ۶۷)

جواب :

عبارت مذکورہ میں ان حضرات صحابہ کرام کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔ جو بقول جاڑوی حضرت عمرؓ کے اعلان حرمت متعہ کے مخالف تھے۔ اور ان کے برخلاف وہ متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ ان صحابہ کرام میں سے حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن مسعود، ابوسعید خدری۔ اور سعید بن جبیر کے اسماء گرامی صراحت سے ذکر کیے گئے مختصر یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعہ کو حرام قرار دینے کے باوجود ان صحابہ کرام نے اُن کی بات نہیں مانی۔ اور حرمت کی بجائے جواز کے پابند رہے۔ اب اس مقام پر ہم دو باتوں کا تذکرہ کریں گے۔ اول یہ کہ کیا ضرورت کی طرف سے پیش کردہ مذکورہ روایات واقعی حضرت عمر کے اعلانِ حرمت کے بعد کی ہیں؟ اور دوسری بات یہ کہ کیا ان روایات میں جو ان صحابہ کرام کا جوازِ متعہ کا نظریہ پیش کیا گیا۔ وہ اسی نظریہ پر دنیا سے رخصت ہوئے یا اس سے رجوع کر لیا تھا؟ ان صحابہ کرام کے بارے میں ہم دونوں امور کو پیش نظر رکھیں گے۔ سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ پیش خدمت ہے۔ اور وہ بھی مسلم شریف سے مذکورہ روایت کے متصل روایت کے الفاظ سے۔ ملاحظہ ہو۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور متعہ کی منسوخی

مسلم شریف

عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ فَاَتَاہُ اٰتٍ فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الزُّبَیْرِ اِخْتَلَفَا فِی الْمُتْعَتَیْنِ فَقَالَ جَابِرٌ فَعَلْنَاھُمَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَھَانَا عَنْھُمَا عُمَرُ فَلَمْ نَعُدْ لَھُمَا۔

(مسلم شریف جلد اول ص ۴۵۱ باب النکاح)

ترجمہ:

ابو نضرہ روایت کرتے ہیں۔ کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ کے پاس حاضر تھا۔ کہ ایک آدمی آیا۔ اور کہنے لگا۔ ابن عباس اور ابن زبیر دونوں متعۃ الحج اور متعۃ النکاح میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس پر جناب جابر نے کہا۔ ان دونوں کو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا ہے پھر ہمیں عمر بن الخطاب نے منع کر دیا۔ پس اس کے بعد ہم نے پھر اس کا اعادہ نہیں کیا۔

توضیح:

مسلم شریف کی مذکورہ روایت سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

کی شخصیت کا عقیدہ اور نظریہ نکھر کر سامنے آگیا۔ اسی لیے جاڑوی نے یہ روایت ذکر نہ کی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا۔ کہ متعہ ہم ضرور کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یوم خیبر اور فتح مکہ کے پیش نظر لوگوں کو سختی سے ڈانٹا۔ تو ہم نے اس کے بعد اس خبیث فعل کی طرف خیال بھی نہ کیا۔ اور اسے حرام سمجھ کر کنارہ کش ہو گئے۔ گویا جاڑوی نے حضرت جابر کے بارے میں جو روایات ذکر کی۔ وہ اگرچہ جواز متعہ کی خبر دیتی ہے۔ لیکن اُس سے انہوں نے حضرت عمر کے اعلان کے بعد رجوع فرما لیا تھا۔ اس وضاحت کے ہوتے ہوئے حضرت جابر کا حقیقی نظریہ بیان نہ کرتا اور یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت عمر کے حرمت متعہ کے اعلان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جواز متعہ کا اعلان کیا۔" کتنا صاف اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ جھوٹ سے بچنے کی وہی کوشش کرتا ہے۔ جسے خوف خدا اور شرم مصطفیٰ وآل مصطفیٰ ہو۔ اور جسے ستر سے زائد زنا کرنے کے گناہ سے بچنا مقصود ہو۔ جن میں کم درجہ اپنی ماں سے زنا کرنا ہے۔ (بحوالہ منتہی الآمال جلد اول) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ اور متعہ کی منسوخی

احکام القرآن

وَعَنْ دُوِىَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهَا مَنْسُوْخَةٌ بِالطَّلَاقِ وَالْعِدَّةِ وَالْمِيْرَاثِ

ترجمہ:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ "متعہ"، آیت طلاق، عدت اور میراث سے منسوخ ہو گیا ہے۔

بیہقی شریف

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَسَخَتْهَا الْعِدَّةُ وَالطَّلَاقُ وَالْمِيْرَاثُ۔

(بیہقی جلد ہفتم ص ۲۰۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

ترجمہ:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آیات عدت، طلاق اور میراث نے "متعہ" کو منسوخ کر دیا ہے

ابی بن کعب اور ابن عباس کی قرأت شاذہ ہے

تفسیر طبری

اَمَّا مَارُوِیَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ قِرَاءَتِهِمَا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَقِرَاءَةٌ بِخِلَافِ مَا جَاءَتْ بِهٖ مَصَاحِفُ الْمُسْلِمِيْنَ وَغَيْرُ جَائِزٍ لِاَحَدٍ اَنْ يُّلْحِقَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی شَيْئًا لَمْ يَاْتِ بِهٖ

اَلْخَبَرُ الْقَاطِعُ الْعُذْرَ عَمَّنْ لَا يَجُوْزُ خِلَافُهٗ ۔

(تفسیر طبری جلد پنجم ص ۱۰ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ :

بہرحال وہ زائد الفاظ جو حضرت ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت فما استمتعتم بہ میں "الی اجل مسمی" سے مروی ہیں۔ یہ ایسی قراۃ ہے جو مسلمانوں کے مصاحف کے خلاف ہے اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی ایسے لفظ ملائے جو یقینی خبر کے ذریعہ ثابت نہ ہوں اور جو اس کی مخالفت جائز نہیں سمجھتا اس کے عذر کو ختم کردے۔

توضیح

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہم نے چند حوالہ جات پیش کیے۔ جو ان کی طرف سے "متعہ" کے منسوخ ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔ موصوف سے جو جاڑوی نے روایت ذکر کی۔ وہ فتح مکہ سے پہلے کی ہے۔ جبکہ متعہ قطعی طور پر منسوخ نہ ہوا تھا۔ اس لیے حرمت کے بعد اس کی ناسخ آیات کی نشاندہی کردی گئی اور دوسری بات جو قرأت کے سلسلہ میں تھی۔ تفسیر طبری نے اس کا بھی جواب پیش کر دیا۔ کہ کوئی ایسی روایت جو مسلمانوں کے مصاحف کے ساتھ متفق ہو۔ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے۔ اب اس خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کا ثابت کرنا تو خبر واحد کو اس قدر اہمیت دینا ہے۔ جو قرآن کی صراحت کی ناسخ ہو سکے۔ اگر جاڑوی کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ خبر واحد قرآن کی ناسخ ہوتی ہے۔ تو اس کی یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ ان کی اپنی کتب بھی اس کی تائید نہیں کرتیں۔ یا پھر یہ کہنا چاہتا ہے۔ کہ "الی اجل مسمّی"

کے الفاظ آیت متعہ میں موجود تھے۔اب نہیں۔ تو یہ ثبوت جاڑوی کے ذمہ ہے۔ کہ یہ الفاظ قرآن کریم میں دیکھا ہے۔ تو منہ مانگا انعام پائے۔ یا پھر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ موجود قرآن ناقص اور محرف ہے۔ یہ خود اس کی پچھلی تقریر کے خلاف ہے۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ الخ

اُدھر اعلان یہ تھا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعہ کو حرام فرمانے کے بعد ان صحابہ کرام نے آپ کی مخالفت کی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت وہ پیش کی جا رہی ہے۔ جو فتح مکہ سے پہلے کی ہے۔ اب جاڑوی کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ثابت کیا جائے۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواز متعہ کے متعلق جو کچھ کہا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ حرمت متعہ کے بعد کہا۔ دوسرا یہ کہ اگر بعد میں ہی کہا تو پھر اسے خبر متواتر یا کم از کم خبر مشہور ہی ثابت کر دکھائے۔ کیونکہ کتاب اللہ پر زیادتی یا اس کے مطلق کو مقید کرنا خبر واحد سے نہیں ہوتا۔

ابوسعید خدری کی جواز متعہ والی روایت مجروح ہے۔

فتح الباری

وَاَمَّا اَبُوْ سَعِيْدٍ فَاَخْرَجَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَنَّ عَطَاءً قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ شِئْتَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ لَقَدْ كَانَ اَحَدُنَا يَسْتَمْتِعُ بِمِلْءِ الْقَدَحِ سَوِيْقًا وَهٰذَا مَعَ كَوْنِهٖ ضَعِيْفًا لِلْجَهْلِ بِاَحَدِ رُوَاتِهٖ لَيْسَ فِيْهِ التَّصْرِيْحُ بِاَنَّهٗ كَانَ

بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(فتح الباری جلد ۹ ص ۱۴۳ مطبوعہ بیروت
طبع جدید)

ترجمہ:

بہرحال جناب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا متعہ کے بارے میں نظریہ تو عبدالرزاق نے ابن جریر سے بیان کیا۔ کہ عطاء نے مجھے میری پسندیدہ شخصیت کے حوالے سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ جناب ابو سعید نے فرمایا۔ ہم میں سے کوئی ایک ستو کے بھرے ہوئے پیالے کے عوض متعہ کیا کرتا تھا۔ یہ بات ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی مجہول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں اس بات کی تصریح بھی موجود نہیں۔ کہ کیا ایسا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تھا؟

توضیح:۔

فتح الباری کے حوالہ سے اثیر جاڑوی نے حضرت ابو سعید خدری کے متعلق یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی۔ کہ کتاب مذکورہ میں ان کے جواز متعہ کی صراحت ہے۔ صاحب فتح الباری علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواز متعہ کی روایت کو ضعیف اور صریح نہ ہونے کے طور پر پیش کر کے جاڑوی کے کیے پر پانی پھیر دیا۔ اگر فتح الباری کی پوری بات نقل کر دی جاتی۔ تو انصاف ہوتا۔ لیکن دھوکہ اور کذب بیانی کا کام تو ان شیعوں کو اپنے اسلاف سے منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ قرائن یہ بتاتے ہیں۔ کہ جناب ابو سعید کی جواز متعہ والی روایت اس دور کی ہوگی۔ جب متعہ جائز تھا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ کے قول میں تھا۔ اس لیے جاڑوی کو چاہیئے تھا۔ کہ ان حضرات سے کوئی ایسی روایت پیش کرتا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع فرمانے کے بعد سے متعلق

ہوتی۔ کیونکہ جاڑوی نے یہی باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ کہ حضرت عمر کے حرمت متعہ کے مخالفین بڑے بڑے صحابہ کرام ہیں۔ جن میں عبداللہ بن مسعود ابو سعید خدری وغیرہ بھی ہیں لیکن قارئین کرام! آپ دیکھ چکے ہیں کہ جاڑوی اپنی اس بے ہودہ کوشش میں بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

عبداللہ بن زبیر متعہ کی پیداوار تھے۔ راغب اصفہانی کی عبارت

جواز متعہ

محاضرات راغب جلد دوم ص ۹۴۔ اٹھا کر دیکھیں عظیم صحابی زبیر بن العوام اور جلیلۃ القدر صحابیہ حضرات اسماء بنت ابی بکر خواہر ام المومنین عائشہ نہ حضرت عمر کی قولی مخالفت کرتے ہیں بلکہ حکم متعہ کی عملی تفسیر کر کے آپس میں متعہ کرتے ہیں۔ جس سے حضرت عبداللہ بن زبیر جیسا عظیم القدر سپوت جنم لیتا ہے۔ تفسیر کبیر جلد ۱۰ ص ۵۲ سے امام رازی سے پوچھئے فرماتے ہیں۔ صحابہ میں سے عمران بن حصین حضرت عمر کے خلاف جواز متعہ کا قائل تھا۔

مسند امام احمد بن حنبل جلد دوم ص ۹۵ میں حضرت عمر کے فرزند رشید اور صحاح ستہ کے بلند پایہ راوی عبداللہ بن عمر اپنے باپ کے خلاف جواز متعہ کا فتوای دیتے ہیں۔ ارشاد الساری جلد ۱۱ ص ۸۷ میں معبد بن امیہ ابن خلف بھی مسئلہ متعہ میں حضرت عمر کے کھلے مخالفین میں سے ہیں۔ ارشاد الساری جلد ۱۱ ص ۸۷ میں معبد بن امیہ ابن خلف بھی مسئلہ متعہ میں حضرت عمر کے مخالفین میں سے ہیں۔ سنن بیہقی جلد ۷ ص ۲۰۵ میں خالد ابن مہاجر جیسا صحابی بھی حضرت عمر کی مخالفت کرتے ہوئے جواز متعہ کا قائل نظر آئے گا۔ کنز العمال جلد ۸ ص ۲۹۴ کھول کر دیکھیں عمرو بن حریث نے بھی حضرت عمر کی مخالفت میں جواز متعہ کا فتوای دیا ہے۔ موطا جلد دوم ص ۱۳/۱ اٹھا کر دیکھئے ربیعہ بن امیہ بھی حضرت عمر کے خلاف جواز متعہ کا فتوای دیتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر صحابہ کی کثیر تعداد جواز متعہ کی قائل رہی ہے۔ اور بعض نے تو کھلے الفاظ میں حرمتِ متعہ کو حضرت عمر کی طرف منسوب بھی کیا ہے۔ اور پھر مخالفت بھی کی ہے۔ اور بعض نے حضرت عمر کا نام نہیں لیا۔ البتہ حضرت عمر کے حکم متعہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے جواز متعہ کا فتوای دیا ہے۔ اب رہے عموم صحابہ تو ارشاد الساری جلد ۱۱ ص ۸۷ کے مطابق جواز متعہ تقریباً تمام سے مروی ہے لکھا ہے۔

رَوٰی جَابِرٌ عَنْ جَمِیْعِ الصَّحَابَۃِ۔ جابر نے تمام صحابہ سے جواز متعہ روایت کیا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ کہ بعض صحابہ حضرت عمر کے فتوے حرمتِ متعہ کے خلاف سے خاموش رہ جاتے تھے۔ اور مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "حی علی خیر العمل" سے روکنا، نماز تراویح کا حکم دینا اور تدوین و نقل حدیث وغیرہ پر پابندی عائد کرنا جیسے مسائل میں صحابہ خاموش رہے۔ لیکن صحابہ کی خاموشی کا معنی ہرگز یہ نہیں کہ وہ حضرت عمر کے تمام ان کاموں کو جائز قرار دیتے تھے۔ جو کتابِ خدا اور سنتِ رسول کے خلاف تھے۔

(جواز متعہ ص ۶۸)

راغبؒ اصفہانی غالی شیعہ ہے

بحوالہ شیعہ کتب

جواب

سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں "متعہ کی پیداوار" جیسے غلیظ اور خبثِ عقیدت سے بھرے ہوئے الفاظ دراصل گندی ذہنیت کی سوچ ہے اور پھر اس کو ثابت کرنے کے لیے محاضرات راغب اصفہانی کا سہارا ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا۔ کے مترادف ہے۔ قابل توجہ یہ امر ہے۔ کہ عبداللہ بن زبیر کے والد گرامی جناب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ابو بکر صدیق کی فقر اور ام المومنین عائشہ کی ہمشیرہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا یہ دونوں کیا باقاعدہ دائمی نکاح کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یا میعادی نکاح کے طور پر رہ رہے تھے۔؟ تاریخ شاہد ہے۔ کہ ان دونوں نے نکاح متعہ نہیں بلکہ نکاح دائمی کر رکھا تھا۔ دائمی نکاح میں وطی کے بعد پیدا ہونے والا بچہ "متعہ کی پیداوار" نہیں کہلاتا۔ بلکہ اُسے اُن الفاظ سے وہی ذکر کرتا ہے۔ جو خود اس راستے سے آیا ہو۔ لہٰذا دائمی نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد پر "متعہ" کا اطلاق سخت تعصب کی نشاندہی کرتا ہے۔ محاضرات راغب اگرچہ ہمارے پاس نہیں۔ چلو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس میں یہ عبارت ہو گی۔ تو پھر بھی یہ کوئی قابلِ توجہ بات نہیں۔ کیونکہ راغب اصفہانی بھی کوئی "قابل اعتماد" نہیں لگتا۔ بلکہ وہ بھی اثیر جاڑوی کا ہم نوالہ و ہم پیالہ ہے۔ سُنیئے ان کی اپنی کتابوں سے اس کا تعارف۔

الکنی و الالقاب

فَقَالَ الْمَاهِرُ الْخَبِيْرُ الْمِرْزَا عَبْدُ اللهِ فِی (رض) فِیْ تَرْجُمَتِهٖ وَ نَقَلَ الْخِلَافَ فِیْ اِعْتِزَالِهٖ وَ تَشَيُّعِهٖ هٰذَا الْفَعْلَةُ لٰكِنَّ الشَّيْخَ حَسَنَ بْنِ عَلِی الطَّبْرِسِی قَدْ صَرَّحَ فِیْ اٰخِرِ كِتَابِهٖ اِسْرَارُ الْاِمَامَةِ اَنَّهٗ اَیْ الرَّاغِبِ كَانَ مِنْ حُكَمَاءِ الشِّيْعَةِ الْاِمَامِيَّةِ لَهٗ مُصَنِّفَاتٌ فَائِقَةٌ مِثْلُ الْمُفْرَدَاتِ فِیْ غَرِيْبِ الْقُرْاٰنِ وَ اَفَانِيْنَ الْبَلَاغَةِ وَ الْمُحَاضَرَةِ۔

(الکنی والالقاب جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶۸
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ماہر اور باخبر شخص مرزا عبداللہ نے اصفہانی کے حالات کے متعلق کہا۔ کہ اس کے معتزلہ اور تشیع ہونے میں اختلاف ہے لیکن شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی تصانیف اسرار الامامہ کے آخر میں اس کی صراحت کر دی ہے۔ کہ راغب اصفہانی شیعہ امامیہ حکماء میں سے تھا۔ اس کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف میں۔ مثلاً مفردات فی غریب القرآن اور افانین البلاغت والمحاضرہ۔

الذریعہ فی تصانیف الشیعہ

(جَامِعُ التَّفْسِيْرِ) الْاِمَامُ اَبُو الْقَاسِمِ حُسَيْنِ بْنِ

مُحَمَّدِ بْنِ فَضْلِ بْنِ مُحَمَّدِ الشَّهِيْرِ بِرَاغِبِ الْاِصْفَهَانِيْ ذُكِرَ فِي الرِّيَاضِ اَوَّلًا وُقُوْعُ الْخِلَافِ فِيْ تَشَيُّعِهِ ثُمَّ قَالَ لٰكِنَّ الشَّيْخَ حسن بن علی الطبرسی صَاحِبُ كَامِلُ الْبَهَائِيْ صَرَّحَ فِيْ اٰخِرِ كِتَابِهِ اَسْرَارُ الْاِمَامَةِ اَنَّهٗ كَانَ مِنْ حُكَمَآءِ الشِّيْعَةِ الْاِمَامِيَّةِ

(الذریعہ فی تصانیف الشیعہ جلد ۵ ص ۴۵)

ترجمہ:

جامع التفسیر امام ابوالقاسم راغب اصفہانی کے بارے میں "ریاض" میں پہلے تو یہ ذکر کیا گیا۔ کہ اس کے تشیع میں اختلاف ہے پھر لکھا۔ کہ شیخ طبرسی مصنف حرف بہائی نے اپنی کتاب اسرار الامامہ کے آخر میں یہ تصریح کی ہے۔ کہ راغب شیعہ حکماء میں سے تھا۔

الذریعہ فی تصانیف الشیعہ

اَلْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ فضل بن محمد المتوفی کما وَرَّخَهٗ فِيْ اَخْيَارًا بشر فی سنة اثنتين و خَمْسِمِائَةِ المرو هو بين كونه معتزليا اوشيعيا وجزم بالثانی حسن بن علی کامل البهائی فِيْ اٰخِرِ كتابه اسرار الامامة و لذا ترجمة صَاحِبُ الرِّيَاضِ فِي الْقِسْمِ الْاَوَّلِ۔ (الذریعہ جلد ۲۶ ص ۱۲۸)

ترجمہ:

راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے شیعہ یا معتزلی ہونے میں اختلاف ہے لیکن حسن بن علی نے اپنی تصنیف اسرار الامامہ کے آخر میں اس کے شیعہ ہونے پر جزم کیا ہے۔ اسی وجہ سے صاحب الریاض نے اس کا ذکر "قسم اول" میں کیا ہے۔

اعیان الشیعہ

فِی الرِّیَاضِ اُخْتُلِفَ فِیْ کَوْنِہٖ شِیْعِیًّا فَالْعَامَۃُ صَرَّحَ بِکَوْنِہٖ مُعْتَزِلِیًّا وَبَعْضُ الْخَاصَۃِ صَرَّحَ بِذٰلِکَ وَلٰکِنَّ الشَّیْخَ حَسَنُ بْنُ علی الطبرسی قد صَرَّحَ فِیْ اٰخِرِ کِتَابِ اَسْرَارِ الْاِمَامَۃِ بِاَنَّہٗ کَانَ مِنْ حُکَمَآءِ الشِّیْعَۃِ ..... فَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ یَظُنُّوْنَ اَنَّہٗ مُعْتَزِلِیٌّ اَقُوْلُ یُؤَیِّدُ تَشَیُّعَہٗ قَوْلُ مَنْ قَالَ اِنَّہٗ مُعْتَزِلِیٌّ فَاِنَّھُمْ کَثِیْرًا مَّا یَخْلِطُوْنَ بَیْنَ الشِّیْعِیِّ وَالْمُعْتَزِلِیِّ لِلتَّوَافُقِ فِیْ بَعْضِ الْاُصُوْلِ وَیُؤَیِّدُہٗ اَیْضًا کَثْرَۃُ رِوَایَتِہٖ عَنْ اَئِمَّۃِ اَھْلِ الْبَیْتِ وَتَعْبِیْرُہٗ عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَقَوْلُہٗ فِیْ مَحَاضَرَاتِہٖ کَمَا فِیْ رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی غَیْرَ اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَقَالَ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ خَلِیْلِیْ وَوَزِیْرِیْ وَخَلِیْفَتِیْ وَخَیْرَ مَا اَتْرُکُ مِنْ بَعْدِیْ یَقْضِیْ دَیْنِیْ وَیُنْجِزُ مَوْعِدِیْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ .... فَقَالَ یَحْیٰی بن اقسم للشیخ بِالْبَصْرَۃِ بِمَنْ اَفْتَیْتَ فِیْ جَوَازِ الْمُتْعَۃِ فَقَالَ بِعُمَرَ بن الخطاب فَقَالَ کَیْفَ ھٰذَا وَعُمَرُ کَانَ اَشَدَّ النَّاسِ فِیْھَا قَالَ لِاَنَّ الْخَبَرَ صَحِیْحًا قَدْ اَتَاہُ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَدْ اَحَلَّا لَکُمْ مُتْعَتَیْنِ وَاَنَا اُحَرِّمُھُمَا عَلَیْکُمْ وَاُعَاقِبُ عَلَیْھِمَا فَقَبِلْنَا شَھَادَتَہٗ وَلَمْ نَقْبَلْ تَحْرِیْمَہٗ ھٰذَا مَا نُقِلَ فِی الرَّوْضَاتِ عَنِ الْمُحَاضَرَاتِ۔

(اعیان الشیعہ جلد ششم تذکرہ راغب ص۱۲۰ اصفہانی مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

"الریاض" میں ہے کہ راغب اصفہانی کے شیعہ ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ عام لوگوں نے اس کو معتزلی کہا اور بعض خاص لوگوں نے بھی اسی کی تصریح کی۔ لیکن شیخ حسن بن علی طبرسی نے اپنی کتاب اسرار الامامہ کے آخر میں لکھا۔ کہ یہ شیعہ حکماء میں سے تھا...... بہت سے لوگوں کا ظن ہے۔ کہ راغب اصفہانی معتزلی ہے۔ میں کہتا ہوں جن لوگوں نے اس کے معتزلی ہونے کا قول کیا ہے۔ اسی سے اس کا شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ شیعہ اور معتزلہ بہت سے مسائل میں

ایک دوسرے کے موافق نظریات رکھتے ہیں کیونکہ کچھ اصول میں ان دونوں کا اتفاق ہے۔ اور اس کے شیعہ ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کی اکثر روایات کا تعلق ائمہ اہل بیت سے ہے۔ اور یہ اس سے بھی کہ حضرت علی المرتضٰی کو "امیر المومنین" کہہ کر لکھا ہے۔ اور اس کے شیعہ ہونے کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ جو اس نے محاضرات میں لکھا۔ اسی طرح کا قول روضات الجنات میں بھی ہے۔ قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی! کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو میرے ساتھ اس طرح ہو جائے جس طرح موسٰی کے ساتھ ہارون کا معاملہ تھا۔ صرف یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور حضرت انس سے روایت ہے۔ کہ میرا خلیل، وزیر، خلیفہ اور میرے بہترین وارثوں میں سے وُہ ہے جو میرے فرض ادا کرے گا۔ اور میرے وعدوں کو پورا کرے۔ وہ علی ابن ابی طالب ہے .... شیخ کو بصرہ میں یحییٰ بن اکثم نے عرض کیا کہ تو نے جواز متعہ کا فتوٰی کس کی رائے پر دیا؟ کہنے لگا عمر بن الخطاب کی رائے پر پوچھا کس طرح کیا۔ کہ انہوں نے بر سر منبر یہ اعلان کیا تھا۔ پوچھا گیا اُن سے جواز متعہ کیونکر؟ وہ تو اس بارے میں بڑے سخت تھے۔ کیا وہ اس طرح کہ صحیح خبر یہ ہے۔ کہ حضرت عمر منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول کے تم پر دو متعہ حلال کیے تھے۔ اور میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ اُن پر عمل کرنے والوں کو سزا دوں گا۔ تو ہم نے ان کی گواہی تو قبول کر لی لیکن متعہ کو حرام قرار دینا قبول نہ کیا۔ یہ ہے وہ جو روضات میں بحوالہ محاضرات ذکر کیا گیا ہے۔

لمحۂ فکریہ: جاڑدی نے محاضرات کا حوالہ دے کر اپنا دعوٰی ثابت کرنے کی

کوشش کی ہے اور صاحب محاضرات کے بارے میں یا تو اسے معلوم تھا۔ کہ وہ بھی شیعہ ہے۔ لیکن عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اس کا مذہب بیان نہ کیا۔ یا پھر کم علمی کی بنا پر راغب اصفہانی کے بارے میں اس کے مذہب کا کوئی علم نہ تھا۔ ان کے علاوہ طبرسی نے راغب کے شیعہ ہونے پر بطور دلیل وہی عبارت پیش کی ہے جس کو جاڑوی نے جواز متعہ کے لیے پیش کیا ہے۔ اب کون ذی علم یہ مانے گا۔ کہ ایک شیعہ کی تحریر سے اہل سنت پر حجت قائم کی جائے۔ اب اس کے بعد تفسیر کبیر سے جو حوالہ دیا گیا ہے اور عمران بن حصین کے جواز متعہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے ذرا اس کی طرف چلتے ہیں۔ اس روایت میں یحییٰ بن سلیم اور عمران بن مسلم دو راوی ہیں۔ جن پر جرح کی گئی ہے۔ ان کا ذکر پچھلے اوراق میں ہو چکا ہے۔ لہٰذا مجروح راویوں کی روایت مقام حجت و استدلال پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہوتی۔

آخر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو متعہ کے جائز ماننے والا بیان کیا ہے اس کا تفصیلی تذکرہ بھی ہم لکھ چکے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ متعہ کی حرمت کے واضح طور پر الفاظ فرماتے ہیں۔ جواز متعہ کی روایات سے مراد متعۃ النساء نہیں بلکہ متعۃ الحج ہے میعادی نکاح یعنی متعہ کی حرمت کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

بیہقی شریف

عن نافع عن عبد اللہ بن عمر اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَقَالَ حَرَامٌ۔

(بیہقی شریف جلد ۷ ص ۲۰۶)

ترجمہ:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بروایت نافع ہے۔ کہ ان سے متعۃ النساء

کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ حرام ہے۔

بیہقی شریف

اخبرنی شعیب عن نافع قال قال ابن عمر لا یحل لرجل ان ینکح امرأة الا نکاح الاسلام یمھرھا ویرثھا وترثه ولا یقافیھا الی اجل معلوم انھا امرأته فان مات احدھما لم یتوارثا۔

(بیہقی شریف جلد ۷ ص ۲۰۷ کتاب النکاح مطبوعہ حیدر آباد دکن)

ترجمہ

جناب نافع سے شعیب بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی عورت سے نکاح اسلام کے سوا کوئی نکاح کرے۔ اس عورت کو حق مہر دے۔ مرد اس عورت کا وارث ہوگی۔ اور ایک مقررہ وقت تک کے لیے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر اس صورت میں ان میں سے کوئی ایک مر جائے۔ تو ان کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی۔

توضیح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جاڑوی نے کہا تھا۔ کہ بیٹا اپنے باپ کے خلاف فتویٰ دے رہا ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعہ کی حرمت کے قائل اور ان کے بیٹے اس کے جواز کے قائل تھے۔ ہم نے جو دو روایات بیان کی ہیں۔ ان

میں اور جاڑوی کے بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابن عمر نکاح متعہ کو اسلامی نکاح کہتے ہی نہیں۔ اُن کے نزدیک اسلامی نکاح وہ ہے۔ جس کے بعد مرد اور عورت ایک دوسرے کے وارث بنیں۔ نکاح متعہ میں وراثت نہیں ہوتی اس کی تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد گرامی کی طرح متعۃ النساء کی حرمت کے بالتصریح قائل و معتقد تھے۔

سلمہ بن امیہ معبد بن امیہ اور عمرو بن حریس کے حلت متعہ کی حقیقت

ان تینوں حضرات کے متعلق جاڑوی کا کہنا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ حرمتِ متعہ کے بعد یہ تینوں حضرات بھی اس اعلان کے سخت مخالف تھے۔ اور یہ کہ تینوں حضرات متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ یہ اس کا دھوکہ اور مغالطہ وہی ہے۔ اگرچہ اس کے حوالہ کے طور پر ارشاد الساری کتاب کا نام لیا گیا۔ لیکن اصل کتاب یہ نہیں۔ بلکہ فتح الباری ہے۔ کتاب مذکورہ میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم کی اس عبارت کی تردید کر رہے ہیں۔ جس میں ابن حزم نے چند ان صحابہ کرام کے نام گنوائے ہیں۔ جن کے بارے میں اس کا خیال یہ تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد یہ حضرات متعہ کی حلت کے قائل تھے۔ صاحب فتح الباری نے ان تمام دلائل و روایات کا ایک اجمالی جواب ذکر کیا۔ دیکھئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ کہ متعہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کی خلافت کے کچھ حصہ تک کیا۔ "رواہ جابر عن جمیع الصحابہ" اس پر صاحب فتح الباری لکھتے ہیں۔ فان کان قولہ فعلنا یعم جمیع الصحابۃ فقولہ ثم لم نعد یعم جمیع الصحابۃ

فیکون اجماعًا۔ یعنی اگر حضرت جابر کا یہ کہنا کرسب کرتے رہے۔ اس "ہم سب" سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں۔ تو پھر اس کے بعد اُن کا یہ قول کر "پھر ہم نے دوبارہ یہ نہیں کیا" سے مراد بھی تمام صحابہ کرام ہی ہو گا۔ جب تمام صحابہ کرام نے متعہ کرنا چھوڑ دیا تو حرمتِ متعہ پر اجماع صحابہ ہو گیا۔ اور اگر اس سے مراد تمام نہ ہوں۔ تو پھر اس سے مراد صرف حضرت جابر کی اپنی ذات ہو گی۔ اور اس طریقہ سے تمام صحابہ کرام کا متعہ کرنا ثابت نہ ہوا۔ اسی لیے ابن حزم نے جب "فعلنا" سے مراد تمام صحابہ لیے تو ابن حجر نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ بہرحال اگر "فعلنا" سے مراد تمام صحابہ ہوں۔ تو "لم نعد" سے بھی تمام مراد ہوں گے۔ اس طریقہ سے حرمت متعہ باجماع صحابہ ثابت ہو گی۔ اور اگر "فعلنا" سے مراد صرف حضرت جابر کی اپنی ذات ہے تو پھر تمام صحابہ کرام کو اس میں شامل کرنا زیادتی ہے۔ اس سے صرف یہ معلوم ہو گا۔ کہ حضرت جابر متعہ کے قائل تھے۔ لیکن پھر اس کی حرمت کے قائل ہو گئے تھے۔ یہ تھا حال اس روایت کا جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی تھا۔ غلط فہمی کی بنا پر جاڑوی نے دوسروں کو بھی غلط فہمی کا شکار کرنا چاہا۔ اب آخر میں خالد بن مہاجر کے بارے میں حقیقت حال پیش خدمت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں بھی جاڑوی نے یہی تاثر دیا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع فرمانے کے باوجود یہ حضرت اس کی مخالفت پر ڈٹے رہے۔ اور اس کے ثبوت کے لیے سنن بیہقی کا حوالہ دیا گیا۔ اس میں بھی کذب بیانی سے کام لیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ حرمت متعہ کے بعد جناب خالد بن مہاجر کا ایسا ایک قول بھی جاڑوی نہیں دکھا سکتا جس میں اُس کا مُبتلا ہوا تا نا بانا نظر آتا ہو۔ سنن بیہقی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

بیہقی شریف:

قَالَ ابنُ شِهَابٍ فَاَخبَرَنِي خَالد بن مهاجر بن سيف الله

اَنَّہٗ بَیْنَمَا ھُوَ جَالِسٌ عِنْدَ رَجُلٍ جَاءَہٗ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَاہُ فِی الْمُتْعَۃِ فَقَالَ لَہٗ ابْنُ اَبِیْ عُمْرَہَ الْاَنْصَارِیْ مَھْلًا قَالَ مَاھِیَ وَاللّٰہُ لَقَدْ فَعَلْتُ فِیْ عَھْدِ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمْرَہَ اِنَّھَا کَانَتْ رُخْصَۃٌ فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ لِمَنْ یَّضْطَرُّ اِلَیْھَا کَالْمَیْتَۃِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِیْرِ ثُمَّ اَحْکَمَ اللّٰہُ الدِّیْنَ وَنَھٰی عَنْھَا۔

(بیہقی شریف جلد ۷ ص ۲۰۵ کتاب النکاح)

ترجمہ:

ابن شہاب کہتے ہیں۔ کہ مجھے خالد بن مہاجر نے بتایا۔ کہ وہ ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک مرد آیا۔ اور اس نے اس سے متعہ کے بارے میں فتوے طلب کیا۔ اُسے ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا۔ ٹھہرو۔ کہا۔ وہ کیا ہوتا ہے؟ خدا کی قسم! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں متعہ کیا ہے۔ ابن ابی عمرہ نے کہا۔ متعہ کرنا اول اسلام میں رخصت تھا۔ لیکن اس شخص کے لیے جو اس پر مجبور ہو جائے۔ جس طرح مجبور کے لیے مردار، خون اور خنزیر جائز ہو جاتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دین کو مضبوطی عطا فرما دی تو پھر اس متعہ سے منع کر دیا۔

توضیح

خالد بن مہاجر اگرچہ متعہ کے جواز کے قائل تھے لیکن انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کا چونکہ علم نہ تھا۔ اس لیے جب ابن عمرہ انصاری نے حقیقت حال کی وضاحت کی۔ اور متعہ کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی۔ تو اس

کو سن کر خالد بن مہاجر کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ آپ نے اس پر خاموشی فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے ہوتے ہوئے اپنے نظریہ سے رجوع فرما لیا تھا۔ یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اگر متعہ کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان فرمائیں۔ تو خالد بن مہاجر اسے تسلیم نہ کریں۔ اور ابن ابی عمرہ انصاری کہیں۔ تو اُسے تسلیم کر لیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خالد بن مہاجر کے اقوال کا فرضی اختلاف پیش کر کے جاڑوی نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

ربیعہ بن امیہ

موطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت عمر اور ربیعہ بن امیہ کی متعہ کے بارے میں جاڑی نے مخالفت ذکر کی۔ جھوٹ اور فریب دہی کی یہ بھی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ موطا میں اس اختلاف کا کوئی نام ونشان نہیں۔ بلکہ جو کچھ ربیعہ بن امیہ سے ہوا۔ وہ لاعلمی کی بنا پر تھا۔ اگر مقابلے یا مخالفت کے طور پر ہوتا۔ تو حضرت عمر رض انہیں رجم کرا دیتے۔ سنیئے امام مالک موطا میں کیا فرماتے ہیں۔

موطا امام مالک

مالك عن ابن شهاب عن عروة زبیر ان خوله بنت حكيم دَخَلَتْ عَلَىٰ ابْنِ الْخَطَّابِ فَسَأَلَتْ اَنَّ ربيعه بن اميه اِسْتَمْتَعَ بِاِمْرَاَةٍ فَحَمَلَتْ مِنْهُ فَخَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَزَعًا يَجُرُّ رِدَاءَهُ فَقَالَ هٰذِهِ الْمُتْعَةُ لَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ

فِيْهَا لَرَجَمْتُ۔

(موطا امام مالک ص ۵۰۸ نکاح متعہ مطبوعہ
میر محمد کراچی)

ترجمہ:

خولہ بنت حکیم ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب کے ہاں آئیں۔ اور ان سے پوچھا۔ کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے نکاح متعہ کیا۔ تو وہ عورت اس سے حاملہ ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت عمر غصہ میں باہر تشریف لائے۔ اور آپ اپنی چادر گھسیٹ رہے تھے۔ پھر فرمایا۔ یہ متعہ ہے۔ اگر میں اس بارے میں پہلے سے اعلان کر چکا ہوتا۔ تو ربیعہ کو سنگسار کر دیتا۔

توضیح

موطا کی درج بالا عبارت واضح طور پر یہ اعلان کر رہی ہے۔ کہ ربیعہ بن امیہ کا واقعہ دراصل متعہ کی حرمت سے لاعلمی کی بنا پر وقوع پذیر ہوا۔ جب انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس اعلان کا علم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ کو اس سے منع کر دیا تھا۔ تو انہوں نے اس کی مخالفت نہ کی۔ اسی بنا پر جناب فاروق اعظم نے ربیعہ کو رجم نہ کرایا۔ اب اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ان دونوں حضرات کے مابین فرضی مخالفت ثابت کرنا ظلم ہے۔

نوٹ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی ممانعت کا اعلان یوم فتح مکہ کو فرما دیا تھا۔ بعد میں جب ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کا دور خلافت آیا تو ان دونوں خلفاء کو اغیار

کی سازشوں اور جہاد میں مصروفیات کی بنا پر اس کا موقع نہ مل سکا۔ کہ وہ اپنے اپنے دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کو شہرت دیتے۔ اس لیے بہت سے افراد اس کی ممانعت سے بے خبر تھے۔ بعد میں حضرت فاروق اعظم نے اعلان عام فرما دیا۔ تاکہ کسی کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔ اسی بنا پر انہوں نے ربیعہ کو بوجہ لاعلمی رجم کی سزا نہ دی۔ اور علم ہو جانے کے بعد ربیعہ نے پھر اس قسم کی حرکت نہ کی۔

ایک طرف جاڑوی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ حضرت عمر کے اعلان کے خلاف صحابہ کرام کی بہت سی شخصیات میدان میں آ گئیں۔ اور دوسری طرف اس نے یہ منطق اپنائی۔ کہ "صحابہ کرام اگرچہ متعہ کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ جائز ہے۔ لیکن حضرت عمر کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ حی علی خیر العمل اور تدوینِ قرآن ایسی باتوں پر صحابہ کرام نے مخالفت نہ کی۔ حالانکہ یہ اُن کے نزدیک ناجائز تھے"۔

ایک طرف کھلی مخالفت اور دوسری طرف ڈر کے مارے چپ سادھے ہوئے۔ کیا یہ صحابہ کرام کی عظمت بیان ہو رہی ہے؟ چلو مان لیتے ہیں۔ کہ عمر بن الخطاب کا ڈر تھا۔ لیکن جب عمر فاروق کا انتقال ہو گیا۔ عثمان غنی کا دور سازشوں کی زد میں تھا۔ اور علی المرتضٰی خلیفہ چہارم بن کر مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ حتیٰ کہ ائمہ اثناء عشر نے اپنے اپنے دور میں اس کا رواج جائز کیوں نہ قرار دیا۔ اب عمر بن الخطاب تو نہ تھے۔ پھر کس کا ڈر تھا۔ کوئی شیعہ یہ ثابت کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ ان کے بارہ اماموں میں سے کتنے وہ ہیں۔ جنہوں نے متعہ پر عمل کیا۔ جب ان کا دعوٰی یہ ہے۔ کہ متعہ کے بغیر ایمان نہیں۔ تو پھر اس کا اپنا ثابت ضروری تھا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعہ سے منع فرمایا۔ اس میں

ان کا اپنا ذاتی مفاد کیا تھا متعہ کا اجراء خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے منع کرنے سے حضرت عمر کو کیا ملا؟ اگر کوئی صاحب عقل و خرد غور کرے۔ تو اسے یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواہش پرست نہ تھے اور اس عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نفسانی خواہشات نہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔ اور نہ ہی اپنے دوسرے مسلمان بہن بھائیوں کے لیے پسند فرماتے تھے۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الشیطن یفرّ من ظلّ عمر" کا عملی نمونہ تھا حضرت فاروق اعظم نے اوّل آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا تحفظ کیا ہے۔ ذاتی اغراض و مقاصد پیش نظر نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین　ثم　آمین

دھوکہ

اور

کذب بیانی نمبر ۲

حرمتِ متعہ کی روایات باہم متضاد ہیں

جوازِ متعہ: نظریہ ابن حجر

اب آیئے اور حضرت عمر کے روکنے اور صحابہ کرام کے خاموش رہنے کا سبب جو ابن حجر نے بیان کیا ہے۔ کہ صحابی کی خاموشی ان کی رضا اور موافقت کے علاوہ حکم رسول پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا جائزہ لیں کہ یہ نظریہ کہاں تک درست ہے

جہاں تک سکوت صحابہ کا تعلق ہے۔ وہ تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کہ صحابہ نے خاموشی نہیں کی بلکہ ببانگ دہل مخالفت کرتے رہے ہیں۔ البتہ ارشاد الساری جلد ۱۱ ص ۷۷ میں حرمت متعہ کے لیے تین روایات پیش کی گئی ہیں۔ ایک روایت ابوہریرہ سے ہے اور دو عبداللہ بن عمر سے ہے۔

جہاں تک ابوہریرہ کی روایت کا تعلق ہے۔ صاحب ارشاد الساری نے ابوہریرہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد خود اس حدیث پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

ان فی حدیث ابی هریرة مقالا فانه من روایة مومل ابن اسماعیل عن عکرمه ابن عمار و فی کل منها مقال

ترجمہ:

ابوہریرہ کی حدیث سلسلہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں مومل بن اسماعیل اور عکرمہ بن عمار ہیں۔ اور یہ دونوں مجروح ہیں۔ اب آئیں اور عبداللہ ابن عمر کی دو احادیث دیکھیں۔ ان کی عبارت کچھ یوں ہے۔

لما ولی عمر خطب فقال ان رسول الله اذن لنا فی المتعة۔

جب عمر حکمران بنا تو اس نے دوران خطبہ کہا۔ کہ سرور کونین نے ہمیں

تین بار متعہ کی اجازت دی تھی۔ لیکن پھر اسے حرام قرار دے دیا۔ ان احادیث کے سلسلہ سند سے قطع نظر اصل حدیث کو دیکھیں۔ عبداللہ بن عمر سرورکونین سے حدیث نقل نہیں کر رہا۔ حضرت عمر حکمران بنتے ہیں۔ تو دوران خطبہ فرماتے ہیں ۔ کہ سرورکونین نے اجازت متعہ دینے کے بعد متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ علاوہ ازیں سابقا مسند احمد حنبل جلد دوم ص ۹۵ پر یہی عبداللہ بن عمر جواز متعہ کی حدیث نقل کرتا ہے۔ جو گزر چکی ہے۔ جس میں عبداللہ بن عمر وضاحت سے بتاتے ہیں۔ کہ سرورکونین کے زمانہ میں متعہ ہوتا رہا ہے۔ کیا عبداللہ بن عمر کے کلام میں تضاد نہیں ہے ؟ کیا حرمتِ متعہ کو عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ سے منسوب کیا ؟ اور کیا عبداللہ بن عمر کی جواز متعہ کی احادیث کے مستند رواۃ حرمتِ متعہ کے ضعیف راویوں پر غالب نہیں رہیں گے ؟ (جواز متعہ ص ۶۹)

جواب :-

نظریہ ابن حجر کے تحت جو کچھ جاڑوی نے کہا۔ اس کا خلاصہ تین امور ہیں۔

اول:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ حرمت متعہ پر صحابہ کرام کی خاموشی دراصل حکم رسول کی موافقت ہے۔ کہ متعہ جائز ہی ہے۔

دوم: حرمت متعہ کی تین ہی روایات ہیں۔ ان میں سے روایتِ ابوہریرہ مجروح ہے۔ کیونکہ وہ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔

سوم: عبداللہ بن عمر کی روایات میں تضاد ہے۔ اور حرمت متعہ کی روایات بمقابلہ جواز متعہ ضعیف ہیں۔

اول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ حرمتِ متعہ پر صحابہ کی خاموشی خود جاڑوی کی اپنی تحریر اس کا منہ چڑاتی ہے۔ گزشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

کہ بقول جاڑوی اعلانِ عمر کے وقت پر اور اس کے بعد عظیم صحابہ کرام نے اس کی مخالفت کی۔ اور پھر ان کے نام بھی جاڑوی نے گنوائے۔ اب یہاں اوروں کے ساتھ انہیں بھی "خاموش" بنا لیا گیا۔ یہ تو تھا ایک پہلو کہ جس سے جاڑوی کی بدحواسی ٹپک رہی ہے۔ دوسرا پہلو یہ کہ حضرات صحابہ کرام نے مخالفت کی بجائے موافقت میں اپنا تائیدی کردار ادا کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وہ قول بطور حجت کافی ہے جس میں آپ نے تمام صحابہ کرام کی کیفیت بیان فرمائی۔ فرمایا۔ اعلانِ حرمتِ متعہ کے بعد "فَلَمْ نَعُدْ لَهَا" ہم نے پھر اس (متعہ) کا اعادہ نہ کیا۔ کیا یہ خاموشی ہے؟

دوم: "حرمتِ متعہ پر روایت ابوہریرہ سخت مجروح ہے"۔ فتح الباری سے جو یہ اقتباس پیش کیا گیا۔ جاڑوی نے اس کا پس منظر بیان نہ کر کے تالیف و تصنیف میں بددیانتی کا ارتکاب کیا۔ صاحب فتح الباری بحث یہ کر رہے ہے۔ کہ حرمت متعہ کی روایات کے مقامات مختلف ہیں۔ یعنی یہ اعلان خیبر کے دن ہوا، فتح مکہ کے دن، طاؤس کے دن، تبوک یا حجۃ الوداع کے دن۔ سفرِ تبوک کے دوران جن روایات سے حرمت متعہ ثابت ہوتی ہے۔ وہ تین ہیں۔ جن میں ایک روایت حضرت ابوہریرہ کی ہے۔ یعنی ابن حجر بیان یہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ حرمت متعہ کا اعلان دو مرتبہ ہوا۔ ایک اس وقت جبکہ یوم خیبر تھا۔ یہ اعلان اس بنا پر کیا گیا۔ کہ دورِ جاہلیت میں لوگ متعہ کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلی فعل کو ممنوع فرما دیا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر صرف تین دن کے لیے اس کی اباحت کر دی گئی۔ پھر آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے منع فرما دیا۔ اس بحث کے بعد ابن حجر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ وہ روایات جن میں سفرِ تبوک کے دوران متعہ کی حرمت ملتی ہے۔ وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ یعنی ان روایات کو حرمتِ متعہ پر پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ حرمت بعد میں اٹھا لی گئی۔ اور پھر دائمی حرمت کا اعلان فتح مکہ کو ہوا۔ جس کے بعد دوبارہ متعہ کی اجازت نہ دی گئی۔

اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اور ادھر جاڑوی کی "تحقیق" سے اس کا موازنہ کیا جائے۔ تو بات صاف صاف نظر آئے گی۔ کہ ابن حجر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حرمت متعہ یوم فتح مکہ کو ہوئی۔ سفر تبوک کی روایات ناقص ہیں۔ تین روایات پر جرح کر رہے ہیں لیکن جاڑوی اینڈ کمپنی ان تین روایات کی جرح تو پیش کر رہا ہے۔ یہ نہیں بتا رہا کہ ابن حجر نے یہ جرح کیوں کی۔ چلئے مان لیا۔ کہ مذکورہ تین روایات جن میں سے ایک روایت ابو ہریرہ کی بھی ہے۔ مجروح ہیں۔ لیکن وہ روایات جو حرمت متعہ کو یوم فتح مکہ سے ثابت کرتی ہیں۔ اُن کے بارے میں جاڑوی کا کیا خیال ہے ؟ فتح الباری کی عبارت اور پھر اس کا مطلب اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے جاڑوی نے کیا کیا جتن کیے۔ آیئے فتح الباری کی عبارت دیکھیں۔ کہ وہ جاڑوی کا کس طرح منہ چڑاتی ہے۔

فتح الباری

والمشهور فی تحريمها ان ذالك كان في غزوة الفتح كما اخرجه المسلم من حديث الربيع بن سمرة ...... فاما رواية التبوك اخرجها اسحاق بن راهويه وابن حبان من طريقة من حديث ابی هريره الخ۔

(فتح الباری جلد ۹ ص ۱۳۸)

ترجمہ:

متعہ کی تحریم کے متعلق مشہور یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن کے ہوئی۔ جیسا کہ امام مسلم نے ربیع بن سمرہ کی حدیث بیان کی ..... لیکن وہ روایات

کہ جن سے حرمت متعہ یوم تبوک کو ثابت ہوتی ہے۔ جن کا اخراج اسحاق بن راہویہ اور ابن حبان نے کیا۔ اور حدیث ابوہریرہ اس پر پیش کی۔ یہ غیر مشہور ہے۔

سوم: حضرت عبداللہ بن عمر کی احادیث میں تضاد۔ جاڑوی کو تو "تضاد" کی تعریف کا ہی علم نہیں۔ اسے کیا حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کی احادیث میں اس لفظ کا استعمال کرے۔ حضرت ابن عمر کی وہ دونوں احادیث پیش خدمت ہیں۔ اُن میں تضاد تلاش کیجئے۔

۱۔ حضرت عمر نے دورانِ خطبہ کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک کے لیے متعہ کی اجازت دی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اس سے منع فرمادیا۔

۲۔ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل، حضرت عبداللہ بن عمر نے متعہ کو جائز قرار دیا۔

روایت اولیٰ اور ثانیہ میں ایک بات متفق علیہ ہے۔ وہ یہ کہ متعہ جائز تھا۔ پہلی روایت میں اس کی اجازت تین دن تک مخصوص ذکر کی گئی ہے۔ اور دوسری روایت میں جواز متعہ کی روایت علی الاطلاق ہے۔ اس حد تک دونوں روایتوں میں اتفاق ہے۔ لیکن پہلی روایت میں تین دن کے بعد حرمت کا ذکر ہے۔ دوسری میں نہیں۔ لیکن حرمت متعہ کا حکم دوسری روایت کے خلاف نہیں۔ خلاف تب ہوتا۔ کہ اس میں یہ بیان کیا جاتا۔ کہ متعہ کا جواز تین دن کے بعد منسوخ نہیں ہوا۔ جاڑوی کو یہ فرق نظر آیا۔ اور تضاد کی بھینس کو اندھے کی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دیا۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جس متعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ متعۃ النساء سے ہی نہیں۔ (اس کی ہم تحقیق پیش کر چکے ہیں) بلکہ اس سے مراد متعۃ الحج ہے۔ اب یہ کس قدر ستم ظریفی ہے۔ کہ ایک روایت میں متعۃ النساء کی

تین دن تک اباحت اور پھر ابدی حرمت کا ذکر اور دوسری روایت میں متعۃ الحج کے جواز کا مسئلہ، ان دونوں کو باہم متضاد بنا یا گیا۔ کیا تضاد کے لیے ایک ہی چیز کا متعین ہونا ضروری نہیں۔ اگر جاڑوی کے نزدیک تضاد یہی ہے۔ کہ دو مختلف چیزیں دو مختلف حکم رکھیں۔ تو پھر اتفاق کہاں ہوگا؟ آخر میں یہ دعویٰ جڑا گیا۔ کہ روایات جواز متعہ مضبوط ہیں۔ اور حرمت والی ضعیف۔ ہمارا چیلنج ہے۔ کہ جاڑوی اینڈ کمپنی کوئی ایک ایسی روایت پیش کر دیں۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فتح مکہ کے دن متعۃ النساء کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔ تو اس کے بعد متعۃ النساء کے جواز کا بھی ارشاد فرمایا۔ منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جواز متعہ کی روایات منقول ہیں۔ لیکن یہ جواز قبلِ تحریم کی ہیں۔ دائمی جواز کی ایک روایت بھی ان سے مروی نہیں۔

لہذا ضعیف و قوی کہنے کو تو جاڑوی نے کہہ دیا۔ لیکن اس کا ثابت کرنا اس کے لیے بلکہ اس کی تمام "امت شیعیت" کے لیے مشکل ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ)

ڈھکوسلے

اور

حاصل مطالعہ

جواز متعہ

سابقہ بیان سے جو حقیقت ثابت اور واضح ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ (۱) جوازِ متعہ احکام شرعیہ میں سے ہے۔ (۲) قرآن کریم سے جواز متعہ ثابت ہے (۳) سرورِ کونین سے جواز متعہ ثابت ہے (۴) سرورِ کونین سے متعہ کی حرمت ثابت نہیں (۵) صحابہ کی اکثریت زمانۂ رسالت میں عملاً متعہ پر عمل کرتی رہی۔ صحابہ کی واضح اکثریت تادمِ آخر جوازِ متعہ کی قائل رہی (۶) متعہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ابتدائی دور میں ہوتا رہا (۷) حضرت عمر نے اپنے زمانہ حکومت میں متعہ پر سختی سے پابندی عائد کی (۸) بعض صحابہ نے حضرت عمر کے دُرّہ کے ڈر سے چُپ سادھ لی (۹) جلیل القدر صحابہ نے حضرت عمر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کھلے عام مخالفت کی بعد کے فقہائے اہل سنت کی دو قسم ہو گئیں۔ کچھ متعہ کو جائز قرار دیتے رہے۔ اور کچھ متعہ کو حرام اور غیر شرعی کہتے رہے (۱۰) متعہ کو حرام کہنے والے علماء نے حضرت عمر کی تحریم کو سامنے رکھ کر آیات قرآن کی مختلف تاویلیں کیں۔ اور حضرت عمر کی تحریم کو درست ثابت کرنے کی خاطر مقامِ مصطفےٰ تک کا خیال نہ کیا (۱۱) حتی کہ توشجی جیسے علم کلام کے مسلّم علماء نے حضرت عمر اور سرورِ کونین دونوں کو اجتہاد کی ایک لڑی میں پرو دیا۔ اور انتہائی بے باکی سے کہہ دیا کہ اجتہادِ عمر، اجتہادِ رسول

سے متصادم ہوگیا۔ (۱۲) متعہ کو جائز قرار دینے والوں نے قرآن حکیم اور رسول کریم کے اصل جواز کو سامنے رکھا۔ اور حضرت عمر کی تحریم متعہ کی پرواہ نہ کی (۱۳) حضرت عمر کو امتی اور سرور کونین کو ذات احدیت کا نمائندہ سمجھا۔ سرور کونین کو مجتہد نہیں بلکہ شارع اور حضرت عمر کو دوسرے صحابہ کی طرح کا ایک صحابی سمجھا۔ حضرت عمر کی رائے کو دیگر افراد امت میں سے ایک فرد کی ذاتی رائے قرار دے کر قابل اعتماد نہیں سمجھا۔ (۱۴) یہی نظریہ آئمہ اہل بیت اور شیعیانِ علی بن ابی طالب کا ہے۔ حتیٰ کہ شیعیانِ اہل بیت میں گزشتہ چودہ صدیوں میں ایک بھی اس نظریہ کا مخالف نہیں ہوا۔ آخر میں مناسب ہوگا۔ کہ اگر علماء امامیہ میں سے شیخ مفید کی مختارات شیخ مفید سے اثبات متعہ پر ایک مناظرہ لکھ دیں۔ تاکہ قارئین کرام کی بصیرت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ تفریح طبع ہو جائے۔ (جواز متعہ ص ۷۱، ۷۲)

جواب بالترتیب

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یوم فتح کو متعہ کی حرمت کا اعلان فرما دیا۔ تو اب جواز نہیں بلکہ حرمتِ متعہ احکام شرعیہ میں سے ہے۔

۲۔ جس آیت قرآنیہ سے جواز متعہ ثابت کیا جاتا ہے۔ اوّلاً وہ آیت نکاح دائمی کے لیے اتری نہ کی میعادی نکاح کے لیے، دوم اگر میعادی نکاح کے لیے تھی تو پھر اس کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اگرچہ متعہ کی اجازت ثابت ہے۔ لیکن صرف تین دن تک کے لیے تھی۔ بعد میں اسے ممنوع فرما دیا۔

۴۔ مسند اور مرفوع احادیث صحیحہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہے۔ لیکن صرف تین دن تک کے لیے تھی۔ بعد میں اسے قرآن کریم نے منسوخ فرما دیا۔ تو اصل

حرمت پھر سے موجود ہو گئی۔

۵۔ بامر مجبوری تین دن کے لیے متعہ کی اجازت اور وہ بھی اُن صحابہ کرام کے لیے جو آپ کے ساتھ غزوہ میں تھے۔ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار سے متجاوز تھی ان میں سے اکثریت کے بارے میں قول کرنا تو بہت آسان ہے۔ لیکن ہم چیلنج کرتے ہیں۔ کہ جاڑوی وغیرہ تمام اصاغر و اکابر پچاس صحابہ کرام کے اسماء گرامی ہی گنوا دیں۔ جنہوں نے فتح مکہ کے وقت متعہ کی وقتی حلت اور پھر حرمت کے بعد اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ بلکہ جاڑوی تو اپنے ہم مسلکوں کی اکثریت بھی نہیں دکھا سکتا۔ کہ جنہوں نے اس ”شریعت عمل“ کو گلے لگایا ہو۔

۶۔ فتح مکہ کے دن حرمتِ متعہ کا اعلان ہوا۔ بعد میں دورِ ابو بکر اور عمر کے ابتدائی دور میں چونکہ سازشوں اور فتنوں نے سر اٹھا رکھا تھا۔ اس لیے اس اعلان کی تشہیر اور اس پر سختی سے عمل کرانے کا موقعہ نہ مل سکا۔ جس کی وجہ سے کچھ لوگ اس کی حرمت کا علم نہ ہونے کی بنا پر اس میں مصروف رہے۔ حالات سازگار ہونے پر حضرت عمر نے اس پر سختی سے عمل کروایا۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از خود اپنی طرف سے متعہ کی حرمت نہیں فرمائی۔ بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احادیث کے پیش نظر ایسا کیا۔ اسی لیے آپ نے اعلان میں یہ بھی فرمایا۔ کہ جوازِ متعہ پر چار گواہ پیش کر دو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اس کی حرمت کو ختم فرما کر اباحت فرمائی تھی۔

۸۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دُرّہ ٹھیک ہے۔ بہت کارگر تھا۔ لیکن کس کے لیے؟ حضرات صحابہ کرام نے ”لَمْ نَعُدْ هَا“ کہہ کر حرمتِ متعہ پر اجماع کر لیا۔ اب انہیں کس دُرّے کا ڈر تھا۔ پھر یہ بھی کہ اگر ایک بڑھیا کھڑی ہو کر حضرت عمر کو ٹوک

سکتی ہے۔ جس کا ذکر کتب اہل تشیع میں بھی موجود ہے۔ اور حضرت علی المرتضٰے نے جنہیں "عادل" فرمایا۔ ان کے دُرّے سے ڈرتے کا کیا مطلب؟ صحابہ کرام کوئی "رشید" تھوڑے ہی تھے۔ کہ "تقیہ" کر لیتے۔ انہوں نے خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ ببانگ دُہل حضرت عمر کا ساتھ دیا تھا۔

۹۔ جلیل القدر صحابہ کرام نے مخالفت نہیں بلکہ موافقت کی جس کی دلیل حضرت جابر کا یہ جملہ ہے۔ "ہم نے متعہ کو دوبارہ نہیں اپنایا" اور یہ بات کہ اہل سنت کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک جواز کی قائل اور دوسری حرمت کی تو یہ بھی کذب ہے۔ اس سے مراد امام مالک کی ذات ہے۔ کہ وہ جوازِ متعہ کے قائل تھے۔ لیکن موطا امام مالک میں حرمت متعہ کی روایات موجود ہوتے ہوئے یہ کہنا بھی غلط ہے۔

۱۰۔ تاویلوں کی ضرورت تب پڑتی ہے۔ جب قرآن کریم اور احادیث مصطفٰے سامنے نہ ہوں۔ جب آیاتِ ناسخ اور صریح احادیث موجود ہیں۔ تو پھر تاویل کی کیا ضرورت؟

۱۱۔ قوشجی ہمارا نہیں تمہارا بزرگ ہے۔ اور اسی لیے اس نے تمہاری طرح بکواس کی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت کو داغدار کرنے کے لیے اس نے یہ منطق و فلسفہ جھاڑا ہے۔

۱۲۔ کیا جواز متعہ والوں نے قرآن کے اصل جواز اور رسول اللہ کے اصل ارشاد کو سامنے رکھا؟ وہ ہیں کون؟ جاڑو سی اینڈ کمپنی ہی جواز کی شائق ہے۔ جبکہ تمہارے نزدیک روایات صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ موجود قرآن، محرف اور غیر کامل ہے۔ پھر کس شوخی پر "قرآن کے اصل جواز" کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ہاں وہ آیات جو اکتیس سے چالیس تک کے کسی سپارے میں ہوں۔ وہ پیش کر دو۔ تو شائد بات بن جائے۔ رہی دوسری اصل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

احادیث، تو اس سے بھی تمہارا دامن خالی ہے۔ اِدھر اُدھر سے گھڑ کر صحاح اربعہ بنائیں۔ اور ائمہ اہل بیت کے نام سے دکان چمکائی۔ ائمہ اہل بیت نے اسی لیے فرما دیا تھا کہ خبردار! ہماری طرف سے پیش کردہ ہر بات کو ہماری بات نہ سمجھنا۔ ہاں اگر قرآن و سنت مصطفیٰ سے مطابقت رکھے تو ٹھیک ورنہ پھینک دینا۔ کیونکہ کسی کی سازش ہوگی۔

۱۳۔ حضرت عمر واقعی حضور کے امتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے محبوب خلیفہ اور نمائندہ ہیں۔ ہمیں اس سے کب انکار کرے۔ اگر انکار کیا تو تمہارے مُلّاں جی تو شجی نے کیا۔ اب سنایا نہیں جا رہا ہے۔ ٹھیک ہے الٹا چور کوتوال کو ملامتے۔

۱۴۔ ائمہ اہل بیت کا نظریہ اور شیعیان علی کا پسندیدہ "متعہ" ہے۔ جہاں تک ادل الذکر کا دعویٰ ہے۔ تو اس پر کوئی ایک مستند حوالہ کہ کسی امام نے خود یا اپنے افراد خانہ کو اس کا شوق دلایا ہو۔ رہا موخرالذکر لوگوں کا معاملہ تو ان کے لیے تو نفس پرستی اور خواہش برآری کے سامان چاہئیں۔ لیکن بدقسمتی سے شام، لبنان اور عراق کے "شیعیان علی" بڑے بے وفا اور کم ہمت نکلے۔ کہ انہوں نے اپنے ائمہ کے نظریہ کو اپنے گھروں میں داخل نہ ہونے دیا۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کو "بے شرم" کہا۔

؎

شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

دھوکہ

اور

کذب بیانی ۲۲

مناظرہ شیخ مفید بر اثبات متعہ ابن لولو کے ساتھ

جواز متعہ:

ابن لولو نے شیخ مفید سے سوال کیا۔ ثبوت متعہ پر آپ لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے شیخ مفید نے جواب دیا۔ ہمارے پاس قرآن کی یہ آیت ہے۔ احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فریضة ولا جناح علیکم فیما تراضیتم به من بعد الفریضه ان الله کان علیما حکیم علاوہ ازیں تمہارے لیے سب کچھ حلال ہے۔ اگر تم اپنے مال کے ذریعہ بدکاری سے ہٹ کر شرافت کے ساتھ وطی کرنا چاہو چنانچہ جن عورتوں سے متعہ کرو انہیں ان کی اجرت واجبًا ادا کر دو۔ اور باہمی رضامندی کے بعد اگر کچھ کمی بیشی (مدت اور اجرت) کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ اللہ علیم وحکیم ہے۔ ذات احدیت نے واضح الفاظ سے نکاح متعہ کا شرائط وارصاف کے ساتھ ذکر فرمایا۔ مثلاً اجرت

باہمی رضامندی، اُجرت اور مدت میں بعد از عقد کمی یا بیشی کا اختیار وغیرہ۔۔۔ابن لولو نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے۔

والذین هم لفروجهم حافظون۔ الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک فاولئك هم العادون۔

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے کسی طرف نہیں دیکھتے وہ قابلِ مذمت نہیں۔ علاوہ ازیں جو بھی تجاوز کرے گا۔ تو وہ نافرمانوں میں شمار ہوگا۔ شیخ مفید نے ابن لولو کی دلیل کا رد کرتے ہوئے کہا۔ جہاں تک یہ سمجھتا ہوں۔ تو وجوہ کی بنا پر آپ کو اشتباہ ہوا۔ کہ آیت متعہ کی، ناسخ ہے۔

وجہ اوّل:

آیت میں ازواج کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اور آپ نے اپنے ذاتی مفروضہ کی بنا پر متعہ والی عورت کو زوجہ شمار نہیں کیا۔ حالانکہ اثباتِ متعہ کے قائل متعہ والی عورت کو زصرف زوجہ مانتے ہیں۔ بلکہ متعہ والی عورت کی زوجیت کو بھی ثابت کرتے ہیں

وجۂ دوئم:

شائد آپنے خیال نہیں فرمایا۔ اور ممکن ہے کہ جامعین قرآن کو بھی اس بات کا خیال نہ رہا ہو۔ کہ ناسخ اس آیت کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد میں آئے۔ اور منسوخ اس کو کہتے ہیں۔ جو پہلے آچکی ہو۔ جبکہ زیر بحث مسئلہ میں آپ اگر غور فرمائیں تو

معاملہ برعکس نظر آئے گا۔ جو آپ نے آیت پیش کی ہے۔ وہ سورۃ مومن سے ہے
یہ قرآن پڑھنے والا جانتا ہے۔ کہ سورہ مومن کو جامعین قرآن نے مکی سورتوں ...
میں شمار کیا ہے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ کہ مکی سورتیں نزول کے اعتبار سے
پہلے نازل ہوئیں ہیں۔ جب کہ آیت متعہ سورۃ نساء میں ہے۔ اور سورہ نساء کو جامعین
قرآن نے مدنی سورتوں کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں
کہ مدنی سورتیں وقت نزول میں مکی سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اب بھلا آپ
بتائیں۔ کہ مدنی حکم کا ناسخ مکی ہو سکتا ہے۔ اگر آیت متعہ مکی ہوتی۔ اور آیت
ازواج مدنی ہوتی تو پھر آپ کہہ سکتے تھے۔ کہ آیت متعہ منسوخ ہے۔ اور آیت ازواج
ناسخ ہے۔ (جواز متعہ تصنیف اثیر جاڑوی فاضل قم)

جواب امر اوّل

"عورت متمتعہ" "ازواج" میں داخل ہے۔ اور اس کی زوجیت بھی ثابت
ہے۔ کہنے کو تو بات بڑی آسان ہے۔ اور بزعم خود بہت بڑا اعتراض ہے۔ لیکن
اس دعویٰ پر دلائل کا مطالبہ کرنا ابن لُوٹو کا حق بنتا ہے۔ چلو تمہارے کہنے کے مطابق
مان لیتے ہیں۔ کہ ابن لُوٹو نے مطالبہ نہ کیا۔ اور تم نے اپنی طرف سے ڈگری جاری کر دی
لیکن اب ان کی طرف سے ہمارا مطالبہ ہے۔ کہ جاڑوی وغیرہ اس دعویٰ پر دلائل
پیش کریں۔ تاکہ سنی علماء کو تسلی ہو جائے۔ اس کے برعکس ابن لُوٹو کی تائید میں ہم یہ
کہتے ہیں۔ کہ چند وجوہ کی بنا پر عورت متمتعہ "ازواج" میں داخل نہیں ہو سکتی۔

۱۔ منکوحہ مدخولہ کو طلاق ملنے پر عدت گزارنا قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن
متمتعہ کے ساتھ علیحدگی کی صورت میں عدت کی کوئی ضرورت نہیں۔

۲۔ منکوحہ کے ساتھ اس کا خاوند ایلاء کرنا چاہے۔ تو ہو سکتا ہے۔ متمتعہ کے ساتھ نہیں۔

۳۔ منکوحہ کے ساتھ اظہار بھی ہوسکتا ہے۔ متمتعہ کے ساتھ نہیں۔

۴۔ منکوحہ کے وطی کرنے والا "محصن" کہلائے گا۔ متمتعہ کے ساتھ ہم بستری سے "احصان" ثابت نہیں ہوتا۔

۵۔ نکاح دائمی میں عورت کی رہائش، نان ونفقہ وغیرہ کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے نکاح میعادی میں ان میں سے کسی کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوتی۔

۶۔ خاوند اور بیوی کے مابین اگر عصمت فروشی یا بدکاری کا الزام آجائے۔ تو قاضی لعان کرائے گا۔ نکاح تمتع میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

۷۔ میاں بیوی میں سے کسی کے انتقال کی صورت میں دوسرا اس کا لازماً وارث ہوگا۔ نکاح متعہ میں توارث نہیں۔

۸۔ نکاح دائمی میں توالد وتناسل ہوتا ہے۔ متعہ میں صرف نفس کی خواہش پورا کرنا ہے۔

۹۔ منکوحہ دائمی ان عورتوں میں سے ہر ایک ہوتی ہے۔ جن کو چار تک زوجیت میں لایا جاسکتا ہے۔ یعنی چار عورتوں سے زائد بیک وقت نکاح میں نہیں آسکتیں۔ لیکن عورت متمتعہ ان میں داخل نہیں۔ (بحوالہ فروع کافی جلد پنجم ص۴۵۱)
متمتعہ محض لونڈی کی حیثیت والی ہے۔ چاہے ایک ہزار ہو جائیں۔

۱۰۔ بیوی یا منکوحہ کا از روئے عرف اطلاق اس عورت پر ہوتا ہے۔ جو دائمی نکاح میں ہو۔　　اور میعادی نکاح والی کو اہل بیت نے "متاجرہ" کہا ہے
(فروع کافی جلد۵ ص۴۵۱)

چیلنج

شیخ مفید نے عورت متمتعہ کو "ازواج" میں داخل کیا۔ اور جاڑدی نے اس

مناظرہ پر بغلیں بجائیں۔ اب مفید تو "غیر مفید" ہو گیا۔ اس لیے اُس سے مطالبہ نہیں ہاں جاڑوی اینڈ کمپنی سے ہمارا یہ مطالبہ ہے۔ کہ مذکورہ دس امور جو متکوحہ کے لیے ہم نے بیان کیے۔ متمتعہ کے لیے ان کا ثبوت کہیں سے پیش کر دو۔ اور پچاس ہزار کا انعام پاؤ۔

جواب امر دوم

آیت متعہ مدنی سورت میں ہے۔ اور اس کی ناسخ مکی ہے۔ لہذا بعد میں اترنے والی منسوخ نہیں ہو سکتی الخ۔ ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ دلیل اور وجہ شیخ مفید نے بیان نہیں کی ہوگی جاڑوی نے اپنی دکان چمکانے کے لیے اس کا نام استعمال کیا ہے۔ اور اگر شیخ مفید کی ہی تسلیم کر لی جائے یا جاڑوی کی خود ساختہ۔ تو حیرت اس امر پر ہے۔ کہ ایسی کچی اور گئی گزری باتوں پر "مناظرہ" کی فتح کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کی تعریف کیا ہے؟ علماء نے اس کی تین صورتیں پیش کی ہیں۔

اوّل: ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہونے والی مکی اور اس کے بعد اترنے والی مدنی ہیں۔

دوم: جن میں اہل مکہ سے خطاب وہ مکی اور جن میں اہل مدینہ مخاطب وہ مدنی ہیں۔

سوم: جو مکہ میں نازل ہوئیں چاہے ہجرت سے پہلے یا بعد وہ مکی اور جو ایسی نہیں وہ مدنی ہیں۔

ان تینوں تعریفوں میں سے زیادہ مشہور آخرالذکر ہے۔ گزشتہ اوراق میں ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ کہ متعہ کی حرمت فتح مکہ کے دن ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوئی۔ اس لیے صاحب تفسیر روح المعانی نے لکھا ہے۔ "والذین ھم لفروجھم حافظون" اس دن نازل ہوئی ہوگی۔ جس دن (یعنی فتح مکہ کے دن) آپ نے متعہ کو ابدی حرام قرار دے دیا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ شیخ مفید اور ان لوگوں کا مناظرہ محض شیعوں کو خوش کرنے کے لیے گھڑا گیا۔ تاکہ اپنی بدتری ثابت کر کے "متعہ" کو جزو ایمان بنائے رکھیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

دھوکہ

اور

کذب بیانی ۲۴۳

متعہ والی عورت کو میراث نہ ملنے کی بھونڈی بحث

جواز متعہ:

ابن لولو۔ اگر متعہ والی عورت زوجہ حقیقیہ ہوتی تو اُسے وراثت میں سے بھی حصہ ملنا چاہیئے تھا۔ اور اسے طلاق بھی دی جا سکتی۔ چونکہ متعہ والی عورت کو نہ میراث سے حصہ ملتا ہے۔ اور نہ ہی اُسے طلاق دی جاتی ہے۔ اور ان دونوں صورتوں پر علمائے امامیہ کا اتفاق ہے۔ تو پھر اُسے کس طرح زوجہ حقیقیہ کہا جا سکتا ہے۔

شیخ مفید۔ یہ بھی آپ کا اشتباہ ہے۔ وراثت کا سبب صرف زوجیت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ زوجیت کے ساتھ کچھ اور بھی ہو تو میراث سے حصہ لے سکے گی۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ حسب ذیل بیویاں میراث سے حصہ نہیں لے سکتیں۔

۱۔ مطلقہ عورت کو میراث سے کچھ نہیں ملتا۔

۲۔ لونڈی اگر لونڈی ہوتے ہوئے بیوی ہو تو اُسے میراث سے کچھ نہیں ملتا۔

۳۔ جو بیوی اپنے شوہر کی قاتلہ ہو اسے میراث نہیں ملتی۔

۴۔ بیوی اگر کافرہ ذمیہ ہو تو اسے مسلمان شوہر کی میراث سے حصہ نہیں ملتا۔ مذکورہ بالا ہوتی تو بیویاں ہیں۔ لیکن وفات شوہر کے بعد انہیں پوری امت مسلمہ کی کوئی فقہ بھی میراث کا حقدار نہیں سمجھتی۔ گویا میراث کے لیے صرف زوجیت ہی کافی نہیں اب لیجئے آپ کا دوسرا ارشاد ہے۔ کہ متعہ والی عورت کو طلاق نہیں دی جا سکتی لہذا یہ حقیقی زوجہ نہیں۔ آپ خود غور فرمائیں۔ اور امت مسلمہ کے ہر مکتب فکر کی فقہ کو دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ میاں اور بیوی کی جدائی طلاق سے مشروط نہیں۔ بلکہ طلاق کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں۔ جن میں میاں اور بیوی بغیر طلاق ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ توجہ فرمائیں۔

۱۔ جو عورت لعان کر دے۔ کیا وہ طلاق کے بغیر شوہر سے علیحدہ نہیں ہو جاتی۔
۲۔ جس عورت سے خلع کر لیا جائے۔ کیا وہ طلاق کے بغیر مرد سے علیحدہ نہیں ہو سکتی
۳۔ جس مسلمان بیوی کا خاوند مرتد ہو جائے کیا وہ بلا طلاق شوہر سے جدا نہیں ہو سکتی۔
۴۔ اگر نانی، نواسے، یا نواسی کو شرائط رضاع کے ساتھ دودھ پلا دے۔ تو کیا ان بچوں کی ماں ان بچوں کے باپ کے لیے بلا طلاق حرام مؤبد نہیں ہو جاتی آپ اندازہ لگائیں۔ کیا یہ ازواج حقیقیہ نہیں ہیں؟ دونوں فہرستیں آپ کے سامنے ہیں۔ وہ بھی ازواج حقیقیہ ہی ہیں۔ جو زوجہ ہونے کے باوجود میراث سے حصہ نہیں لے سکتیں۔ اور وہ بھی ازواج حقیقیہ ہی ہیں۔ جو زوجہ ہونے کے باوجود میراث کی مستحق اور طلاق کی پابند نہیں اسی طرح بنا بریں آپ کا یہ کلیہ کلیہ نہ رہا۔ جو زوجیت کے لیے طلاق اور میراث دونوں ضروری ہیں۔ لہذا جس طرح مذکورہ بالا عورتیں حقیقی ازواج ہونے کے باوجود میراث کی مستحق اور طلاق کی پابند نہیں اسی طرح متعہ والی عورت بھی زوجہ ہونے کے باوجود میراث کی مستحق اور

طلاق کی پابند نہیں۔ جب ابن ناور خاموش ہو گئے۔ اور انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔
تو میں نے کافی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا محترم آپ انصاف فرمائیں یہ مسئلہ متعہ میں
ہمارا اور جمہور مسلمین کا عجیب معاملہ ہے۔ جب جمہور مسلمین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ متعہ
فرقہ جعفریہ کی بدعات سے ہے۔ جمہور مسلمین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ آیت متعہ قرآن میں
موجود ہے۔ سرورِ کونین نے اجازت دی۔ اور زمانۂ رسالت میں متعہ ہوتا بھی رہا ہے۔
صحابہ اور صحابیات باہم متعہ بھی کرتے رہے ہیں۔ جمہور مسلمین اس بات پر بھی متفق ہیں۔ کہ
ائمہ اہل بیت کا اباحت متعہ پر اجماع ہے۔ اور جمہور مسلمین اس بات پر بھی متفق ہیں۔ کہ
متعہ کے عدم جواز کا حکم حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں دیا تھا۔ اور اعتراف کرنے
کے بعد کہ زمانۂ رسالت میں متعہ تھا لیکن میں اُسے حرام کرتا ہوں۔ گویا جس طرح دیگر
صحابہ زمانۂ رسالت میں اثبات متعہ کی روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمر بھی ان صحابہ
میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور زمانۂ رسالت میں اثبات متعہ کی روایت کرتے ہیں۔
البتہ روایتِ اثبات متعہ کرنے کے بعد حرمت متعہ کا فتویٰ فرماتے ہیں۔

واقعہ شیخ مفید ختم ہوا۔ اب آپ دیکھیں فرقہ جعفریہ کا کیا مقصود ہے۔ فرقہ جعفریہ
نے صرف یہی کہا ہے۔ کہ ہم نے دیگر اصحابہ کے ساتھ حضرت عمر کی اثبات متعہ کی روایت
کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور حضرت عمر کا فتویٰ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اور ہمارا یہ فعل صرف
ہمارا نہیں۔ بلکہ اس میں سرورِ کونین کے جلیل القدر صحابہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ جن
کی فہرست سابقہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب امت مسلمہ کی مرضی خواہ ہمیں کچھ بھی کہیں ہم
قرآن کریم سرورِ کونین کے فرامین اصحاب سرورِ کونین خواہر ام المومنین عائشہ کے عمل اور
ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے عمل کو ٹھکرا کر کسی طرح صرف حضرت عمر کے فتویٰ کو تسلیم کر
سکتے ہیں۔؟

(جواز متعہ ص ۷۵)

جواب: انیر جاڑوی نے ایک فرضی مناظرہ اور روداد مناظرہ اپنی طرف سے پیش کر کے

اِدھر اُدھر کی ہانک کر خود ہی فاتح بن گیا۔ فرضی طور پر دو اعتراضات کے جوابات دیئے گئے۔ آپ پر ان کی اصلیت چھپی نہیں۔ اہل سنت کا دعویٰ یہ ہے۔ کہ اگر نکاح دائمی ہو اور اس کو توڑنا چاہیں۔ تو طلاق کی ضرورت پڑتی ہے۔ جبکہ طلاق کا کوئی مانع نہ ہو۔ وہ جو جاڑوی نے شیخ مفید کی طرف سے چار چار باتیں ذکر کیں۔ وہ موانع کی فہرست میں آتی ہیں۔ مطلقہ کو میراث نہیں ملتی لیکن متمتعہ مطلقہ کب سے ہوئی؟ مطلقہ کو طلاق دے کر فارغ کر دیا گیا متمتعہ کو فارغ کس طلاق سے کیا گیا؟ لونڈی بیوی ہو تو وراثت نہیں۔ اور اگر ازاد عورت ہو تو پھر کیا خیال ہے؟ لیکن متمتعہ لونڈی ہو یا آزاد دونوں صورتوں میں وراثت سے محروم ہے۔ شوہر کی قاتلہ نہ ہو تو پھر متمتعہ اور منکوحہ میں فرق ہو گا یا نہ؟ منکوحہ اگر مسلمان ہو کافرہ یا ذمیہ نہ ہو۔ تو وارث ہو گی یا نہیں؟ صرف دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہے طلاق، رقیّت، قتل اور اختلاف دین وہ امور ہیں۔ جو وراثت سے محروم کر دیتے ہیں کیا ان میں کے نہ ہوتے ہوئے بھی زوجہ وراثت سے محروم ہو گی؟ ہماری گفتگو ان موانع کے نہ ہونے کی صورت میں ہے۔ یعنی منکوحہ اگر مطلقہ، لونڈی، قاتلہ یا کافرہ نہیں تو کیا وارث ہو گی یا نہیں۔ اور انہی اوصاف کے ساتھ متمتعہ وارث ہو گی یا نہیں؟ صاف بات ہے۔ کہ منکوحہ وارث ہو گی۔ اور متمتعہ نہیں۔ لہٰذا متمتعہ اور منکوحہ دونوں ایک جیسی کیسی ہو گئیں؟ یہاں شیخ مفید کے سر پر مناظرہ کی پگڑی باندھ کر یہ باور کرایا جا رہا ہے۔ کہ نکاح دائمی اور نکاح میعادی میں آنے والی عورت ایک جیسی ہے۔ اور جاڑوی نے اپنی اسی کتاب کے شروع میں منکوحہ اور متمتعہ کے درمیان خود فرق بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ عورت متمتعہ سے جب مقررہ وقت تک استفادہ ہو جائے تو اس کے جدا کرنے کے لیے طلاق کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی کہ متمتعہ ان چار عورتوں میں سے نہیں ہوتی جو شرعاً ایک وقت میں اکٹھی نکاح میں لانا جائز ہیں۔ اور متعہ کے لیے وراثت کا معدوم ہونا اور خود حقیقی شرط ہے۔ ایک طرف خود فرق بیان کیا جا رہا ہے اور دوسری

طرف دونوں کو ایک کر کے دکھایا جا رہا ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

"اجماع مسلمین" کے ضمن میں جاڑوی نے چند اجماعی صورتیں ذکر کیں۔ ہم اُن میں سے ہر ایک کا تفصیلی جواب تحریر کر چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ آیت متعہ اگر تسلیم کر لی جائے کہ قرآن میں ہے۔ تو وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ صحابہ کرام نے متعہ کیا۔ لیکن حرمت کے بعد اور علم حرمت کے بعد ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہا یہ کہ ہم اہل تشیع قرآن کو چھوڑ کر سنت پیغمبر سے منہ موڑ کر ائمہ اہل بیت کے عمل کو ترک کر کے صرف ایک عمر کے فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ حضرت عمر نے از خود اسے حرام نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس پر سنتِ رسول پیش کی تھی۔ اہل بیت کرام نے بھی متعہ کی حرمت کو تسلیم کیا ہے۔ فروع کافی وغیرہ کتب کو دیکھ لیا جائے۔ اور اہل بیت کے سردار حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی حرمت کو صراحۃً بیان فرمایا ہے۔ ان حالات میں قرآن کریم سے روگردانی سنتِ مصطفیٰ سے جان چھڑوانی اور اہل بیت کے ارشادات پر من مانی تمہیں مبارک ہو۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)
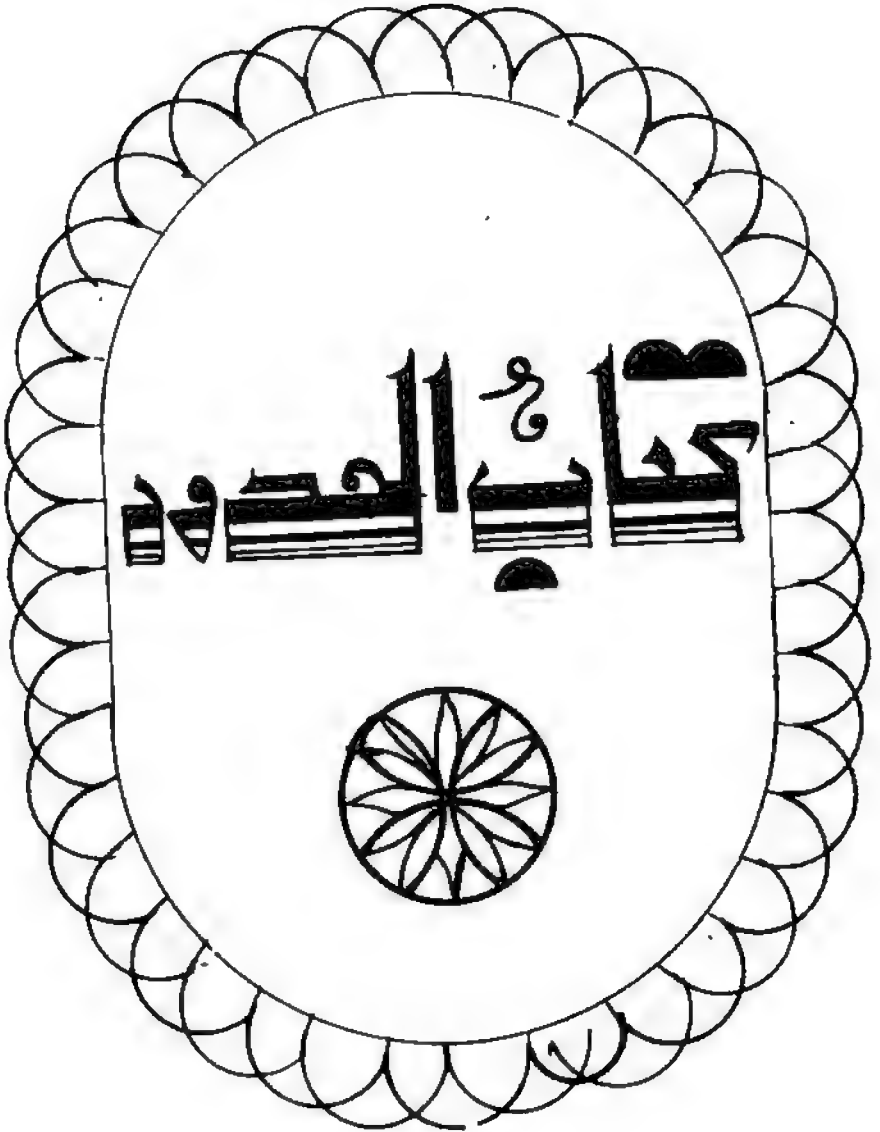
کتاب الحدود

کتاب الحدود

حدود الٰہیہ کا مقصد بنی نوع انسان سے جرائم کا خاتمہ ہے۔ اور ان کے قیام سے ظالم و مظلوم کے مابین عدل و انصاف کے باعث معاشرہ صراط مستقیم پر گامزن ہوتا ہے۔ چوری کرنے پر اگر چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ تو دوسروں کے لیے یہ بات باعث عبرت ہو جائے گی۔ قاتل کو قصاصًا مار دیا جائے تو انسانی جانوں کو تحفظ ل جائے گا۔ اسی طرح کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنے والا اگر کوڑوں کی زد میں آ جائے۔ تو مرد و زن کی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ قطع ید، قصاص، رجم اور ستر یا اسّی کوڑے چند سنگین جرائم کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے۔ ان میں سے سخت ترین سزا زانی (شادی شدہ) کے لیے ہے۔ وہ یہ کہ اُسے پتھر مار مار کر موت کی نیند سلا دیا جائے۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ فقہ جعفریہ میں اس سزا کا ذکر تو ضرور ہے۔ لیکن اس کے اجراء کے لیے ایسا طریقہ کار اور دور از کار بحثیں ان کے ہاں موجود ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے اس کا نفاذ ناممکن ہو گیا ہے۔ اس عدم امکان پر حوالہ جات سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ "زنا،، کی تعریف کر دی جائے۔ تاکہ اصل مقصد تک رسائی آسان ہو جائے۔

"زنا، کسی ایسی عورت سے وطی کرنا ہے۔ جو نہ ملکِ یمین (لونڈی) میں ہو اور نہ ہی اس سے نکاح کیا گیا ہو۔ نکاح یا عقدِ شرعی کا انعقاد ایجاب وقبول بشرطِ دو گواہ ہوتا ہے۔ شہادت اس لیے شرط ہے۔ کہ اس سے دو افراد کا رشتۂ زوجیت میں منسلک ہونے کا نیا تعلق (زوجیت) لوگوں میں شہرت پکڑے۔ اور ان کے اکٹھا ہونے پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ اس کے برخلاف اگر صرف ایجاب وقبول پر ہی عقدِ شرعی کو موقوف رکھا جائے۔ اور گواہی شرط نہ ہو۔ تو پھر زنا اور عقدِ شرعی میں فرق مشکل ہو جائے گا۔ زنا میں بھی زانی اور مزنیہ اکثر باہم راضی ہوتے ہیں۔ لیکن فقہ جعفریہ میں عقدِ شرعی کے لیے گواہی شرط نہیں رکھی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آپ کسی جوڑے کو بدکاری کا الزام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ کہہ دیں گے۔ ہم نے باہم رضامندی سے یہ کام کیا ہے اب زنا کے ثبوت اور اس پر مقرر حد کا نفاذ کیونکر ہوگا؟

اگر اہلِ تشیع اس امر سے انکار کریں۔ کہ احناف کی طرح ہمارے ہاں بھی عقدِ شرعی کے لیے گواہی شرط ہے۔ اور ہم پر یہ الزام ہے۔ کہ ہم شہادت کو شرط قرار نہیں دیتے۔ تو اس بارے میں گزارش ہے۔ کہ ان کے ہاں انعقادِ نکاح کے لیے شہادت کا نہ ہونا بطورِ نص ثابت ہے۔ اہلِ تشیع کے نزدیک نکاح میں شہادت اس لیے ہونی چاہیئے۔ کہ کل کلاں اگر میاں بیوی کے درمیان تنازعہ ہو جائے تو میراث یا اولاد کے بارے میں یہ گواہی کام دے گی۔ اس لیے گواہی کو مستحسن اور اولویت کا درجہ دیا گیا ہے۔ اب اس شرط کے خاتمہ کے ساتھ جس عیاشی اور بے راہ روی کی گنجائش نکالی گئی۔ وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

ش

علی بن ابراهیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر عن عمر بن اذینه عن زرارة بن اعین قال سُئِلَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ عَنِ الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِتَزْوِيْجِ الْبَتَّةَ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اللهِ اِنَّمَا جُعِلَ الشُّهُوْدُ فِيْ تَزْوِيْجِ الْبَتَّةِ مِنْ اَجْلِ الْوَلَدِ لَوْلَا ذَالِكَ لَمْ يَكُنْ بِهٖ بَأْسًا۔

(فروع کافی جلد ۵ ص ۳۸۷ - باب التزویج بغیر البیتہ -)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی عنہ سے ایسے مرد کے نکاح کے بارے میں پوچھا گیا۔ جو بغیر گواہوں کے نکاح کرتا ہے؟ فرمایا اللہ اور اس مرد کے مابین اس نکاح کے ہونے میں کوئی حرج نہیں

گواہ تو اس لیے رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ اولاد کے بارے میں بوقتِ ضرورت کام آئے۔ اگر یہ (اولاد) نہ ہو۔ تو گواہی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے

توضیح

جب نکاح شرعی کے لیے گواہی کی ضرورت نہ رہی۔ اور اگر ہے بھی تو صرف اولاد کے حلالی ہونے کے لیے۔ تو پھر واضح ہے۔ کہ زانی اور مزنیہ یہ بدکاری حصول اولاد کی خاطر تو کرتے نہیں۔ بلکہ خواہش نفس کو پورا کرتے ہیں۔ اور اولاد سے بچنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع کے نزدیک زنا اور عقد شرعی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کچھ فرق نظر آتا ہے۔ تو شاید ایجاب و قبول کا اور وہ بھی زبان سے کہنا۔ ورنہ باہم رضامندی تو دل میں موجود ہی ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں اگر عقد کیے بغیر بھول کر کسی عورت سے وطی کر لی۔ تو وہ سزا کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

عقد کیے بغیر اگر بھول کر عورت سے وطی کر لی جائے تو کوئی سزا نہیں

فروع کافی

عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد عن بعض

اصحابہ عن زرع بن محمد عن سماعۃ قال سَئَالْتُہٗ عَنْ رَجُلٍ اَدْخَلَ جَارِیَۃً یَتَمَتَّعُ بِھَا ثُمَّ اَنْسِیَ اَنْ یَشْتَرِطَ حَتّٰی وَاقَعَھَا یَجِبُ عَلَیْہِ حَدُّ الزَّانِیْ قَالَ لَا وَلٰکِنْ یَتَمَتَّعُ بِھَا بَعْدَ النِّکَاحِ وَیَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ مَا اَتٰی۔

(۱۔ فروع کافی جلد پنجم ص ۴۶۶ کتاب النکاح
باب النوادر)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۴ صفحہ نمبر ۴۹۲
کتاب النکاح باب ان من اراد تمتع
بامرأۃ فنسی العقد حتی وطئہا)

ترجمہ:

سماعہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ ایک مرد کسی عورت کے پاس نکاح متعہ کے لیے گیا۔ لیکن وقت وغیرہ کی شرط مقرر کرنا بھول گیا۔ اور اس سے ہم بستری کر بیٹھا۔ کیا اس پر زنا کی حد واجب ہو گی؟ فرمایا نہیں۔ لیکن اس عورت کے ساتھ نکاح کرے۔ اور پھر وطی کرے۔ اور جو پہلے کر چکا۔ اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔

توضیح

حوالہ مذکورہ میں نکاح متعہ کا ذکر ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ متع کرنے والا ایجاب وقبول اور وقت کی تعیین سب کچھ بھول گیا۔ اگر یاد رہا تو

صرف خواہش نفس پوری کرنا۔ وہ پوری کرچکا۔ تو یاد آیا۔ ہائے یں کیا کر بیٹھا۔ لیکن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے "اپنے لاڈلے"، کو بقول سما ر دہ رعایت کی۔ کہ اس پر مٹنے کو جی چاہتا ہے۔ فرمایا۔ چلو اب نکاح کر لو۔ اور شرائط باندھ لو۔ اور پھر ہم بستری کر لو۔ اس سے پہلے رہ گئی کسر پوری ہو جائے گی۔ اور صرف اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا۔ بتلائیے۔ کہ اس طریقہ سے کس چیز کو رواج دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور پھر وہ بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے؟ شہادت تو پہلے ہی شرط نہ تھی ایجاب و قبول بھی نکاح کے رکن نہ رہے۔ ملاحظہ ہو۔

ایجاب و قبول اور گواہی کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے

فروع کافی

علی بن ابراھیم عن ابیہ عن نوح بن شعیب عن علی بن حسان عن عبد الرحمٰن بن کثیر عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاۃٌ اِلٰی عُمَرَ فَقَالَتْ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَطَھِّرْنِیْ فَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُرْجَمَ فَاُخْبِرَ بِذٰلِکَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ

فَقَالَ كَيْفَ زَنَيْتِ فَقَالَتْ مَرَرْتُ بِالْبَادِيَةِ فَاَصَابَنِيْ عَطَشٌ شَدِيْدٌ فَاسْتَسْقَيْتُ اَعْرَابِيًّا فَاَبٰى اَنْ يَسْقِيَنِيْ اِلَّا عَنْ اَمْكَنْتُهُ مِنْ نَفْسِيْ فَلَمَّا اَجْهَدَنِيْ الْعَطَشُ وَخِفْتُ عَلٰى نَفْسِيْ سَقَانِيْ فَاَمْكَنْتُهُ عَنْ نَفْسِيْ فَقَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تَزْوِيْجٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔

(فروع کافی جلد پنجم ص ۴۶۷ کتاب النکاح
باب النوادر۔)

ترجمہ:

امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ ایک عورت حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی۔ میں نے زنا کر لیا ہے۔ لہذا مجھے اس گناہ سے پاک کر دو۔ آپ نے اُسے رجم کا حکم دیا۔ جب اس کا علم حضرت علی المرتضیٰ کو ہوا۔ تو آپ نے اس عورت سے پوچھا۔ تو نے زنا کیسے کیا؟ کہنے لگی۔ میں بے آباد جگہ سے گزری مجھے سخت پیاس لگی۔ تو ایک دیہاتی سے میں نے پانی مانگا۔ وہ کہنے لگا۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ وطی کرنے دو۔ تو میں پانی دے دوں گا۔ مجھے چونکہ سخت پیاس لگی تھی۔ اور جان جانے کا خطرہ تھا۔ اس لیے میں نے اس کی یہ شرط مان لی۔ پانی پینے کے بعد اس نے مجھ سے بدکاری کر لی۔ یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ تو شادی ہے۔

۱۔ عورت چونکہ مسلمان تھی۔ اس لیے اُسے مسئلہ شرعی یہی معلوم تھا۔ کہ جو کچھ میں نے کروایا ہے۔ وُہ زنا ہے۔ اور بہت بڑا جرم ہے۔ اس کی تلافی اور خداخوفی کے سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی تاکہ اس کی خلاصی کا کوئی طریقہ اسے بتائیں۔

۲۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا فیصلہ بمطابق شرع کیا۔ اور دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں رجم کی سزا کا حکم دیا۔ جس سے یہ معلوم ہوا۔ کہ تمام صحابہ کرام بھی اس فعل کو زنا ہی سمجھتے ہیں۔ ورنہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اس کے خلاف بول پڑتا۔ گویا رجم کی سزا "اجماعی" تھی۔

۳۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ فرمایا یہ نکاح ہے۔

۴۔ مذکورہ صورتِ جماع جس طرح بھی وقوع پذیر ہوئی۔ اس عورت اور اس مرد کے درمیان قطعًا ایجاب و قبول نہ پایا گیا۔

خلاصہ کلام:

ایک عورت جو مسلمان ہوتے ہوئے اپنے فعل کو زنا سمجھ کر اس سے طہارت کا طریقہ معلوم کرنا چاہتی ہے۔ پھر اس کے فعل کو خلیفۃ المسلمین اور دیگر موجود صحابہ کرام نے بھی زنا ہی سمجھ کر اس پر حد رجم کی توثیق کر دی۔

ایسے فعل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے "نکاح" کہنا کس قدر زیادتی ہے۔ لیکن زیادتی تو نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ان کے "مجہوں" کو تو یہ رعایت مل رہی ہے۔ کہ مولا علی نے بغیر ایجاب وقبول ایک مرد وعورت کے جماع کو ناجائز نہیں کہا۔ بلکہ رب کعبہ کی قسم اٹھا کر اُسے عقد شرعی قرار دے دیا۔ لہٰذا ان کا عقیدہ ٹھہرا۔ کہ ایجاب وقبول کے بغیر بھی نکاح شرعی ہو جاتا ہے۔

نوٹ:

روایت مذکورہ کے محشین کو عجیب چکر پڑا۔ کبھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ مطلوبہ پانی اس نکاح کا حق مہر ہو گیا۔ اور کبھی یہ تاویل کہ اضطرار اور مجبوری کی بنا پر یہ فعل زنا نہ رہا۔ اور کلینی کہتا ہے۔ کہ یہ نکاح بالمعاوضہ ہونے کی بنا پر متعہ ہو جائے گا۔

لیکن پانی کو حق مہر ٹھہرایا جائے۔ تو پھر عورت اس کو زنا کیوں کہہ رہی ہے۔ جس کے ساتھ یہ معاملہ طے پایا۔ معلوم ہوا۔ کہ اگر ایجاب وقبول کے بغیر کچھ معاوضہ ٹھہرا کر مختصر وقت کے لیے خواہش نفس پوری کر لی جائے۔ تو اسے زنا ہی کہا جائے گا۔ البتہ یہ "شیعی متعہ" تو شاید بن جائے۔ لیکن نکاح شرعی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دوسری تاویل سے بھی یہ فعل "نکاح شرعی" نہیں بن سکتا۔ کیونکہ نہ تو اس کی تائید پر کوئی آیت یا حدیث پیش کی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہی عقل اسے تسلیم کرتی ہے۔ ورنہ حالت اضطراری میں کی گئی بدکاری معاف ہو جاتی۔ اور کلینی صاحب نے خواہ مخواہ اسے متعہ ٹھہرا دیا۔ سوچا ہوتا۔ کہ وہ عورت سنّی تھی۔ یا شیعہ۔ اگر شیعہ تھی تو پھر پہلے ہی "طاہرہ" ہے۔ دوبارہ فاروق اعظم کے پاس طہارت کے لیے حاضر کیوں ہوئی۔ اور اگر سنّی تھی۔ تو متعہ اہل سنت کے نزدیک حرام ہے۔ لہٰذا وہ حرام، حلال کس طرح ہو گیا؟ مختصر یہ کہ یہ فعل فقہ جعفریہ کی رُو سے نکاح ہوا۔ اور وہ بھی ایجاب وقبول کے بغیر۔ لہٰذا اس میں اور زنا میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔

چوری کی حد میں خصوصی رعایت

قرآن کریم میں چوری کرنے والے کی سزا ان الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما۔ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ اس حد میں بھی اہل تشیع نے دخل اندازی کی۔ اور ہاتھ کاٹنے کی بجائے صرف انگلیوں کے کاٹنے پر اکتفا کیا۔ بلکہ انگلیوں میں سے بھی صرف انگوٹھا کاٹنا بطور حد کہا۔ ہاتھ کلائی سے کاٹنے پر احادیث شاہد ہیں۔ اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔ لیکن اہل تشیع کو اپنے مسلک پر ایک حدیث مصطفےٰ بھی بطور دلیل نہیں مل سکتی۔ اس سلسلہ میں اُن کی دوڑ دھوپ ائمہ اہل بیت کے اقوال وافعال تک ہے۔ اور ان میں بھی وہ صرف ان حضرات کے قیاس ہی کا حوالہ دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہاتھ سے مراد انہوں نے انگوٹھا لیا ہے پھر اس کے بہت سے مقیس علیہ گنوائے۔ کہیں لکھنے کے لیے ہاتھ کا استعمال بطور دلیل پیش کیا۔ کہیں اعضائے سجدہ پر قیاس کرتے ہوئے صرف انگلیاں مراد لیں۔ ہم ان کے چند دلائل اور پھر ان کے جوابات تحریر کرتے ہیں جو ملاحظہ ہوں۔

چوری پر صرف انگلیاں کاٹنے کے دلائل اور ان کے جوابات

وسائل شیعہ

محمد بن مسعود العیاشی فی تفسیرہ عن زرقان صاحب ابن ابی داؤد عن ابن ابی داود، انہ رجع مِنْ عِنْدِ الْمُعْتَصِمِ وَ هُوَ مُغْتَمٌّ فَقُلْتُ لَهُ فِی ذَالِكَ اِلٰی اَنْ قَالَ فَقَالَ اِنَّ سَارِقًا اَقَرَّ عَلٰی نَفْسِهٖ بِالسَّرِقَةِ وَ سَأَلَ الْخَلِیْفَةَ تَطْهِیْرَهٗ بِاِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَیْهِ فَجَمَعَ لِذَالِكَ الْفُقَهَاءَ فِیْ مَجْلِسِهٖ وَ قَدْ اَحْضَرَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَنَا عَنِ الْقَطْعِ فِیْ اَیِّ مَوْضِعٍ یَجِبُ اَنْ یُقْطَعَ فَقُلْتُ مِنَ الْکُرْسُوْعِ لِقَوْلِ اللّٰهِ فِی التَّیَمُّمِ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِکُمْ وَ اَیْدِیْکُمْ وَ اتَّفَقَ مَعِیَ عَلٰی ذَالِكَ قَوْمٌ وَ قَالَ اٰخَرُوْنَ بَلْ یَجِبُ الْقَطْعُ مِنَ الْمِرْفَقِ قَالَ وَ مَا الدَّلِیْلُ عَلٰی ذَالِكَ؟ قَالَ لِاَنَّ اللّٰهَ قَالَ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ قَالَ فَالْتَفَتَ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا

يَا اَبَا جَعْفَرَ؟

قَالَ قَدْ تَكَلَّمَ الْقَوْمُ فِيْهِ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

قَالَ دَعْنِيْ مِمَّا تَكَلَّمُوْا بِهِ اَيُّ شَيْءٍ عِنْدَكَ؟

قَالَ اَعْفِنِيْ عَنْ هٰذَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَقْسَمْتُ عَلَيْهِ بِاللّٰهِ لَمَا اَخْبَرْتَ بِمَا عِنْدَكَ فِيْهِ فَقَالَ اَمَّا اِذَا اَقْسَمْتَ عَلَيَّ بِاللّٰهِ اِنِّيْ اَقُوْلُ اِنَّهُمْ اَخْطَئُوْا فِيْهِ السُّنَّةَ فَاِنَّ الْقَطْعَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ مِنْ مِفْصَلِ اُصُوْلِ الْاَصَابِعِ فَيُتْرَكُ الْكَفُّ قَالَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسُّجُوْدُ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ اَلْوَجْهِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ فَاِذَا قُطِعَتْ يَدُهُ مِنَ الْكُرْسُوْعِ اَوِ الْمِرْفَقِ لَمْ يَبْقَ لَهُ يَدٌ يَسْجُدُ عَلَيْهَا وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ يَعْنِيْ بِهٖ هٰذِهِ الْاَعْضَاءَ السَّبْعَةَ

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۸ ص ۴۹۰ کتاب الحدود والتعزیرات ابواب حد السرقہ)

(۲۔ تفسیر عیاشی جلد اول ص ۳۱۹ زیر آیت السارق والسارقۃ الخ)

ترجمہ:

محمد بن مسعود عیاشی نے اپنی تفسیر میں زرقان کے حوالہ سے ابن ابی داؤد سے روایت بیان کی۔ کہ جب ابن ابی داؤد، معتصم باللہ کے ہاں سے واپس آیا۔ تو وہ غمگین تھا۔ میں نے اس

سے پریشانی کے متعلق پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ ایک چور نے چوری
کا اقرار کیا۔ اور خلیفہ سے کہا۔ کہ مجھے اس جرم سے پاک کیا جائے۔ اور
مجھ پر چوری کی حد لگائی جائے۔ خلیفہ نے اپنے ہاں تمام فقہاء کو
جمع کیا۔ اُن میں محمد بن علی (امام محمد باقر) بھی تھے۔ خلیفہ نے ہم سے
ہاتھ کاٹنے کے بارے میں پوچھا۔ کہ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔
میں نے کہا کلائی سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اپنے مونہوں
اور ہاتھوں کا مسح کرو۔" میری اس رائے پر لوگوں نے اتفاق کیا
بکھ دوسرے لوگ بولے۔ کہ کہنی سے ہاتھ کاٹنا واجب ہے
خلیفہ نے پوچھا اس پر کوئی دلیل؟ کہا۔ دلیل یہ قول باری تعالیٰ ہے
"تم اپنے ہاتھوں کو مرافق تک دھوؤ،، وہ پھر امام باقر کی طرف
متوجہ ہوا۔ اور کہا۔ اے ابوجعفر! آپ کی اس بارے میں کیا رائے
ہے۔؟ کہنے لگے۔ اے امیر المؤمنین! لوگوں نے اس بارے میں
کافی گفتگو کر لی ہے۔ خلیفہ کہنے لگا۔ چھوڑیئے ان باتوں کو
آپ اپنی رائے بتلائیں؟ امام باقر نے کہا مجھے اس سے معاف
رکھو۔ پھر خلیفہ نے انہیں قسم دلائی۔ کہ اپنی رائے کا اظہار کریں۔
فرمایا اب جبکہ تم نے مجھے قسم دلائی ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ ان
تمام کی آراء سنت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ہاتھ انگلیوں کے جوڑ
سے کاٹا جانا واجب ہے، تاکہ ہتھیلی باقی رہ جائے۔ پوچھا کیوں!
فرمایا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ سجدہ
سات اعضاء پر ہوتا ہے۔ چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے
اور دونوں پاؤں۔ اگر کسی چور کا کلائی یا کہنی سے ہاتھ کاٹ

دیا گیا۔ تو سجدہ کرنے کے لیے اس کا ہاتھ نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ان المساجد للہ" یعنی سجدہ کے ساتوں اعضاء اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

توضیح:

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کاٹنے کی حد خود بیان فرما کر دوسری آراء کو خلاف سنت فرمایا۔ یعنی کہنی یا کلائی سے کاٹنا غلط ہے۔ بلکہ انگلیوں کی جڑوں سے کاٹنا واجب ہے۔ تاکہ حدیث مصطفےٰ کی مخالفت لازم نہ آئے امام محمد باقر کا منقول قول ہی اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ چونکہ پہلے دو جواب مع دلیل امام موصوف نے رد کر دیئے تھے۔ اس لیے اُن کی تردید کی ضرورت نہ رہی۔ صرف امام صاحب کی طرف منسوب قول کے جوابات عرض کیے جاتے ہیں۔

جواب اوّل

خلیفہ نے جب ایک دو مرتبہ امام محمد باقر سے چور کے قطع ید کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش رہے۔ اور فرمایا۔ نہ پوچھو۔ یہی بہتر ہے۔ یہ بات بطور تقیہ تو ہو نہیں سکتی۔ اس لیے کہ تقیہ خوف کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں جب خلیفہء وقت خود ان کی عزت کرتا ہے۔ اور اُن سے اس امر کی تحقیق چاہتا ہے۔ تو پھر بطور تقیہ کرنا کس طرح درست ہوا۔ لہذا نہ آپ نے خاموشی بطور تقیہ فرمائی۔ اور نہ ہی جو کچھ بیان کیا وہ بطور تقیہ تھا۔ لیکن اگر اس روایت کو درست تسلیم کر جائے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ وقت کا امام، مسائل شرعیہ کو بلا وجہ چھپا رہا ہے۔ اور یہ اُن کی شان کے لائق نہیں۔
علاوہ ازیں اگر دلیل کو دیکھا جائے۔ تو ایک اور خرابی لازم آتی ہے۔

کہ ہم نے مان لیا کہ ہاتھ کلائیوں سے کاٹنے کی صورت میں اعضائے سجدہ صرف چھ رہ جائیں گے۔ لہذا سجدہ کا سات اعضاء کے ساتھ نہ ہونے کی صورت میں ایک فرض رہ گیا۔ اور یوں فرض کے رہ جانے سے نماز نہ ہوئی۔ لیکن انگلیوں کی جڑ سے کاٹنے پر بھی ایک بہت خرابی آئے گی۔ وہ یہ کہ نماز کے لیے وضو فرض ہے۔ اور فرائض وضو میں سے ایک فرض ہاتھوں کا دھونا بھی ہے۔ اور ہاتھوں کا دھونا انگلیوں سمیت فرض ہے۔ لہذا جس چور کی صرف انگلیاں کاٹی گئیں۔ اب اُن کا وضو میں دھونا ختم ہو گیا۔ جب وضو کا ایک فرض ناقص ہوا۔ تو پورا وضو ناقص ہو گیا۔ بلکہ فرض رہ جانے کی وجہ سے وضو ہوا ہی نہیں۔ جب وضو ہی نہ ہوا تو نماز کس طرح درست ہو گی۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ سرے سے ہاتھ کی ایک انگلی بھی نہیں کاٹنی چاہیئے۔ اور اگر ایسا کیا جائے۔ تو چوری کی سزا بالکل ختم۔ اور اگر اس پر امام باقر کی رائے کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور اسی طرح کا سہارا لیا جائے تو پھر نماز کی بالکل چھٹی ہو گئی۔

جواب دوم:

قرآن کریم کی آیت قصاص اس طرح ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔

یعنی جو عضو کسی کا کسی نے ضائع کر دیا۔ اس کا قصاص یہی ہے۔ کہ اُس ضائع کرنے والے کا بھی وہی عضو ضائع کر دیا جائے۔ اب اس قانون کے پیش نظر اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ کلائی یا کہنی سے کاٹ دیا۔ تو اُس کا

قصاص بھی یہی ہوگا۔ کہ اس کا ہاتھ بھی اسی جگہ سے کاٹا جائے۔ اب ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اس قصاص کے بعد وہ اگر نماز پڑھنا چاہے۔ تو اس کی نماز ہوگی۔ یا نہیں؟ اگر ہوگی۔ تو چوری کی بھی ہو جائے گی۔ اور اگر نہیں ہوئی؟ تو پھر نماز معاف ہونی چاہیئے کیونکہ ساتواں عضو اس کا رہا ہی نہیں۔ اب وہ ساتوں اعضاء پر سجدہ کیسے کرے؟ معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع نے جو دلیل امام محمد باقر کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ غلط ہے۔ اس پر عمل نہیں ہو سکتا

جواب سوم:

اگر کسی شخص کا ہاتھ بطور قصاص کاٹا گیا۔ اب اس نے چوری کی۔ اور جرم ثابت ہونے پر چوری کی حد اس پر قائم ہوگئی۔ کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ اور اس کی تصریح شیخ الطائفہ محقق طوسی نے بھی کی ہے۔ محقق طوسی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

تہذیب الاحکام

فَقُلْتُ لَهُ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُطِعَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى فِيْ قِصَاصٍ فَسَرَقَ مَا يُصْنَعُ بِهٖ قَالَ فَقَالَ لَا يُقْطَعُ وَلَا يُتْرَكُ بِغَيْرِ سَاقٍ قَالَ قُلْتُ فَلَوْ اَنَّ رَجُلًا قُطِعَتْ يَدُهُ الْيُمْنٰى فِيْ قِصَاصٍ ثُمَّ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ اَيُقْتَصُّ مِنْهُ اَمْ لَا فَقَالَ اِنَّمَا يُتْرَكُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاَمَّا فِيْ حُقُوْقِ النَّاسِ فَيُقْتَصُّ مِنْهُ فِي الْاَرْبَعِ جَمِيْعًا۔

(تہذیب الاحکام جلد ۱۰ ص ۱۰۳ فی حد السرقة مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عبداللہ بن حجاج کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا۔ کہ اگر ایک آدمی کا بایاں ہاتھ کسی قصاص میں کاٹا جائے۔ پھر وہ چوری کرے تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ کہتے گے۔ ٹخنہ کاٹا جائے اور نہ بغیر پنڈلی کے چھوڑا جائے۔ میں نے عرض کیا۔ اگر کسی شخص کا دایاں ہاتھ قصاص میں کاٹ دیا گیا۔ پھر اس نے ایک اور آدمی کا ہاتھ ظلماً کاٹا۔ تو کیا اب اس سے قصاص لیا جائے گا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا حق تو چھوڑا جا سکتا ہے۔ لیکن حقوق العباد میں چاروں صورتوں میں قصاص لیا جائے گا۔

توضیح

مسئلہ مذکورہ کی تفصیل یوں ہو گی۔ کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے کا ظلماً ہاتھ کاٹ دیا۔ اب اس نے دایا کاٹا ہو یا بایاں۔ اس کے متعلق امام صاحب کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ جو ہاتھ اس نے کاٹا۔ وہی اس کا کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے ظلماً کسی کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ تو اس ظالم کے بھی دونوں ہاتھ کاٹیں جائیں گے۔ کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ اس لیے اس کی معافی یا رعایت نہیں ہو سکتی۔ اب یہ سزائیں جب امام جعفر صادق سے منقول ہیں۔ تو ہم دریافت کرتے ہیں۔ کہ اگر ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ یا دونوں ہاتھ قصاصاً کاٹ دیئے گئے۔ بلکہ آپ کے آخری الفاظ چاروں صورتوں میں۔ یعنی کسی نے کسی کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کاٹ دیئے۔ تو اس کے بھی دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹے جائیں گے۔ تو کیا اس کی نماز ہو گی۔ یا نہ۔ کیونکہ ایک ہاتھ کٹنے کی صورت میں اعضائے سجدہ چھ رہ گئے۔ اور دونوں

ہاتھ کٹنے کی صورت میں پانچ رہ گئے۔ اور اگر دونوں پاؤں بھی کاٹ دیئے گئے۔ تو صرف تین اعضاء رہ گئے۔ اب تو اکثر اعضاء سجدہ کے بغیر سجدہ کیا جا رہا ہے۔ لہذا چوری والی دلیل کے مطابق تو نماز بالکل نہیں ہونی چاہیئے۔ اس لیے ایسے آدمی پر نماز کی فرضیت ہی نہیں رہنی چاہیئے۔ اور اگر قصاصاً ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جاتے تو امام صاحب کے فتویٰ کے خلاف ہوگا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کے متعلق یہ فتویٰ کہ صرف اس کی انگلیاں کاٹی جائیں۔ امام صاحب کا ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ مذکورہ دلیل ان کی دلیل ہے۔ یہ سب کچھ جان چھڑانے کے لیے کسی نے امام صاحب پر بہتان باندھا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْأَبْصَارِ۔

صرف انگلیاں کاٹنے پر دوسری دلیل

مسالک الافہام

وَ اَمَّا حَدُّ مَا يُقْطَعُ عِنْدَنَا فَهُوَ مِنْ اُصُوْلِ الْاَصَابِعِ وَ يُتْرَكُ لَهُ الرَّاحَةُ وَ الْاِبْهَامُ وَ رَوَاهُ اَصْحَابُنَا عَنْ اَئِمَّتِهِمْ وَ رَوَاهُ الْعَامَّةُ اَيْضًا عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اِطْلَاقُ الْيَدِ عَلٰى ذَالِكَ كَثِيْرَةٌ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ وَلَا خِلَافَ فِيْ اَنَّ الْكَاتِبَ لَا

يَكْتُبُ إِلَّا بِأَصَابِعِهِ وَعَلَى هٰذَا فَيَكُوْنُ فِيْ هٰذَا الْحَمْلِ قَدْ وَفَيْنَا الظَّاهِرَ حَقَّهُ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ يُحْتَاجُ إِلَى دَلِيْلٍ إِذْ هُوَ بَاقٍ عَلَى التَّحْرِيْمِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِدْخَالِ الضَّرَرِ وَالتَّأَلُّمِ عَلَى الْحَيَوَانِ وَهُوَ غَيْرُ جَائِزٍ عَقْلًا وَنَقْلًا إِلَّا بِدَلِيْلٍ يَقْطَعُ الْعُذْرَ۔

(مسالک الافہام جلد ۱۳ ص ۲/۶۷ کتاب الحدود حد السرقہ)

ترجمہ:

اور بہر حال (جہاں تک) چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے۔ تو ہمارے نزدیک یہ ہے۔ کہ انگلیوں کی جڑوں سے ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہتھیلی اور انگوٹھا چھوڑ دیئے جائیں۔ ہمارے ائمہ سے ہمارے اصحاب نے یہی روایت کیا ہے۔ اور عام علماء نے بھی حضرت علی المرتضےٰ سے یہ روایت کی ہے۔ اس قدر پر ہاتھ کا اطلاق بکثرت آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ ان لوگوں کے لیے تباہی ہے۔ جو کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں،، اور یہ بات بغیر اختلاف کے سبھی مانتے ہیں۔ کہ لکھنا صرف انگلیوں سے ہوتا ہے۔ (جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ "ید" فرمایا ہے۔) اس طریقہ سے انگلیوں تک کاٹنے کی سزا دینا ظاہری طور پر مکمل معنی ہے۔ اور اس سے زائد کا کاٹنا دلیل کا محتاج ہو گا۔ کیونکہ اس کی حرمت باقی ہے۔ کیونکہ بقیہ ہاتھ کے کاٹنے سے ذی حیات کو تکلیف پہنچانا ہے۔ جو از روئے عقل و نقل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کوئی دلیل ہو جو اس عذر

کو ختم کر دے۔

توضیح

مختصر یہ کہ آیت "فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا" میں لفظ "ید" کا اطلاق انگلیوں پر ہوا ہے۔ جس کی دلیل "یکتبون الکتاب بایدیھم" ہے جب کتابت کے فعل کے لیے لفظ "ید" کا اطلاق صرف انگلیاں ہیں۔ تو قطع ید سے مُراد بھی انگلیاں ہوں گی۔ انگلیوں سے زائد کا کاٹنا دلیل کا محتاج ہے۔ کیونکہ زائد کاٹنے سے تکلیف ہو گی۔ اور کسی ذی روح کو بلا دلیل تکلیف دینا حرام ہے۔

جواب:

دلیل مذکورہ از روئے عقل و نقل ناقابل اعتبار ہے۔ عقلاً اس طرح کہ لکھتے وقت صرف انگلیوں کا استعمال ہونا خلاف عقل ہے۔ کیونکہ جب آدمی کسی کاغذ وغیرہ پر لکھتا ہے۔ تو قلم انگلیوں میں سے دو انگلیوں اور ایک انگوٹھے میں پکڑا ہوتا ہے۔ باقی دو انگلیاں فارغ ہوتی ہیں۔ ان میں چھنگلیا تو سطح کاغذ پر لگی رہتی ہے اور اس کے ساتھ والی نہ سطح کاغذ پر اور نہ ہی اس پر قلم رکھا ہوتا ہے۔ لہٰذا لکھنے میں ان دونوں کا کوئی دخل نہیں۔ اس لیے عقلاً کتابت صرف دو انگلیوں اور انگوٹھے سے ہوتی ہے۔ اور اہل تشیع انگوٹھے کو "قطع ید" میں شامل نہ کر کے خود اپنی دلیل کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ دوسرے پر حجت کس طرح ہو گی؟ اگر انگوٹھے اور چھنگلیا کو داخل کرنے کے لیے یہ کہا جائے کہ یہ بھی لکھتے وقت حرکت کرتی ہیں تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر ہتھیلی کا نچلا حصہ سطح کاغذ پر نہ رکھا جائے۔ تو صرف انگلیاں لکھنے میں ناکام رہیں گی۔ اس لیے لکھتے وقت انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی کا نچلا حصہ کلائی تک بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا کتابت کے وقت

صرف انگلیوں کا استعمال ملحوظ رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

رہا دلیل کا دوسرا پہلو کہ انگلیوں کے علاوہ حصہ کو کاٹنے پر کوئی مستقل دلیل ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ایذا رسانی کی بنا پر حرمت موجود ہے۔ سو اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ لفظ "ید" کا اطلاق کندھے تک پورے بازو پر ہوتا ہے۔ پورے بازو کو چھوڑ کر صرف انگلیوں تک کا حصہ ایک حصہ مخصوص ہے۔ اس تخصیص کی کوئی دلیل ہونی چاہیئے۔ اور دلیل قرآن وحدیث سے اہل تشیع کے پاس ہرگز نہیں ہے۔ البتہ ہم جب کلائی تک کاٹنے کا کہتے ہیں۔ تو یہ بھی تخصیص ہے لیکن ہمارے پاس اس تخصیص کے لیے احادیث رسول اللہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

تبیین الحقائق

وَلَنَا مَا رُوِیَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَطْعِ یَدِ سَارِقٍ مِنَ الرُّسْغِ۔

(تبیین الحقائق ص۲۲۴ تذکرہ حد السرقہ)

ترجمہ:

ہمارے پاس چور کے کلائی سے ہاتھ کاٹنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث دلیل ہے۔ وہ آپ نے ایک چور کے کلائی سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

علاوہ ازیں اسی کتاب میں دوسری دلیل اجماع امت ذکر فرمائی۔ وَکَانَ کل من قطع من الائمۃ من الرسغ فصار اجماعا فعلا فلا یجوز خلافہ۔

یعنی ہر دور میں خلفاء اور حکام نے چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا۔ لہذا یہ فعلی اجماع

ہو گیا۔ اس کی خلاف ورزی جائز نہیں مختصر یہ کہ مسالک الافہام میں چور کی صرف انگلیاں کاٹنے پر جو دلیل پیش کی گئی۔ وہ باطل اور بے اصل ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ۔

تہذیب الاحکام

سهل ابن زياد عن محمد بن سليمان الديلمي عن هارون ابن الجهم عن محمد بن مسلم عن ابي جعفر عليه السلام قال اتى امير المومنين بقوم لصوص قد سرقوا فقطع ايديهم من نصف الكف وترك الابهام لم يقطعها وامرهم ان يدخلوا دار الضيافة وامر بايديهم ان تعالج واطعمهم السمن والعسل واللحم حتى برءوا ودعا بهم وقال يا هولاء ان ايديكم قد سبقت الى النار فان تبتم وعلم الله منكم صدق النية تاب الله عليكم وجررتم ايديكم الى الجنة وان انتم لم تتوبوا ولم تقلعوا عما انتم عليه جرتكم ايديكم الى النار۔

(تہذیب الاحکام جلد ۱۰ ص ۱۲۵ تذکرہ فی حد السرقہ)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے چوروں کی ایک جماعت پیش کی گئی۔ آپ نے اُن کے نصف ہتھیلی سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا انگوٹھا چھوڑ دینا۔ پھر انہیں مہمان خانے میں لے جانے کو کہا۔ اور ان کے ہاتھوں کا علاج کرانے اور انہیں گھی، شہد اور گوشت کھلانے کو کہا۔ تندرست ہونے پر انہیں بلوایا۔ اور فرمایا اے لوگو! تمہارے ہاتھ آگ (دوزخ) کی طرف سبقت لے گئے۔ سو اگر تم توبہ کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری صدق نیت کو جانتا ہے۔ تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ اور تم اپنے اُن ہاتھوں کو دوزخ سے نکال کر جنت لے جانے والے ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے توبہ نہ کی۔ اور اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے تو تمہارے ہاتھ تمہیں دوزخ میں کھینچ کر لے جائیں گے۔

توضیح:

روایت مذکورہ میں محقق طوسی نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ آپ چوری کی سزا میں ہاتھ کو صرف نصف ہتھیلی تک کاٹتے تھے۔ اور انگوٹھا چھوڑ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔

جواب:

مذکورہ روایت پر کئی طرح سے جرح ہو سکتی ہے۔ جس کی بنا پر اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ پہلی بات یہ ہے۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ

سے منقول اس روایت میں نصف ہتھیلی تک ہاتھ کاٹنے کا ثبوت ہے۔ جب کہ اہل تشیع صرف انگلیوں کو کاٹنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ لہذا یہ روایت اہل تشیع کا مسلک ثابت نہیں کرتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے اکثر راویوں کے سخت مجروح ہونے کے باعث یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔

پہلا راوی سہل ابن زیاد کے متعلق تنقیح المقال کی تحقیق

تنقیح المقال

سہل ابن زیاد الادمی الرازی ابو سعید عن موضع من الاستبصارات ابا سعید الادمی ضعیف جدا عند نقاد الاخبار وقال نجاشی سہل ابن زیاد ابو علی ادمی الرازی کان ضعیف فی الحدیث غیر معتمد فیہ وکان احمد بن محمد عیسی یشہد علیہ بالغلو والکذب واخرجہ من القم الی الری وقال ابن الغضائری سہل ابن زیاد ابوسعید الادمی الرازی کان ضعیفا جدا فاسد الروایۃ والدین وکان احمد بن محمد بن عیسی الاشعری اخرجہ من قم واظہر البرأۃ منہ ونہی الناس عن السماع منہ والروایۃ عنہ ویروی المراسیل ویعتمد المجاہیل ونقل

عن علی بن محمد القتیبی انہ قال سمعت الفضل بن شاذان یقول فی ابی الخیر و ھو صالح بن سلمٰی ابی حماد الرازی ابو الخیر کما کنی و قال کان ابو محمد الفضل یر تضیہ و یمدحہ ولا یر تضی ابا سعید الادمی و یقول ھو احمق۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص ۷۵ باب سہل من ابواب السین)

ترجمہ:

کتاب الاستبصار میں کئی مقام پر سہل ابن زیاد آدمی کو بہت زیادہ ضعیف فی الروایہ کہا گیا۔ نجاشی نے اسے ضعیف فی الحدیث کہا اور غیر معتمد آدمی قرار دیا۔ احمد بن محمد عیسٰی اس پر غلو اور کذب کی شہادت دیتا تھا۔ اور اس نے اسے قم سے نکال دیا۔ ابن الغضائری نے بھی اسے بہت زیادہ ضعیف کہا۔ روایت اور دین میں فاسد کہا۔ جب احمد بن محمد عیسٰی نے اسے قم سے نکال کر رَی بھیج دیا۔ تو اس سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ لوگوں کو اس سے روایت سننے سے منع کر دیا کہ یہ مرسل اور مجہول روایات ذکر کرتا ہے۔ علی بن قتیبی کہتا ہے۔ کہ میں نے فضل بن شاذان کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کہ صالح بن موسیٰ اپنی کنیت کی طرح ابوالخیر تھا۔ اور وہ اس کو پسند کرتا۔ اور اس کی تعریف بھی کرتا تھا۔ لیکن ابوسعید آدمی (سہل بن زیاد) کے بارے میں کہتا۔ کہ یہ بے وقوف ہے۔

راوی نمبر۲: محمد بن سلمان الدیلمی

جامع الرواۃ

ضَعِیفٌ جِدًّا لَا یُعَوَّلُ عَلَیْہِ فِی شَیْءٍ (صہ جش) لہ

(۱ جامع الرواۃ۔ جلد دوم ص۱۲۲

مصنف محمد ابن علی اردبیلی)

(۲۔ تنقیح المقال جلد سوم ص۱۲۲ باب

محمد بن ابواب المیم)

ترجمہ:

محمد بن سلیمان الدیلمی بہت زیادہ ضعیف فی الروایات ہے۔ کسی چیز کے متعلق اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ اور نجاشی نے یہی لکھا ہے۔

راوی نمبر۳: محمد بن مسلم

رجال کشی

عَنْ اَبِی الصَّبَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ یَا اَبَا الصَّبَّاحِ ھَلَکَ الْمُتَرَئِسُوْنَ فِی اَدْیَانِہِمْ مِنْھُمْ زُرَارَۃُ وَ بُرَیْدٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَ اِسْمَاعِیْلُ

الجعفی ۔۔۔عن مفضل بن عمر قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰهُ مُحَمَّدَ بْنَ مُسْلِمٍ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ الشَّيْئَ حَتّٰى يَكُوْنَ۔

(رجال کشی ص۱۵۱ تذکرہ محمد بن مسلم الطائفی۔
مطبوعہ کربلا طبع جدید)

ترجمہ:

ابوالصباح روایت کرتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ وہ لوگ جو اپنے دین میں شک لاتے ہیں۔ ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے زرارہ، برید، محمد بن مسلم اور اسماعیل جعفی بھی ہیں۔۔۔ مفضل بن عمر سے روایت ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ محمد بن مسلم پر خدا کی لعنت۔ وہ یہ کہا کرتا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے علم نہیں ہوتا ہے۔

لمحہ فکریہ

روایتِ مذکورہ کہ جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا چوروں کے نصف ہتھیلی تک ہاتھ کاٹنے کا ثبوت تھا۔ اس کے راوی وہ لوگ ہیں۔ جو انتہائی ناقابلِ اعتبار، غلو اور کذب کے عادی، مجہول روایتوں کے راوی، احمق ناقابل اعتماد اور ان سب خرابیوں سے بڑھ کر اپنے دین میں شک لانے والے اور امام جعفر کی پھٹکار کے مارے ہوئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ جاہل جانتے۔ کیا ان راویوں کی روایت سے استدلال کرتے ہو؟ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے حضرات ائمہ کی روایات میں اِدھر اُدھر کی ہزاروں باتیں ملادیں

جس کی بنا پر ائمہ کو تنبیہ کرنا پڑی، لہٰذا یہ روایت بھی دیگر روایات کی طرح من گھڑت اور بے اصل ہے۔ جس کی نسبت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی گئی ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

چوری کے جرم پر ہاتھ کاٹنے پر اہل سنت کے دلائل

چوری کے بارے میں حد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا الخ۔

ترجمہ: ”چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو“ آیت مذکورہ میں ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے۔ لیکن اس کی تفصیل موجود نہیں یعنی کہاں سے کاٹا جائے۔ اور کونسا کاٹا جائے؟ اس لیے اس کی تفصیل کے لیے شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رہنمائی کی ضرورت پڑی۔ آپ نے قولاً اور عملاً جو اس کی تشریح و تفسیر بیان فرمائی۔ وہی قابل قبول اور قابلِ عمل ہو گی۔ نہ کہ کسی دوسرے مجتہد یا امام کی۔ آیت کریمہ کی تشریح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حضرات ائمہ مجتہدین کا اس کے متعلق فہم و ادراک کیا کہتے ہیں؟ ملاحظہ ہو۔

نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَقَدْ صَحَّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

قَطَعَ يَمِيْنَ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ قُلْتُ فِيْهِ
اَحَادِيْثُ فَمِنْهَا مَا اَخْرَجَهُ الدَّارُقُطْنِيُّ فِيْ
سُنَنِهٖ عَنْ اَبِيْ نُعَيْمِ النَّخْعِيْ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ
بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْعُرْزَمِيْ عَنْ عَمْرِو بْنِ
شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ
صَفْوَانُ بْنُ اُمَيَّةَ بْنِ خَلْفٍ نَائِمًا
فِي الْمَسْجِدِ وَثِيَابُهُ تَحْتَ رَأْسِهٖ فَجَاءَ
سَارِقٌ فَاَخَذَهَا فَاُتِيَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَقَرَّ السَّارِقُ فَاَمَرَ بِهِ
النَّبِيُّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَنْ يُقْطَعَ
فَقَالَ صَفْوَانُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُقْطَعُ رَجُلٌ
مِنَ الْعَرَبِ فِيْ ثَوْبِيْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا كَانَ قَبْلَ اَنْ تَأْتِيَنِيْ
بِهٖ ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِشْفَعُوْا مَا لَمْ يَصِلْ
اِلَى الْوَالِيْ فَاِذَا وَصَلَ اِلَى الْوَالِيْ فَعَصَمَا فَلَا
عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ اَمَرَ بِقَطْعِهٖ مِنَ الْمَفْصَلِ۔

(نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ
جلد سوم ص ۳۷۰ فصل فی کیفیۃ
القطع مطبوعہ قاہرہ)

ترجمہ:

مصنف نے کہا۔ کہ تحقیق یہ بات صحیح اور ثابت ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے چور کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے جسے دار قطنی نے اپنی سنن میں ذکر کیا۔ ابو نعیم کہتے ہیں۔ کہ محمد بن عبید اللہ عرزمی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے ہمیں ایک حدیث سنائی۔ کہ صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سویا تھا۔ اور اس نے اپنے کپڑے اپنے سر کے نیچے رکھے تھے۔ چور آیا۔ اور وہ کپڑے لے اڑا۔ بعد میں پکڑے جانے پر اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ چور نے چوری کا اقرار کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر صفوان بولے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ایک عرب کا ہاتھ میرے کپڑے چرانے کی وجہ سے کاٹا جائے گا؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چور کے میرے پاس آنے سے پہلے تم نے یہ کیوں نہ کہا؟ (مطلب یہ ہے۔ کہ اب اس کی معافی کا کوئی فائدہ نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُس وقت سفارش کرو کہ جب کہ مجرم والی کے پاس نہ پہنچا ہو۔ اور جب حاکم کے پاس اُسے لے جایا جا چکا ہو۔ اور پھر اس کو معاف کر دیا جائے۔ تو اللہ اس کو معاف نہیں کرتا۔ (یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا منسوخ نہ ہو گی) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس کا ہاتھ کلائی (جوڑ) سے کاٹ دو۔

فتح القدیر

اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنْ رِجَاءِ بْنِ

حَیٰوۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَطَعَ رَجُلاً مِنَ الْمُفْصَلِ وَاِنَّمَا فِیْہِ اِلَّا رْسَالُ وَاَخْرَجَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِیٍّ اِنَّھُمَا قَطَعَا مِنَ الْمُفْصَلِ وَانْعَقَدَ عَلَیْہِ الْاِجْمَاعُ۔

(فتح القدیر جلد چہارم ص ۲۴۷ فصل فی کیفیۃ القطع۔ مطبوعہ مصر جدید)

ترجمہ:

رجاء بن حیوۃ سے ابن ابی شیبہ نے روایت کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا کلائی سے ہاتھ کاٹا۔ (یعنی چوری کے جرم میں) اس روایت میں ارسال ہے۔ اور حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نے چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا ہے۔ اسی پر اجماع منعقد ہوا۔

بدائع الصنائع

اَمَّا الْمَوْضَعُ الَّذِیْ یُقْطَعُ مِنَ الْیَدِ الْیُمْنٰی فَھُوَ مِفْصَلُ الزَّنْدِ عِنْدَ عَامَّۃِ الْعُلَمَاءِ وَقَالَ بَعْضُھُمْ تُقْطَعُ الْاَصَابِعُ وَقَالَ الْخَوَارِجُ تُقْطَعُ مِنَ الْمَنْکِبِ لِظَاھِرِ قَوْلِہٖ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا وَالْیَدُ اِسْمٌ لِھٰذِہِ الْجُمْلَۃِ وَالصَّحِیْحُ

قَوْلُنَا لِمَا رُوِیَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَطَعَ یَدَ السَّارِقِ مِنْ مِفْصَلِ الزَّنْدِ فَکَانَ فِعْلُہٗ بَیَانًا لِلْمُرَادِ مِنَ الْاٰیَۃِ الشَّرِیْفَۃِ کَاَنَّہٗ نَصَّ سُبْحٰنَہٗ فَقَالَ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا مِنْ مِفْصَلِ الزَّنْدِ وَعَلَیْہِ عَمَلُ الْاُمَّۃِ مِنْ لَدُنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا فَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔

(بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۸۸ حد سرقہ

مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

بہر حال وہ مقام کہ جہاں سے دایاں ہاتھ کاٹا جائے تو وہ کلائی ہے۔ اور یہ قول عام علماء کا ہے۔ اور بعض نے صرف انگلیاں کاٹنے کو کہا۔ اور خارجی کہتے ہیں۔ کہ کندھے سے کاٹنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ظاہری معنی یہی ہے۔ فاقطعوا ایدیھما اس میں لفظ "ید" کا اطلاق کندھے تک ہاتھ پر ہوتا ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے۔ کہ کلائی سے کاٹا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپ نے چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا تھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل شریف قرآن کے اجمال کا بیان ہوا۔ یوں سمجھئے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی ایسے کہ چور کے ہاتھ کلائی سے کاٹو۔ اسی مقدار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک تمام امت کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

تبیین الحقائق

وَ لَنَا مَا رُوِيَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَطْعِ يَدِ السَّارِقِ مِنَ الرُّسْغِ وَ لِاَنَّ كُلَّ مَنْ قَطَعَ مِنَ الْاَئِمَّةِ مِنَ الرُّسْغِ فَصَارَ اِجْمَاعًا فِعْلًا فَلَا يَجُوْزُ خِلَافُهٗ۔

(تبیین الحقائق ص ۲۲۴ کیفیۃ قطع السرقہ
مطبوعہ مصر طبع جدید)

ترجمہ:

ہماری دلیل یہ روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ اور ہم یہ اس لیے بھی کہتے ہیں۔ کہ تمام ائمہ اہل سنت نے چور کا ہاتھ کلائی سے ہی کاٹنے کا کہا ہے۔ لہذا یہ فعلی اجماع ہو گیا۔ سو اس کی مخالفت جائز نہ ہو گی۔

تبیین الحقائق

اَنَّ الْيَدَ ذَاتُ مَقَاطِعَ ثَلَاثَةٍ وَهِيَ اَنَّ الرُّسْغَ وَالْمِرْفَقَ وَالْمَنْكِبَ وَ كُلٌّ فِيْهَا يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ مُرَادًا فَزَالَ الْاِحْتِمَالُ بِبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ اَمَرَ بِقَطْعِ الْيَدِ الْيُمْنٰى مِنَ الزَّنْدِ وَلِاَنَّ مِفْصَلَ الزَّنْدِ مِنَ الرُّسْغِ يَتَيَقَّنُ بِهٖ لِكَوْنِهٖ مُرَادًا لِاَنَّهٗ اَقَلُّ

فَيُؤْخَذُ بِهٖ لِاَنَّ الْعُقُوْبَاتِ لَا تَثْبُتُ بِشُبْهَةٍ وَفِيْمَا زَادَ عَلَى الرُّسْغِ مُشْتَبِهَةٌ فَلَا تَثْبُتُ وَاِنَّمَا كَانَ مِفْصَلُ الزَّنْدِ بِبَيَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(تبیین الحقائق تصنیف علامہ زیلعی رح
ص ۲۲۴)

ترجمہ:

ہاتھ میں تین جگہ جوڑ ہوتے ہیں۔ کلائی، کہنی اور کندھا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کا احتمال تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان شریف سے یہ احتمالات زائل ہو گئے۔ کیونکہ آپ نے دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ اور یہ اس لیے بھی درست ہے۔ کہ ہاتھ کا کلائی سے کاٹا جانا امر یقینی ہے۔ کیونکہ اس سے اور نیچے کوئی جوڑ ہے ہی نہیں لہذا اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہ بات بھی ہے۔ کہ عقوبت شرعی اشتباہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوا کرتی۔ ہاتھ کا وہ حصہ جو کلائی سے اوپر کا ہے۔ وہ مشتبہ ہے۔ لہذا یہ ثابت نہ ہوگا۔ بہر حال ہاتھ کا کلائی والا جوڑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان شریف سے ثابت ہے اور وہی متعین ہو چکا ہے۔

توضیح

کتب مذکورہ کے حوالہ جات سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے پر دلالت کرنے والی احادیث "صحیح" ہیں۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس چور کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا۔
۳۔ حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نے بھی چور کے لیے دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹنے کی حد لگائی۔
۴۔ تمام ائمہ نے اسی پر عمل کیا۔ لہذا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹنے پر اجماع فعلی منعقد ہو چکا ہے۔
۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور پاک سے آج تک کلائی سے ہاتھ کٹتا چلا آرہا ہے۔
۶۔ اگرچہ بعض نے انگلیوں سے اور خارجیوں نے کندھے سے کاٹنے کا کہا ہے لیکن احادیث نبوی سے اس کی صحت نہیں ہوتی۔
۷۔ ہاتھ میں تین جوڑ ہوتے ہیں۔ سب سے کم فاصلہ پر کلائی پھر کہنی اور پھر کندھا ہے۔ لہذا قریب ترین تو یقینی ہے، دوسرے شبہ کی بنا پر مراد نہ ہوں گے

نوٹ:

احادیث مذکورہ میں مقام قطع کے لیے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں مفصل زند، رسغ

ان میں سے لفظ مفصل، شیعہ سنی دونوں کی کتابوں میں مذکور ہے۔ ان تینوں الفاظ کا از روئے لغت معنی معلوم ہونا چاہیئے تاکہ حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے۔

اہل تشیع کی کتاب تہذیب الاحکام میں مفصل کا لفظ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر ہوا جس کا معنی "جوڑ" ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل میں مفصل الاصابع لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ وضاحت یا تفصیل کسی انجان کی نظر آتی ہے۔ کیونکہ ہاتھ میں انگوٹھے سمیت پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ اور ہر انگلی کا جوڑ مستقل طور پر موجود ہے۔ اس طرح پانچ انگلیوں کے پانچ جوڑ ہوئے۔ اب ان کی تعبیر کے لیے مفصل الاصابع نہیں بلکہ مفاصل الاصابع ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ نہیں لکھا گیا

اس لیے لفظ مفصل کا واحد کے صیغہ کے ساتھ لکھا جانا بتلاتا ہے۔ کہ کوئی ایک جوڑ مُراد ہے۔ اور ایک جوڑ (ہاتھ میں) تین جگہ ہیں۔ اسی بحث کو صاحب تبیین الحقائق نے ذکر کیا۔ قرآن کریم میں جب ہاتھ کاٹنے کا ذکر آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مفصل کو مقام قطع بتایا گیا۔ تو اس طرح نتیجہ یہ نکلا۔ کہ کم از کم مفصل (کلائی) کو یقینی ہونے کی بنا پر کاٹا جائے گا۔ اس طرح کتب شیعہ میں موجود لفظ مفصل نے مسلک اہل سنت کی تائید کی ہے۔ لیکن اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے کسی نابلد نے "دون الاصابع" کی قید بڑھا دی۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مفصل کے علاوہ زند اور رسغ بھی مستعمل ہوئے۔ اس لیے ہم ان کی کتب لغت سے معنی ذکر کرتے ہیں۔

"زند" کا کتب لغت سے معنی

لسان العرب

وَقَدْ رُوِیَ بِالْیَاءِ وَسَیَأْتِی ذِکْرُہٗ وَالزَّنْدَانِ طَرْفَا عُظْمَی السَّاعِدَیْنِ مُزَکَّرَانِ غَیْرُہٗ وَالزَّنْدَانِ عَظْمَا السَّاعِدِ اَحَدُھُمَا اَدَقُّ مِنَ الْاٰخِرِ فَطَرَفُ الزَّنْدِ الَّذِیْ یَلِی الْاِبْہَامَ ھُوَ الْکُوْعُ وَطَرَفُ الزَّنْدِ الَّذِیْ یَلِی الْخِنْصَرَ کُرْسُوْعٌ وَالرُّسْغُ مُجْتَمِعُ الزَّنْدَیْنِ وَمِنْ عِنْدِھِمَا تُقْطَعُ یَدُ السَّارِقِ وَالزَّنْدُ

مُوْصَلُ طَرَفِ الذِّرَاعِ فِى الْكَفِّ وَهُمَا زَنْدَانِ الْكُوْعُ وَالْكُرْسُوْعُ۔

لسان العرب جلد ۳ ص ۱۹۶

تذکرہ لفظ زند)

ترجمہ:

"یا،، کے ساتھ لفظ زند آیا ہے۔ اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ لفظ زندان تثنیہ ہے۔ جو کلائی کی دو طرفوں کو کہتے ہیں جس پر کلائی ختم ہوتی ہے۔ اس جگہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔ ایک ہڈی دوسری کی نسبت کم ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ لہذا زند کی ایک طرف انگوٹھے کے ساتھ ملی ہوئی اور دوسری طرف چھنگلیا کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ انگوٹھے والی طرف کو "کوع،، اور چھنگلیا والی کو "کرسوع،، کہتے ہیں۔ ان دونوں طرفوں کو ملائیں۔ تو اسے "رسغ،، کہتے ہیں۔ جہاں سے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور زند، کلائی کو ہاتھ سے ملانے والا ہے۔ اس کی دو طرفوں کے کوع اور کرسوع نام ہیں۔

توضیح:

کلائی کی انگوٹھے کی طرف واقع متصل حصہ کوع اور چھنگلیا سے متصل حصہ کرسوع ہے۔ ان دونوں کا مقام اتصال رُسغ اور زند کہلاتا ہے۔

"رُسغ" کی تحقیق

لسان العرب

الرسغ مفصل ما بین الکف و الذراع۔
وقیل الرسغ مجتمع الساقین و القدمین
وقیل ھو مفصل ما بین الساعد و الکف
والساق و القدم۔

(لسان العرب جلد ۸ ص ۴۲۸ بحث
لفظ رسغ)

ترجمہ:
ہتھیلی اور کلائی کے مابین واقع جوڑ کو رُسغ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے
کہ دونوں پنڈلیوں اور قدموں کے جوڑ کو رُسغ کہتے ہیں۔ ایک قول یہ
بھی ہے۔ کہ کلائی اور ہتھیلی پنڈلی اور قدم کے جوڑ کو رُسغ کہتے ہیں۔

قارئین کرام! اہل تشیع نے اپنے مسلک کے حق ہونے پر جو دلیل پیش
کی۔ اس کی تائید میں ان کے پاس ایک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
نہیں ہے۔ اور جو دلیلیں گھڑی ہیں۔ وہ بھی ترازوئے عقل پر پوری نہیں اترتیں

ائمہ اہل بیت کی طرف سے جو حدیث پیش کی گئی اس کے راوی ناقابلِ اعتبار اور غیر معتمد ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کا مسلک احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل صحابہ و ائمہ پر قائم ہے۔ اس سلسلہ میں زند، رسغ اور مفصل کے الفاظ بمعہ تحقیق لغوی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس تمام قیل وقال کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ چور کا ہاتھ دایاں اور وہ بھی کلائی سے کاٹا جائے گا۔ یہی احادیث سے ثابت ہے اور اسی پر آج تک امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ صرف انگلیوں سے ہاتھ کاٹنا خلاف عقل و مخالف نقل ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ○

دو اشکال اور ان کا جواب

اسی بحث میں ایک دو اشکال اور ان کا جواب ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلا اشکال یہ ہے۔ کہ جن احادیث سے ثابت کیا گیا۔ کہ چور کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا۔ وہ ضعیف احادیث ہیں۔ لہٰذا ان سے استدلال درست نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کسی حدیث کا ضعیف ہونا اپنے مقام پر لیکن اگر وہ حدیث کئی طریقوں سے وارد ہو۔ تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور وہ درجہ صحت پا لیتی ہے۔ لہٰذا یہ احادیث متعدد طریقوں سے روایت ہونے کی بنا پر ضعیف نہ رہیں۔ اور پھر جب ان پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ تو پھر قطعیت کا درجہ پا لیتی ہیں۔ اسی لیے جب کسی روایت پر عمل لگاتار اور ہر دور میں بکثرت ہوتا رہا ہو۔ تو درجہ تواتر میں داخل ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ شہر مکہ اور مدینہ کا ثبوت۔

لہذا ایسی روایت کے لیے سند کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی بات کو فتح القدیر میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

فتح القدیر

وَ اَمَّا کَوْنُہٗ مِنَ الزَّنْدِ وَ ھُوَ مِفْصَلُ الرُّسْغِ وَ یُقَالُ الْکُوْعُ فَلِاَنَّہُ الْمُتَوَارِثُ وَ مِثْلُہٗ لَا یُطْلَبُ فِیْہِ سَنَدٌ۔

(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۸۰/ تحت قولہ السارق الخ)

ترجمہ:

ہاتھ کا کلائی سے کاٹنا یعنی کلائی اور ہتھیلی کے درمیان واقع جوڑ سے جسے کوع بھی کہتے ہیں۔ تو یہ اس لیے کہ اس پر لگاتار ہر دور میں عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور اس قسم کی بات کے لیے سند کا مطالبہ طلب نہیں کیا جاتا۔

دوسرا اشکال یہ کہ قرآن میں صرف ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے۔ دائیں بائیں کی تخصیص نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ تخصیص بلا دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق لفظ ''یمین'' موجود ہے۔ اور اس پر کچھ احادیث بھی دلیل ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے تخصیص نہیں کی۔

اعتراض:

کتب اہل سنت میں یہ موجود ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے

ایک چور کی صرف انگلیاں کاٹنے کا حکم دیا۔ لہٰذا قطع ید کا مقام انگلیاں ہی ہوگا۔ حوالہ یہ ہے۔

فتح الباری

وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ مِنْ طَرِیْقِ اَبِیْ حَیْوَۃَ اَنَّ عَلِیًّا قَطَعَہٗ مِنَ الْمَفْصَلِ وَ جَاءَ عَنْ عَلِیٍّ اَنَّہٗ قَطَعَ الْیَدَ مِنَ الْاَصَابِعِ وَ الرِّجْلَ مِنْ مِشْطِ الْقَدَمِ اَخْرَجَہٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عن معمر عن قتادہ عنہ وَ ھُوَ مُنْقَطِعٌ۔

(فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۸۰ تحت قولہ السارق الخ)

ترجمہ:

ابی حیوہ کے ذریعہ ابن ابی شیبہ نے بیان کیا۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ مفصل سے کاٹا۔ اور انہی سے روایت ہے کہ علی المرتضٰے نے انگلیوں سے ہاتھ کاٹا۔ اور قدم کو درمیان سے کاٹا۔ اس روایت کو عبدالرزاق نے معمر عن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ منقطع ہے۔

جواب:

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا عمل دو طرح سے مذکور ہوا۔ سر دست دوسرا عمل کہ آپ نے چور کا ہاتھ انگلیوں سے کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ عمل زیر بحث ہے۔ سو اس بارے میں جواب خود اس روایت کے آخری الفاظ ہیں۔ یعنی یہ روایت منقطع ہے۔

لہذا انقطاع کی وجہ سے یہ روایت مقصد کو ثابت کرنے میں ناکافی ہے اور اگر انقطاع کی پرواہ کیے بغیر عمل شیرِ خدا کو دیکھا جائے۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف نظر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف وسائل الشیعہ میں اس طرح مذکور ہے۔ کہ آپ چور کا ہاتھ نصف سے زائد کاٹا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ہاتھ قابلِ استعمال نہ رہتا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

وسائل الشیعہ

سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ عَنِ السَّارِقِ يَسْرِقُ فَتُقْطَعُ يَدُهُ ثُمَّ يَسْرِقُ فَقُطِعَ رِجْلُهُ ثُمَّ يَسْرِقُ هَلْ عَلَيْهِ قَطْعٌ فَقَالَ فِي كِتَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضٰى قَبْلَ اَنْ يَقْطَعَ اَكْثَرَ مِنْ يَدٍ وَرِجْلٍ وَكَانَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامِ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَسْتَحْيِيْ مِنْ رَبِّيْ اَنْ لَّا اَدَعَ لَهٗ يَدًا يَسْتَنْجِيْ بِهَا اَوْ رِجْلًا يَمْشِيْ عَلَيْهَا۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۸
ص ۴۹۵- ابواب حد السرقہ
مطبوعہ تہران طبع جدید-)

ترجمہ:

میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایسے چور کے بارے میں پوچھا۔ جس نے ایک مرتبہ چوری کی تو اُسے قطع ید کی سزا دی گئی

پھر اس نے چوری کی۔ تو اس مرتبہ اس کا ایک پاؤں کاٹا گیا۔ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر اس پر قطع کی حد ہے یا نہیں؟ امام نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ کی کتاب میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔ اور آپ نے کسی چور کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے زیادہ نہیں کاٹا۔ حضرت علی المرتضیٰ یہ بھی کہا کرتے تھے۔ کہ اگر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر اس کا دوسرا ہاتھ اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دوسرا پاؤں بھی کاٹ دوں۔ تو مجھے اللہ سے شرم آتی ہے۔ کہ میں نے اس چور کے لیے استنجاء کرنے کے لیے ہاتھ نہ چھوڑا۔ اور چلنے کے لیے پاؤں بھی نہ چھوڑے۔

توضیح

روایت مذکورہ میں ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ جانے کے بعد پھر چوری کرنے والے کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ کا قول واضح طور پر بتا رہا ہے۔ کہ جس طرح پہلا ہاتھ کاٹا گیا۔ اگر اسی طرح دوسرا بھی کاٹ دیا جائے۔ تو ایسا آدمی استنجاء نہیں کر سکتا۔ اب آپ بتائیں۔ کہ اگر صرف انگلیوں تک ہاتھ کاٹا جائے اور انگوٹھا بھی چھوڑ دیا جائے۔ تو ہتھیلی موجود ہونے کی صورت میں استنجاء کرنا ناممکن کس طرح ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف اس سلسلہ میں یہ تھا۔ کہ آپ ہاتھ کا اتنا حصہ کاٹ دیا کرتے تھے۔ جس کے بعد وہ استعمال کے قابل نہ رہتا۔ اور ایسا کاٹنا کلائی یا اس سے تھوڑا اوپر (نصف ہتھیلی) تک ہوتا ہے۔ لہذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پچھلی روایت کے خلاف ہے۔ جس میں صرف انگلیاں کاٹنے کی بات تھی۔ اس لیے اس تعارض

کی بنا پر ناقابل عمل ہو گئی۔ اور قابل عمل وہی صورت ہوئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

قطع ید کی حکمت

چور کا ہاتھ کاٹنا کیوں بطور حد مقرر کیا گیا؟ صاف ظاہر ہے۔ کہ کام کرنے میں دایاں ہاتھ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ لہذا چوری کرنے میں بھی دایاں ہاتھ کا زیادہ دخل ہونے کی بنا پر اُسے یہ سزا دی گئی۔ تاکہ وہ آلہ ہی باقی نہ رہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔ اگر اس کا ہاتھ صرف انگلیوں تک کاٹا گیا۔ تو پھر دوسری تیسری مرتبہ چوری کرنا اگرچہ پہلے کی نسبت ذرا مشکل ہو گا۔ لیکن بہرحال یہ آدھ کٹا ہاتھ ضرور استعمال ہو گا۔ اس لیے اگر کلائی سے کاٹا جائے گا۔ تو پھر اس کا استعمال کم سے کم یا بالکل نہ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ ہاتھ کلائی سے کاٹنا ہی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔

كتاب الحظر
والاباحة

کتاب الحضر والاباحۃ

"فقہ جعفریہ" میں حلت وحرمت کے مسائل میں خصوصی رعایت

اس سے قبل بہت سے مسائل ہم نے اہل تشیع کی فقہ سے ذکر کیے مقصد یہ ہے۔ کہ چند چیدہ مسائل کو دیکھ کر بھی قارئین کرام آپ اس فقہ کی مجموعی کیفیت معلوم کریں گے۔ مذکورہ مسائل سے آپ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں گے۔ کہ اس فقہ کی بنیاد خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل ہے۔ خواہ وہ عبادات ومعاملات میں ہیر پھیر سے حاصل ہو۔ یا نجاست وپاکیزگی کے ضمن میں میسر آئے۔ ان مسائل کو ہم نے ان کی کتب سے بحوالہ ذکر کیا۔ اور پھر ان کے تقابل کے طور پر اہل سنت کا مسلک ذکر کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا۔ فقہ جعفریہ چونکہ ان لوگوں کی مرویات کا مجموعہ ہے جن پر ائمہ اہل بیت نے ناراضگی اور لعنت تک کا اظہار کیا۔ اس لیے ایسے راویان سے یہ توقع کرنا کہ وہ صحیح اسلامی فقہ پیش کریں گے۔ عبث ہے۔ عقل ونقل دونوں میں سے کسی معیار پر فقہ جعفریہ کے مسائل پورے نہیں اترتے۔ آخر میں حلت وحرمت کے چند مسائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ تاکہ کھانے پینے میں جو ان لوگوں نے آسانیاں اور نفس پروریاں بنا رکھی ہیں آپ انہیں دیکھ پائیں۔

"فقہ جعفریہ" میں گدھا حلال ہے

وسائل الشیعہ

وَفِي الْعِلَلِ وَعُيُوْنِ الْاَخْبَارِ بِاَسْنَادِهٖ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ اَنَّ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ اِلَيْهِ فِيْمَا كَتَبَ مِنْ جَوَابِ مَسَائِلِهٖ كُرِهَ اَكْلُ لُحُوْمِ الْبِغَالِ وَالْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ لِحَاجَةِ النَّاسِ اِلٰى ظُهُوْرِهَا وَاِسْتِعْمَالِهَا وَالْخَوْفِ فِيْ فَنَاءِهَا وَقِلَّتِهَا لَا لِقَذَرِ خَلْقِهَا وَلَا لِقَذَرِ غِذَاءِهَا۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۳۹۲ کتاب الاطعمۃ والاشربہ۔)

(۲۔ علل الشرائع جلد دوم ص ۲۵۰ مطبع حیدریہ نجف)

(۳۔ عیون الاخبار جلد دوم ص ۹۷)

ترجمہ:

علل الشرائع اور عیون الاخبار میں اسناد کے ساتھ محمد بن سنان

سے منقول ہے۔ کہ امام رضا نے چند مسائل کے جواب میں اسے لکھا۔ خچر اور گھریلو گدھے کا گوشت مکروہ ہے۔ اور یہ کراہت اس لیے ہے کہ لوگوں کو ان کی سواری کی ضرورت پڑتی ہے۔ انہیں دوسرے کاموں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور ان کی نسل فنا ہونے کا خطرہ یا قلت کا خطرہ ہو جائے گا۔ کراہت کی یہ وجہ نہیں کہ ان کی خلقت گندی ہے۔ یا ان کی غذا خراب ہوتی ہے۔

وسائل الشیعه

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ سَاَلْتُهٗ عَنْ لُحُوْمِ الْخَیْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِیْرِ فَقَالَ حَلَالٌ وَلٰکِنَّ النَّاسَ یَعَافُوْنَهَا۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۳۹۳)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۴۱ حدیث ۱۷۴)

(۳۔ من لایحضرہ الفقیہہ جلد سوم ص ۲۱۲)

ترجمہ:

محمد بن مسلم نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ خچر، گدھے اور گھوڑے کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ فرمایا حلال ہے۔ لیکن لوگ کھاتے نہیں۔

توضیح:

پہلی روایت میں گدھے اور خچر کے گوشت کو مکروہ کہا گیا۔ وہ بھی اس بنا پر

کہ سواری وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ اور لوگوں نے اگر کھانا شروع کر دیئے۔ تو ان کی قلت ہو جائے گی۔ دوسری روایت میں کراہت کا قول نہیں بلکہ صاف صاف حلال کہا گیا اور پھر لوگوں کے حالات کی شکایت کی گئی۔ کہ وہ لاعلمی یا طبعی کراہت وغیرہ کی بنا پر نہیں کھاتے۔ گویا دوسری روایت میں ایک قدم اور بڑھ گیا۔ تاکہ بلا کراہت کھائے جائیں۔ اب ذرا اور آگے چلئے۔ تو نظر آئے گا۔ کہ گھوڑے کا گوشت کھانا سُنّتِ رسول ہے۔

گھوڑے کا گوشت کھانا سُنّتِ رسُول ہے

تہذیب الاحکام

عَنْ زَیْدِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ اٰبَائِہٖ عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اَتَیْتُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فَرَسٌ لَہٗ یَکِیْدُ بِنَفْسِہٖ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْحَرْہُ یُضَعَّفُ لَکَ بِہٖ اَجْرَانِ بِنَحْرِکَ اِیَّاہُ وَاحْتِسَابِکَ لَہٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلِیْ مِنْہُ شَیْءٌ قَالَ نَعَمْ کُلْ وَاَطْعِمْنِیْ قَالَ فَاَھْدٰی لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخِذًا مِنْہُ فَاَکَلَ مِنْہُ وَاَطْعَمَنِیْ۔

(۱- تہذیب الاحکام جلد ۹ ص۴۸ فی الصید والذبائح۔)

(۲- وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۳۹۴ کتاب الاطعمۃ والاشربۃ

ترجمہ:

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے گھر گئے۔ تو اچانک اس کا گھوڑا مرنے کے قریب نظر آیا۔ آپ نے انصاری سے فرمایا۔ اس کو ذبح کر دو۔ دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک ذبح کرنے کا دوسرا نیکی کی نیت کا۔ وہ کہنے لگا۔ یارسول اللہ! کیا اس میں سے مجھے بھی کچھ کھانے کو ملے گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ کھاؤ۔ اور مجھے بھی کھلاؤ۔ حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک ران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً دیا۔ آپ نے اس سے کھایا اور مجھے بھی کھلایا۔

توضیح

قارئین کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے، گھوڑے اور خچر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اگرچہ گھوڑے کے بارے میں حلت کی حدیث بھی موجود ہے۔ لیکن فقہائے اسلام نے اسے کھانا مکروہ تحریمی کہا ہے۔ لیکن یہ جرأت کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس گھوڑے کا گوشت کھایا۔ یہ جرأت صرف اہل تشیع ہی کر سکتے ہیں۔ آپ جب منع فرما رہے ہیں۔ تو خود کیونکر تناول کریں گے۔ لیکن اہل تشیع نے اس روایت سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ گھوڑے کا گوشت کھانا "سنت رسول" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ مرتا گدھا بھی کیوں بیکار جائے۔ اس کے کباب بنا کر تقسیم کیے جائیں۔ اور علماء و ذاکرین کو ہدیۃً کھلائے جائیں۔

فقہ حنفی میں گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے

البنایۃ فی شرح الہدایۃ

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
اَخْرَجَ حَدِیْثَ الْبُخَارِیْ مُسْنَدًا لی سالم
و نافع عن ابن عمر نَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَھْلِیَّۃِ
یَوْمَ خَیْبَرَ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد ۹ ص ۸۷ مطبوعہ
مصر طبع جدید)

ترجمہ:

مسند اور مرفوع روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کا گوشت کھانا منع کر دیا تھا۔

البنایۃ فی شرح الہدایۃ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
نَھٰی عَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَھْلِیَّۃِ وَمِنْھُمْ
اَبُوْ سَلِیْطٍ وَکَانَ بَدْرِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَخْرَجَ

حَدِيْثُهُ الطَّحَاوِيّ اَيْضًا بِاَسْنَادِهٖ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ
بْنِ اَبِيْ سَلِيْطٍ عَنْ اَبِيْهِ وَمِنْهُمْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخْرَجَ حَدِيْثَهُ الطَّحَاوِيُّ اَيْضًا
بِاَسْنَادِهٖ اِلٰى ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنِ انَسِ بْنِ مَالِكٍ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا افْتَتَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ اَصَابُوْا حُمُرًا فَطَبَخُوْا
مِنْهَا فَنَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَلَا اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهٰكُمْ عَنْهَا فَاِنَّهَا نَجِسٌ
فَاكْفَؤُا الْقُدُوْرَ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد ۹ ص ۷۹
مطبوعہ مصر جدید)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو
گدھوں کے گوشت (کھانے) سے منع کر دیا ہے۔ ان رواۃ میں
ابو سلیط بدری بھی ہیں۔ جن سے امام بخاری نے حدیث بیان
کی۔ اُن میں سے انس بن مالک بھی ہیں۔ ان کی روایت امام طحاوی
نے ذکر کی ہے۔ کہتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح
کیا۔ وہاں کچھ گدھے ہاتھ لگے۔ لوگوں نے کچھ گدھے پکائے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہلکارے نے اعلان کیا۔ کہ اللہ اور اس
کا رسول تمہیں اس (گدھے کے گوشت کھانے) سے منع کرتے ہیں
کیونکہ یہ ناپاک ہے۔ لہذا اپنی ہنڈیوں کو ان کے گوشت سے دور رکھو۔

اور انہیں اندھا کردو۔

البنایہ فی شرح الہدایہ

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهْدَرَ الْمُتْعَةَ وَحَرَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِیَّةِ یَوْمَ خَیْبَرَ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْحَسَنِ بن محمد بن علی عن ابیهما عن علی ابن ابی طالب رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ یَوْمَ خَیْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ الْحُمُرِ الْاُنْسِیَّةِ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد ۹ ص ۷۸ کتاب الذبائح الخ مطبوعہ مصر جدید)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو ختم کر دیا۔ اور پالتو گدھوں کا گوشت حرام کر دیا۔ یہ اعلان یوم خیبر کو ہوا۔ اسے بخاری اور مسلم نے بالاسناد حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنا اور پالتو گدھے کا گوشت کھانا یوم خیبر کو منع فرما دیا ہے۔

توضیح:

صاحب البنایہ علامہ بدرالدین عینی نے پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت کی

روایت کرنے والے چند جلیل القدر صحابہ کرام کے اسماء گرامی ذکر کیے۔ جن میں حضرت علی المرتضٰی، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عباس، ابوسلیط، انس بن مالک، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، مقداد اور سلمٰی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس قدر جلیل القدر صحابہ کرام کی متفقہ روایت درجۂ شہرت تک پہنچتی ہے۔ ایسی روایات سے قرآن کریم کی نصوص کی تخصیص و وضاحت کی جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود اہل تشیع گدھے کے گوشت کو حلال قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ خصوصی رعایت انہیں مبارک ہو۔

گھوڑے کے گوشت کے بارے میں چونکہ روایات مختلف ہیں۔ کہیں گدھے کی طرح اس کے گوشت کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ اور کہیں اس کی حلت معلوم ہوتی ہے۔ فقہی ضابطہ کے مطابق (جب حلت و حرمت جمع ہو جائیں۔ تو حرمت راجح ہوتی ہے۔) امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے گوشت کھانے کو مکروہ لکھا۔ اسے بعض فقہاء نے مکروہ تحریمی پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ البنایہ اور فتح القدیر میں مذکور ہے۔

تہذیب الاحکام:

الحسين بن سعيد عن فضلى عن ابان عن زرارة عن احدهما عليه السلام انّه قال

إِنَّ أَكْلَ الْغُرَابِ لَيْسَ بِحَرَامٍ إِنَّمَا حَرَامٌ مَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد ۹ صفحہ نمبر ۱۸ فی الصید الخ)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۳۴۶ کتاب الاطعمۃ والاشربۃ الخ)

ترجمہ:

زرارہ نے حضرت امام رضا سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کوا کھانا حرام نہیں۔ حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہو۔

توضیح:

اہل تشیع کے ہاں حرام وہی ہے۔ جسے قرآن کریم نے حرام کہا ہو۔ چونکہ کوے کا حرام ہونا قرآن کریم میں موجود نہیں۔ اس لیے وہ حرام نہیں ہے۔ اس قانون سے بہت سی راہیں کھل گئیں۔ صرف کوا ہی نہیں بلکہ چند حیوانات کے علاوہ ان کے یہ سب کچھ حلال ہو گیا ہے۔ گدھا، کتا، بلی، چوہا یعنی خنزیر کے علاوہ تمام حیوانات ان کے لیے حلال ہیں۔ اسی طرح پرندوں میں کوئی بھی حرام نہیں۔ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض بھی ان کے لیے حلال ہو گئے۔ کتنی رعایت ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

ساڑھے گیارہ تولہ کے قریب خون اگر ہنڈیا میں گر جائے تو وہ نجس نہیں ہوتی

وسائل الشیعہ

عَنْ محمد بن عبد الجبار عن محمد بن اسماعیل عن علی ابن النعمان عن سعید الاعرج قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ قِدْرٍ فِيْهَا جَزُوْرٌ وَقَعَ فِيْهَا قَدْرُ اُوْقِيَةٍ مِنْ دَمٍ اَيُؤْكَلُ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّ النَّارَ تَاْكُلُ الدَّمَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۴۶۳ کتاب الاطعمۃ والاشربہ)

(۲۔ فروع کافی جلد ۶ ص ۲۳۵)

(۳۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد سوم ص ۲۱۶)

ترجمہ:

سعید اعرج کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ ہنڈیا میں اونٹ کا گوشت تھا۔ اس میں ایک اوقیہ

(گیارہ تولہ آٹھ ماشے) خون پڑ گیا۔ تو کیا اس کا کھانا جائز ہے؟ فرمایا ہاں کیونکہ آگ خون کو کھا جاتی ہے۔ (اس لیے خون پڑنے کے باوجود باقی نہ رہا) لہذا اس کے کھانے میں کیا حرج ہے۔

"خون" ان حرام اشیاء میں سے ایک ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا۔ انما حرم علیکم المیتہ والدم الخ اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم پر مردار اور خون حرام کر دیا ہے۔ اس نص صریح کے ہوتے ہوئے ایک ہنڈیا میں پکتے ہوئے گوشت کو بچانے کے لیے اہل تشیع نے کیا فریب گھڑا ہے کتے کے حلال کرنے کے لیے یہ کہا۔ کہ اس کی حرمت قرآن میں موجود نہیں۔ لیکن خون اور وہ بھی تقریباً ساڑھے گیارہ تولہ ہنڈیا میں پڑ جائے۔ تو قرآن کریم کے حرام کہنے کے باوجود وہ حرام نہ ہوا۔ اور نہ گوشت کو نجس کیا؟ یہ دورنگی خوب ہے۔ اور بہانہ یہ بنایا۔ کہ آگ نے خون کو کھا لیا ہے۔ اسی جگہ صاحب وسائل الشیعہ نے اس مسئلہ کے بارے میں لکھا۔ کہ یہ تقیہ پر محمول ہے۔ محمد بن حسن الحر العاملی کے الفاظ یہ ہیں۔ هٰذَا مَحْمُوْلٌ إِمَّا عَلَى التَّقِيَّةِ وَإِمَّا عَلٰى جَوَازِ الْاَكْلِ بَعْدَ غَسْلِ اللَّحْمِ۔ دو تاویلات کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ یہ تقیہ پر محمول ہے۔ دوم یہ کہ یہ اس طرح درست ہوگا۔ کہ گوشت کو دھو کر کھایا جائے لیکن "تقیہ" کا الزام امام جعفر پر لگانا انتہائی جرأت کا کام ہے۔ کیونکہ جس دور میں امام جعفر تھے۔ وہ شیعیت کے پھلنے پھولنے کا سنہری دور تھا۔ تقیہ اپنا بستر بوریا باندھ چکا تھا۔ اور اصلیت موجزن تھی۔ ہزاروں لوگ جعفریت امام سیکھتے سکھاتے تھے۔ ایسے میں امام جعفر کو "تقیہ" کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آخر آپ کو کس کا ڈر تھا کہ

جس کی بنا پر حق بات چھپائی جا رہی ہے۔ پھر جب اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت کی اتباع پیغمبروں کی اتباع سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور تلخیص الشافی پر جلد سوم صفحہ نمبر ۸۷ مطبوعہ قم جدید پر موجود ہے۔ کہ حضرات انبیائے کرام تقیہ نہیں کرتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو شریعت ختم ہو جاتی۔ جب ان کے نزدیک ادنیٰ کا یہ درجہ ہے تو اعلیٰ کا کیا مقام ہوگا اس لیے تقیہ کا الزام بھی ایک احمق کی بڑ سے زیادہ کچھ نہیں۔ رہا یہ کہ دھو کر کھانا جائز ہے یہ تاویل بالکل بے معنی اور لاحاصل ہے۔ کیونکہ دھونے کی ضرورت تب پڑتی ہے۔ جب وہ حرام اور نجس رہے۔ خود امام صاحب نے اس کے حلال ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ آگ نے اس خون کو جلا دیا ہے۔ لہٰذا اصل کردہ باقی نہ رہا۔ اور ہنڈیا میں موجود گوشت پاک کا پاک رہا۔ اس دلیل کے ہوتے ہوئے اور کیا ضرورت پڑ گئی۔ کہ پاک کو پاک کرنے کے لیے دھویا جائے۔ اسی لیے اس تاویل کی تردید من لا یحضرہ الفقیہ نے ان الفاظ سے کر دی۔ حُمِلَ الدَّمُ عَلٰی مَا لَیْسَ بِنَجِسٍ کَدَمِ السَّمَکِ وَشِبْہِہٖ۔ یعنی یہ خون اس خون پر محمول کیا جائے گا۔ جو نجس نہیں ہوتا جیسا کہ مچھلی وغیرہ کا خون۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تاویلات دُور از قیاس ہیں۔ حدیث مذکور اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں۔ کہ فقہ جعفریہ میں شکم پروری کے لیے ہر ممکن رعایت پائی جاتی ہے۔ شاید ڈھونڈے سے آپ کو کوئی خوردنی نوشیدنی چیز حرام ملے۔ ورنہ سب کچھ جائز اور حلال ہے۔ خنزیر نجس العین تھا لیکن گوشت کے رسیا اسے بھی حلال کر گئے۔ اس کی تفصیل باب الطہارت میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ؔ

تہذیب الاحکام

محمد بن یعقوب عن علی بن ابراہیم عن ابیہ عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ سُئِلَ عَنْ قِدْرٍ طُبِخَتْ وَاِذَا فِی الْقِدْرِ فَارَةٌ قَالَ یُھْرَقُ مَرَقُھَا وَیُغْسَلُ اللَّحْمُ وَیُؤْکَلُ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۸۶ باب فی الذبائح الخ)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۴۶۳ باب ان القدر اذا طبخت)

(۳ فروع کافی جلد ۶ ص ۲۶۱ کتاب الاطعمہ)

ترجمہ:
حضرت امام جعفر صادق بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سے پوچھا گیا۔ ہنڈیا پک کر تیار ہو گئی۔ اچانک اس میں سے چوہا ملا۔ (تو اس کا حکم کیا ہے؟) فرمایا۔ اس میں سے سالن گرا دیا جائے۔ گوشت دھو کر کھا لیا جائے۔

توضیح

مقصد یہ ہے۔ کہ کھانے کے لیے جو گوشت پکایا۔ وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے کھانا چاہیئے۔ سالن کو گرا دو۔ اور اس میں اُبل اُبل کر جو گوشت پکا۔ اُسے دھو کر کھا لو۔ کیا گوشت کے ہر ذرہ میں وہ نجس شوربا سرایت نہیں کر چکا تھا؟ سرایت کرنے کی بنا پر وہ نرم ہو گیا۔ تو جس طرح نمک مرچ اس کے ہر ذرہ میں سرایت کر جاتے ہیں۔

اسی طرح چوہا والا نجس پانی بھی گوشت کے ہر ذرہ میں پہنچا۔ اب دھو کر کھانے کی ترکیب ایسی سوجھی۔ کہ اس پر "نشان حیدر" ملنا چاہیئے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ یہ سب کچھ پیٹ کے دھندے کے لیے کیا گیا۔ اور حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کو خواہ مخواہ اس کا نشانہ بنایا گیا۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

سُنّی کی دکان سے خریدا ہوا حلال گوشت خنزیر سے زیادہ حرام ہے

تہذیب الاحکام

محمد ابن احمد بن یحیٰی عن احمد بن حمزہ عن محمد بن علی عن یونس بن یعقوب عن ابی بصیر قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عَنِ الرَّجُلِ یَشْتَرِی اللَّحْمَ مِنَ السُّوْقِ وَعِنْدَهٗ مَنْ یَذْبَحُ وَیَبِیْعُ مِنْ اِخْوَانِهٖ فَیَتَعَمَّدُ الشِّرَاءَ مِنَ النُّصَّابِ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ تَسْأَلُنِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا یَأْکُلُ اِلَّا مِثْلَ الْمَیْتَةِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِیْرِ قُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰہِ مِثْلُ الْمَیْتَةِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِیْرِ فَقَالَ نَعَمْ وَاَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۷۱ فی الذبائح الخ)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶ صفحہ نمبر ۳۵۶
باب اباحت الذبائح)

ترجمہ:

ابو بصیر کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ ایک آدمی بازار سے گوشت خریدتا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس اپنے ساتھیوں میں سے ذبح کرنے والا بھی موجود ہے۔ پھر وہ بازار سے کسی سُنّی سے گوشت خریدتا ہے (تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟) فرمایا تو کس چیز کے متعلق پوچھتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں۔ کہ وہ ایسا گوشت کھائے گا۔ جو مُردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح ہے۔ میں نے عرض کیا۔ سبحان اللہ! آپ اس خریدے گئے گوشت کو مُردار خون اور خنزیر کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وہ اس سے زیادہ حرام ہے۔

توضیح

حوالہ مذکورہ سے اہل تشیع کی اہل سنت سے دشمنی اور بغض و عداوت کا اظہار ہو رہا ہے۔ ایک طرف جب ان کے پیٹ کا مسئلہ آتا ہے۔ تو گدھا، کتا، خون، مرا ہوا چوہا سب جائز۔ اور دوسری طرف سُنّی کی دکان سے خریدا ہوا گوشت اس قدر قابلِ نفرت ہے۔ کہ اس جیسی نفرت والی کوئی دوسری چیز ہے ہی نہیں۔ ان کے حواس باختہ ہونے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ کہ گدھے کو حلال ثابت کرنے کے لیے یہ ضابطہ وضع کیا تھا۔ کہ جسے قرآن نے حرام کیا وہی حرام ہے دوسرا کوئی حرام نہیں۔ اس ضابطے کے پیش نظر کوئی شیعہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ایسی دکھا دے۔ جس میں یہ کہا گیا ہو — کہ سنی سے خریدا گوشت ان سے بھی بڑھ کر حرام ہے۔ استنے بڑے حرام کے لیے کوئی نص موجود نہیں۔ تو پھر اس کو حرام کہنا

کس طرح دُرست ہوا؟

حقیقت یہ ہے۔ کہ ان مسائل کا تعلق حضرت ائمہ اہل بیت سے ہرگز نہیں۔ صرف ان کا نام استعمال کر کے اپنی دکان چمکانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی روایت جو ابو بصیر کے حوالہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مذکور ہوئی۔ یہ ابو بصیر وہ راوی ہے۔ جس پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کئی بار لعنت بھیجی جوالہ کے لیے رجال کشی ملاحظہ کریں۔ ہم بارہا مذکورہ حوالہ درج کر چکے ہیں ایسے ہی ملعون اور کذاب لوگوں کی عادت کے پیش نظر امام جعفر وغیرہ ائمہ اہل بیت یہ فرمانے پر مجبور ہوئے۔ کہ لوگوں نے ہمارے کلام میں خلط ملط کر دیا ہے۔ صحیح اور غیر صحیح روایات اکٹھی کر دی گئی ہیں۔ اس لیے ہماری کسی روایت یا حدیث کے صحیح ہونے کی پہچان یہ ہے۔ کہ اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر پیش کرو۔ اگر موافقت ہو۔ تو بہتر ورنہ وہ روایات چھوڑ دو۔ اور کتاب اللہ و سنت رسول سے دامن وابستہ رکھو۔ دوسری حدیث جو ہم آگے ذکر کر رہے ہیں ذرا اس پر نظر دوڑائیں۔ اور پھر نتیجہ نکالیں۔

وسائل الشیعہ

عن بشير بن غيلان قال سألت اباعبد الله عليه السلام عن ذبائح اليهود والنصارى والنصاب قال فلوى شدقه وقال كلها الى يوم ما اقول قرينة التقية منها ظاهرة۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۳۵۷ ابواب الذبائح)

ترجمہ:

بشیر بن غیلان کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہود و نصاریٰ اور سنیوں کے ذبیحہ کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے باچھ کو مروڑا۔ اور کہا۔ غیر معینہ دن تک کھاؤ۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس ارشاد میں تقیہ کرنا واضح ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ اور نواصب کا ذبح کردہ حلال جانور کھانے کی اجازت عطا کر دی۔ لیکن خبث باطنی کا مظاہرہ کرنے سے مصنف نہ چوکا۔ ”اقول“ کا دُم چھلا لگا کر امام صاحب کی ذات کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس طرح کہ امام صاحب نے ان کے ذبائح کو کھانے کی اجازت بطور تقیہ دی ہے، اس تقیہ پر یہاں قرینہ واضح طور پر موجود ہے۔ وہ قرینہ باچھیں مروڑنا، ہی ہو سکتا ہے ہم بارہا یہ ذکر کر چکے ہیں۔ کہ خود شیعہ مورخین اس پر متفق ہیں۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا زمانہ تقیہ کا زمانہ نہ تھا۔ حالات سازگار تھے۔ لہذا ایسی جلیل القدر شخصیت پر ”تقیہ“ کی تہمت لگانا خبث باطنی سے کم نہیں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ امام صاحب کے نزدیک اس گوشت میں کوئی حرمت نہیں۔ اُن پر حرمت کا فیصلہ تھوپنا کسی بناوٹی محب کا کام ہے۔ ظالموں کو اہل سنت سے عداوت نے ائمہ اہل بیت پر افترا باندھنے کی جسارت دی۔ یہ ہے ان کی عقیدت اور محبت اہلبیت کا ثبوت مختصر یہ کہ ہم نے ان کی کتب سے چیدہ چیدہ مسائل ذکر کئے۔ جن کی نسبت امام جعفر وغیرہ ائمہ اہل بیت کی طرف کی گئی ہے۔ اور حقیقت میں ان حضرات کے اقوال و اعمال ایسے مسائل کی نہ اجازت دیتے ہیں۔ اور نہ ہی انہیں

دیکھ کر یہ خوش ہوتے تھے۔ کیونکہ عقلاً و نقلاً یہ مسائل ناقابل قبول اور حق سے دور ہیں یہ سب کچھ زرارہ، ابو بصیر وغیرہ کی پیداوار ہے کہ دھوکہ دینے کے لیے ان مسائل کی نسبت ائمہ کی طرف کردی گئی۔ اور اس سلسلہ میں زیادہ بدنام امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو کرنے کی کوشش کی گئی۔ حتیٰ کہ اپنی من مانی روایات اور خود ساختہ احادیث کی نسبت ان کی طرف کر کے اس کا مجموعی نام "فقہ جعفریہ" رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ حق و صداقت کی بصیرت عطا فرما کر حق کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ)
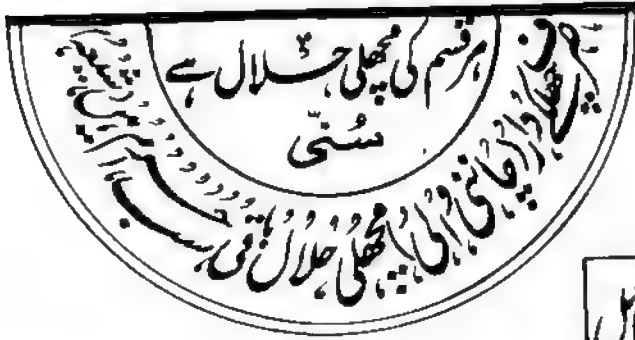
توضیح المسائل

اگر چھلکے دار مچھلی زندہ پانی سے پکڑ لی جائے۔ اور پانی سے باہر مر جائے تو پاک اور اسے کھانا حلال ہے اور اگر پانی میں مر جائے تو پاک ہے لیکن اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جس مچھلی کے اوپر چھلکے نہیں ہوتے اگرچہ وہ پانی سے زندہ پکڑ لی جائے اور پانی کے باہر وہ مرے تو وہ حرام ہے۔

(توضیح المسائل ص ۴۰۲ ذکر مچھلی کا شکار مصنفہ امام خمینی)

فروع کافی

عن عبد اللہ بن مغیرہ عن عبد اللہ بن سنان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کان امیرالمومنین۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام بالکوفۃ یَرکَبُ بَغلَۃَ رَسُولِ اللہِ ثُمَّ یَمُرُّ بِسُوقِ الحِیتَانِ فَیَقُولُ لَا

تَاكُلُوْا وَلَا تَبِيْعُوْا مِنَ السَّمَكِ مَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ قِشْرٌ ...... عَنْ حَنَانَ بْنِ سَدِيْدٍ قَالَ سَأَلَ الْعَلَاءُ بْنُ كَامِلٍ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَنَا حَاضِرٌ عَنِ الْجِرِّيِّ فَقَالَ وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَشْيَاءَ مُحَرَّمَةً مِنَ السَّمَكِ فَلَا تَقْرَبْهَا ثُمَّ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ قِشْرٌ مِنَ السَّمَكِ فَلَا تَقْرَبَنَّهٗ۔

(فروع کافی جلد ۶ ص ۲۲۱ کتاب الصید
مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کوفہ شہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر ایک بازار میں سے گزر رہے تھے۔ وہاں مچھلیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ تو آپ نے فرمایا جب تک کسی مچھلی پر چھلکے نہ ہوں۔ تو نہ اس کو کھاؤ۔ اور نہ ہی اس کی خرید و فروخت کرو..... علاء بن کامل نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک مچھلی کے بارے میں پوچھا۔ میں اس وقت موجود تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی کتاب میں مچھلی کی بہت سی اقسام کو حرام لکھا ہوا پایا۔ لہٰذا ہمیں ان کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب تک مچھلی چھلکوں والی نہ ہو۔ ہم اس کے ہرگز قریب نہیں جائیں گے۔

ضروری نوٹ: مچھلی کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ مذکورہ دو عدد حوالہ جات

سے آپ نے ملاحظہ کیا۔ اس جگہ مچھلی کے ساتھ "وما لم یکن لہ قشر" یعنی چھلکے دار ہونے کی پابندی لگائی گئی ۔ یہ پابندی کہاں سے لی گئی ؟ اس کا کوئی سرا نہیں ملتا۔ کیونکہ ان کی تمام کتب فقہیہ وغیرہ فقیہہ میں ایک حدیث بھی اس پابندی کی تائید میں موجود نہیں ہے۔ تہذیب الاحکام میں جو تقریباً پچاس احادیث اسی موضوع پر ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً صحیح ثابت نہیں۔ فروع کافی کی بھی یہی نوعیت ہے۔ ان تمام احادیث کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ائمہ اہل بیت کی طرف ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ قید شرعی تھی۔ تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیوں چھپائے رکھا۔ حالانکہ اہل تشیع بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ نبی تقیہ نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ اس طرح حلال وحرام کا امت تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔ ملاحظہ ہو۔

نبی شرعی مسائل میں تقیہ نہیں کرتا

تلخیص الشافی

فَاَمَّا الرَّسُوْلُ فَاِنَّمَا لَمْ تَجُزِ التَّقِيَّةُ عَلَيْهِ لِاَنَّ الشَّرِيْعَةَ لَا تُعْرَفُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهٖ وَلَا يُوْصَلُ اِلَيْهَا اِلَّا بِقَوْلِهٖ فَمَتٰى جَازَتِ التَّقِيَّةُ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لَنَا اِلَى الْعِلْمِ بِمَا كُلِّفْنَاهُ طَرِيْقٌ۔

(تلخیص الشافی جلد سوم ص ۸۷
مطبوعہ قم جدید)

ترجمہ: بہرحال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تقیہ کرنے کا قول

کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ شریعت کی معرفت صرف ان کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ اور اس کی طرف آگاہی بجز قولِ رسول کے نہیں ہو سکتی۔ سو اگر تقیہ کا جواز متصور ہو تو پھر ہمیں اپنے بارے میں احکام کا علم کسی اور طریقہ سے کیسے ہو گا؟

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و حرام میں سے کسی کو نہ غلط بیان کیا۔ اور نہ کسی کے ڈر کے مارے اُسے چھپایا۔ بلکہ حقیقت حال واضح فرمادی۔ اب زیر بحث مسئلہ میں پوری کتب شیعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مچھلی کے حلال ہونے کے بارے میں مذکورہ شرط مذکور نہیں۔ ہاں اہل تشیع اس بات کے قائل ہیں۔ کہ امام وقت مسائل شرعیہ و احکام دینیہ میں تقیہ کر سکتا ہے۔ اور ایک ہی مسئلہ کے مختلف جوابات دے سکتا ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

اصول کافی

عن زرارة بن اعين عن ابى جعفر عليه السلام قال سَأَلْتُهُ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَاَجَابَنِيْ ثُمَّ جَاءَهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَاَجَابَهُ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِيْ ثُمَّ جَاءَهُ رَجُلٌ اٰخَرُ فَاَجَابَهُ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِيْ وَاَجَابَ صَاحِبِيْ فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلَانِ قُلْتُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَجُلَانِ مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ شِيْعَتِكُمْ قَدِمَا يَسْئَلَانِ فَاَجَبْتَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِغَيْرِ مَا اَجَبْتَ بِهٖ صَاحِبَهُ؟ فَقَالَ يَا زُرَارَةُ اِنَّ هٰذَا خَيْرٌ لَنَا وَاَبْقٰى لَنَا وَلَكُمْ وَلَوْ اِجْتَمَعْتُمْ عَلٰى اَمْرٍ وَاحِدٍ لَصَدَّقَكُمُ النَّاسُ عَلَيْنَا وَلَكَانَ اَقَلَّ بِبَقَائِنَا

وَبَقَائِكُمْ قَالَ ثُمَّ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ شِيْعَتُكُمْ لَوْحَمَلْتُمُوْ هُمْ عَلَی الْاَسِنَّةِ اَوْ عَلَی النَّارِ لَمَضَوْا وَهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ عِنْدِكُمْ مُخْتَلِفِيْنَ قَالَ فَاَجَابَنِیْ بِمِثْلِ جَوَابِ اَبِيْهِ۔

(اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۶۵
مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

زرارہ بن اعین کہتا ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔ پھر ایک شخص اور آیا۔ اور اس نے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا۔ امام نے اسے مجھے دیئے گئے جواب کے خلاف جواب دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا۔ اس نے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا۔ امام نے اسے ہم دونوں کے جواب سے الگ تیسرا جواب دیا۔ جب وہ دونوں آدمی چلے گئے۔ تو میں نے عرض کیا۔ اے فرزند رسول! دونوں آدمی عراقی تھے۔ آپ کے شیعہ تھے۔ سوال پوچھنے کے لیے آئے تھے۔ آپ نے دونوں کو ایک ہی سوال کا الگ الگ جواب دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اے زرارہ! ایسا کرنا ہمارے لیے بہتر ہے۔ اور اس میں ہماری اور تمہاری زندگی ہے۔ اگر تم ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تمہیں اپنی مجلس سے نکال دیں گے۔ پھر ہماری اور تمہاری زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ پھر زرارہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا۔ آپ کے شیعہ ایسے فرمانبردار ہیں۔ اگر انہیں نیزوں کے سامنے کر دیا آگ میں کود نے کا حکم دو۔ وہ فوراً بجا لائیں گے۔ لیکن جب

وہ مختلف جواب سنتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔ تو امام جعفر نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا کہ ان کے والد نے جواب دیا تھا۔

مچھلی کے حلال و حرام ہونے کے بارے میں ائمہ اہل بیت کے مختلف فتوے

حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک مچھلی کی بہت سی اقسام حرام ہیں۔ صرف چھلکے والی مچھلی حلال ہے

تہذیب الاحکام

عَنْ اَبِیْ فَضْلٍ عَنْ غَیْرِ وَاحِدٍ مِنْ اَصْحَابِنَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ الْجَارِیُّ وَالْمَارْمَاھِیْ وَالطَّافِیْ حَرَامٌ فِیْ کِتَابِ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۵ باب الصید والذبائح)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶ صفحہ ۴۰۳/ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگوں نے روایت کی۔ کہ آپ نے فرمایا۔ مچھلی کی جری اور مارماہی اور مر کر پانی پر تیرنے والی

اقسام حضرت علی کی کتاب میں حرام ہیں۔

فروع کافی

علی بن ابراھیم عن ابیہ عن عبد اللہ بن المغیرہ عن عبد اللہ بن سنان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کان امیر المومنین علی بن ابی طالب بِالْكُوْفَةِ يَرْكَبُ بَغْلَةَ رَسُوْلِ اللهِ ثُمَّ يَمُرُّ بِسُوْقِ الْحِيْتَانِ فَيَقُوْلُ لَا تَاكُلُوْا وَ لَا تَبِيْعُوْا مِنَ السَّمَكِ مَالَمْ يَكُنْ لَهٗ قِشْرٌ .... عَنْ حَنَانِ بْنِ سدید قَالَ سَاَلَ العلاء بن کامل اَبَا عَبْدِ اللهِ وَاَنَا حَاضِرٌ عَنِ الْجِرِّیْ فَقَالَ وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ عَلِیٍّ اَشْیَاءَ مُحَرَّمَةً مِنَ السَّمَكِ فَلَا تَقْرَبْهَا ثُمَّ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ مَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ قِشْرٌ مِنَ السَّمَكِ فَلَا تَقْرَبَنَّهٗ۔

(فروع کافی جلد ۶ ص ۲۲۰ کتاب الصید۔)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ کی خچر پر سوار ہو کر کوفہ کے بازار مچھلی فراشاں سے گزرے تو آپ نے فرمایا۔ کہ جس مچھلی کے چھلکے نہ ہوں تو اُسے کھاؤ اور نہ اس کا لین دین کرو۔ علاء بن کامل نے امام جعفر سے پوچھا۔ میں اس وقت حاضر تھا۔ کہ جری مچھلی کا کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ ہم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کتاب میں بہت سی مچھلی کی اقسام حرام پائیں۔ لہٰذا تم ان کے قریب نہ جاؤ پھر فرمایا۔

جب تک چھلکے والی مچھلی نہ ہو۔ قریب مت جاؤ۔

امام جعفر صادق کے نزدیک جری مچھلی کے علاوہ کوئی دوسری مچھلی مکروہ نہیں ہے

تہذیب الاحکام

عَنْ مُحَمَّد الحلبی قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ لَا یَکْرُہُ شَیْئٌ مِنَ الْحِیْتَانِ اِلَّا الْجِرِّیُّ۔

(تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۵/ باب فی الصید والذبائح)

ترجمہ:

امام جعفر صادق نے فرمایا۔ مچھلی کی جری قسم مکروہ ہے۔ اس کے سواء بقیہ تمام اقسام حلال ہیں۔

صرف جریث نامی مچھلی مکروہ ہے۔ (امام جعفر صادق)

تہذیب الاحکام

عن فضالہ عن ابان عن جریز عن حکم عن ابی عبد اللہ قَالَ لَا یَکْرُہُ مِنَ الْحِیْتَانِ شَیْئٌ اِلَّا

اَلْجَرِیْثُ۔

(تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۵)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جریث نامی مچھلی کے سوا کوئی مچھلی مکروہ نہیں ہے۔

سب مچھلیاں حلال ہیں (امام جعفر صادق)

تہذیب الاحکام

عنہ عن عبد الرحمن بن ابی نجران عن عاصم بن حمید عن محمد بن مسلم قال سألت ابا عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الْجَرْیِ وَ الْمَارِ مَاھِی و الزمیر وَ مَا لَہٗ قِشْرٌ مِنَ السَّمَكِ حَرَامٌ هُوَ؟ فَقَالَ لِی یا مُحَمَّدُ اِقْرَأْ هٰذِهِ الْاٰیَةَ فِی الْاَنْعَامِ (قُلْ لَا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ الخ) قَالَ فَقَرَأْتُهَا حَتّٰی فَرَغْتُ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّمَا الْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ فِیْ كِتَابِهٖ وَلٰكِنَّهُمْ قَدْ كَانُوْا یَعَافُوْنَ اَشْیَاءَ فَنَحْنُ نَعَافُهَا۔

(تہذیب الاحکام جلد ۹ ص ۶ کتاب فی الصید والذبائح)

ترجمہ:

محمد بن مسلم کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے جری

مارماہی زمیر اور چھلکے والی مچھلی کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ حرام ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ اے محمد! آیت پڑھو۔ جو سورہ انعام میں ہے۔ قل لا اجد فی ما اوحی الی (الخ) میں نے جب مکمل پڑھی۔ تو فرمانے لگے۔ حرام وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے لیکن لوگ مچھلیوں کی ان اقسام سے بچتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی اجتناب کرتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ

گزشتہ حوالہ جات کو بار بار پڑھیں اور ان کے مضامین کو باہم ملائیں۔ آپ ان میں تطبیق نہ دے سکیں گے۔ بہر حال یہ بات مسلم ہے۔ کہ پیغمبر احکام شرعیہ میں تقیہ نہیں کرتا۔ مچھلی کے بارے میں "چھلکے دار" ہونے کی شرط اہل تشیع کی کسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا جن کے کلام میں تقیہ نہ تھا۔ انہوں نے اس شرط کو نہ لگایا۔ اور جن لوگوں نے یہ شرط لگائی۔ وہ ائمہ اہل بیت ہیں۔ اور ان کا تقیہ کرنا جائز ہی نہیں بلکہ فی الفعل اسی مسئلہ میں موجود ہے۔ سب سے پہلے امام علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی طرف ایک کتاب کے حوالہ سے یہ ثابت کیا گیا۔ کہ انہوں نے صرف چھلکے والی مچھلی کو حلال فرمایا۔ اس کے علاوہ تمام اقسام کی مچھلیاں حرام ہوئیں۔ ان اقسام میں سے خاص کر جری، مارماہی اور طافی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے بعد امام جعفر صادق کا قول مذکور ہوا۔ جس میں انہوں نے صرف جری نامی مچھلی کی حرمت کا قول کیا ہے۔ طافی اور مارماہی وغیرہ کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ جری کی استثناء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مؤخر الذکر دونوں اقسام حلال ہیں۔ حالانکہ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی کتاب کے حوالہ کے مطابق یہ دونوں حرام ہیں۔ اب ان دونوں میں سے کونسا قول

درست ہے اور کونسا غلط؟ ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب امام بطور تقیہ مسئلہ شرعی بیان کر سکتا ہے۔ تو ممکن ہے۔ کہ علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کر کے ان کو حرام کہا ہو یا امام جعفر صادق نے بطور تقیہ ان کو حلال کہا ہو۔ پھر اس کے بعد امام جعفر صادق کا ایک اور قول منقول ہے۔ کہ صرف جریث نامی مچھلی حلال ہے۔ اس قول میں "جری" کا تذکرہ بھی نہیں ایک نئی قسم کی حرمت پائی گئی ہے۔ اول قول کے مطابق یہ قسم حلال اور جری حرام اس قول کے مطابق جری حلال اور جریث حرام۔ اب کیا فیصلہ کریں۔ اور کیسے کریں؟ بالآخر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر فرما دیا۔ کہ ہماری باتوں میں چونکہ ہمارے ہی مار آستینوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ بلکہ من گھڑت باتیں ہماری حدیث بنا کر شیعوں کے سامنے پیش کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ اب ہمیں یہ کہنا پڑا ہے۔ کہ ہماری ہر وہ بات قابل تسلیم نہیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ لہٰذا حلت و حرمت میں کسی مچھلی کو حلال وحرام قرار دینے کی ہمیں کیا ضرورت۔ اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا ہے۔ ہاں ہم بھی لوگوں کے دیکھا دیکھی کچھ مچھلیاں نہیں کھاتے۔ نہ کھاتا اور بات ہے اور اُسے حرام قرار دینا اور بات۔ آخری بات خود جو سب پر حاوی ہے وہ یہ کہ ائمہ اہل بیت نے یہ سب کچھ بطور تقیہ کیا اور کہا ہے۔ حقیقت مسئلہ وہ جانیں یا ان کا خدا جانے۔ وسائل الشیعہ ص ۴۰۲ جلد ۱۶ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ انہیں بار بار پڑھیں۔ مع احتمال حمل الجمیع علی التقیة یعنی یہ احتمال بھی موجود ہے۔ کہ مذکورہ تمام تر روایات تقیہ کا شاہکار ہوں۔ مختصر یہ کہ جب روایات ائمہ اہل بیت باہم متعارض اور متخالف ہیں۔ تو اس تعارض نے انہیں درجہ سقوط میں رکھ دیا۔ لہٰذا ایسے موقعہ پر اس سے بالا دلیل پر عمل ہوتا ہے۔ اور وہ قرآن وسنت ہی ہیں۔ اس بات کا علم شیعہ لوگوں کو بھی ہے۔ کہ مچھلی علی الاطلاق حلال ہے۔ لیکن چونکہ یہ اہل سنت کا مسلک بن گیا۔ اس لیے وہ شیعہ ہی کس کام کا

جو اہل سنت کی فقہی جزئیات کی مخالفت نہ کرے۔ اس لیے انہیں مخالفت کے لیے دو آدمیوں کی روایت بھی ایسے مقام پر کام دے جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اصول کافی

فَإِنْ كَانَ الْخَبَرَانِ عَنْكُمَا مَشْهُوْرَيْنِ قَدْ رَوَاهُمَا الثِّقَاتُ عَنْكُمْ قَالَ يُنْظَرُ فَمَا وَافَقَ حُكْمُهُ حُكْمَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَخَالَفَ الْعَامَّةَ فَيُؤْخَذُ بِهِ وَيُتْرَكُ مَا خَالَفَ حُكْمُهُ حُكْمَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَوَافَقَ الْعَامَّةَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ الْفَقِيهَانِ عَرَفَا حُكْمَهُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَوَجَدْنَا أَحَدَ الْخَبَرَيْنِ مُوَافِقًا لِلْعَامَّةِ وَالْآخَرَ مُخَالِفًا لَهُمْ بِأَيِّ الْخَبَرَيْنِ يُؤْخَذُ؟ قَالَ مَا خَالَفَ الْعَامَّةَ فَفِيهِ الرَّشَادُ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ فَإِنْ وَافَقَهُمَا الْخَبَرَانِ جَمِيعًا قَالَ يُنْظَرُ إِلَى مَا هُمْ إِلَيْهِ أَمْيَلُ حُكَّامُهُمْ وَقُضَاتُهُمْ فَيُتْرَكُ وَيُؤْخَذُ بِالْآخَرِ۔

(اصول کافی جلد اول ص ۶۸ کتاب فضل العلم)

ترجمہ:

اگر دو حدیثیں آپ دونوں سے مشہور ہوں۔ اور انہیں آپ سے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہو۔ (تو ان میں سے کس پر عمل کیا جائے گا؟) فرمایا دیکھا جائے۔ کہ جو روایت اللہ کی کتاب اور حضور کی سنت کے مطابق حکم والی ہو۔ اور عام (اہل سنت) کے خلاف ہو۔ اس پر عمل کیا جائے گا۔

اور جو عام (اہل سنت) کے موافق ہو اور کتاب وسنت کے حکم سے اس کا حکم مخالف ہو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا۔ میری جان آپ پر نثار! آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ دو فقہاء کرام نے اپنی اپنی روایت کا حکم، کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے معلوم کیا ہو لیکن ہم ان دونوں میں سے ایک کو عام (اہل سنت) کے موافق اور دوسری کو ان کے مخالف پائیں۔ تو ان دونوں میں سے کس پر عمل کیا جائے گا؟ فرمایا۔ جو عام (اہل سنت) کے خلاف ہے اس میں ہی بہتری اور ہدایت ہے۔ میں نے پھر عرض کیا۔ میری جان آپ پر قربان! اگر دونوں روایتیں عام (اہل سنت) کے موافق ہوں تو پھر کیا کیا جائے؟ فرمایا۔ پھر دیکھو کہ جس کی طرف ان کے حکام اور قاضیوں کا میلان ہے اسے چھوڑ دو اور دوسری کو لے لو۔

مچھلی کے تمام اقسام کی حِلّت پر اہل سُنّت کے دلائل

دلیل اوّل

حدیث پاک کی عمومیت

البنایہ فی شرح الہدایہ

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ اَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالسَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَاَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ.

وَالطِّحَالُ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ۔ جلد ۹ ص ۹۶
مطبوعہ دارالفکر طبع جدید)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ ہمارے لیے دو خون اور دو مری ہوئی اشیاء حلال کر دی گئی ہیں۔ دو مری ہوئی اشیاء میں سے ایک مچھلی اور دوسری مکڑی ہے۔ اور دو خونوں میں سے پہلا جگر اور دوسرا تلی ہے۔ (اس حدیث پاک میں مچھلی کو کسی قید و شرط کے بغیر ذکر کرنا اس کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔)

دلیل دوم

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے جریث کو حلال فرمایا

البنایہ فی شرح الہدایہ

وروی محمد فی الاصل عن عمر وابن وهب عن عمره بیان الطبیخ قُلْتُ خَرَجْتُ مَعَ وَلِيدَةٍ لَنَا فَاشْتَرَيْنَا جِرِّيثَةً بِقَفِيزِ حِنْطَةٍ فَوَضَعْنَاهَا

فِیْ ذَنْبِہٖ فَخَرَجَ رَأْسُہَا مِنْ جَانِبٍ وَذَنْبُہَا مِنْ جَانِبٍ اٰخَرَ فَمَرَّ بِنَا عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ "بِکَمْ اَخَذْتِ" قَالَتْ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ "اَطْیَبُہٗ مَا اَرْخَصَہٗ وَاَوْسَعَہٗ لِلْعِیَالِ" فِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الْجِرِّیْثَ یُؤْکَلُ لِاَنَّہٗ نَوْعٌ مِنَ السَّمَکِ فَیُجْعَلُ کَسَائِرِ الْاَنْوَاعِ وَھٰذَا الْحَدِیْثُ حُجَّۃٌ لَنَا عَلٰی بَعْضِ الرَّافِضِیْنَ وَاَھْلِ الْکِتَابِ فَاِنَّہُمْ یُنْکِرُوْنَ اَکْلَ الْجِرِّیْثِ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ کَانَ دَیُّوْثًا یَدْعُوْنَ النَّاسَ اِلٰی حَلِیْلَتِہٖ فَمُسِخَ بِہٖ۔ وَھُوَ مَتْرُوْکٌ بِقَوْلِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَذَا قَالَ خَوَاھَرْ زَادَہْ فِیْ شَرْحِہٖ وَرَوٰی مُحَمَّدٌ اَیْضًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الْجِرِّیْثِ فَقَالَ اَمَّا نَحْنُ فَلَا نَرٰی بِہٖ بَأْسًا وَاَمَّا اَھْلُ الْکِتَابِ فَیُکْرِھُوْنَ فَاِذَا صَحَّ عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ اِبَاحَۃَ الْجِرِّیْثِ وَلِمَرِّیْرِ وَغَیْرِھِمَا خِلَافٌ حَلَّ ذَالِکَ مَحَلَّ الْاِجْمَاعِ۔

البنایہ فی شرح الہدایہ جلد ۹
ص ۱۰ (مطبوعہ دار الفکر)

ترجمہ:

امام محمد نے اصل میں بواسطہ عمرو بن وہب، عمرہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی ہیں۔ کہ میں اپنی ایک لڑکی کی معیت میں بازار گئی۔ وہاں سے ہم نے ایک جریث (مچھلی) گندم کی ایک بوری کے بدلہ میں خریدی۔ اور اُسے

زنبیل میں رکھ لیا۔ اس کا ایک سر زنبیل کی ایک طرف سے اور دوسرا سر دوسری طرف سے باہر نکلا ہوا تھا۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرے۔ اور پوچھا۔ کہ یہ کتنے درہم کی خریدی ہے؟ میں نے آپ کو اس کی قیمت بتائی۔ تو فرمانے لگے۔ اللہ نے جو تمہیں اتنی سستی دلوا دی اُسے کھاؤ اور اپنے بال بچوں کے لیے اس میں وسعت ہے۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں جریث مچھلی کے ماکول ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ بھی مچھلی کی ہی ایک قسم ہے۔ لہذا اس کا معاملہ بھی بقیہ تمام مچھلیوں کا سا ہونا چاہیئے یہ حدیث ہم اہل سنت کے لیے بعض رافضیوں اور اہل کتاب کے خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جریث کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ (جریث) ایک بے غیرت آدمی تھا۔ جو لوگوں کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کے لیے بلایا کرتا تھا۔ تو اس جرم کی پاداش میں اس آدمی کو جریث مچھلی کی صورت میں مسخ کر دیا گیا۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کی وجہ سے ان (رافضیوں، اہل بیت) کی دلیل ختم ہو گئی۔ خواہر زادہ نے اس کی شرح میں اسی طرح کہا ہے۔ امام محمد نے حضرت ابن عباس سے بھی روایت کی ہے کہ ان سے جریث کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ بہر حال ہم اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں پاتے۔ ہاں اہل کتاب اسے مکروہ کہتے ہیں لہذا جب حضرت علی المرتضےٰ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جریث کی اباحت روایت صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے اس کا خلاف موجود نہیں۔ تو پھر جریث مچھلی کی حلت "اجماع امت" کے طور پر ثابت ہو گئی۔

لمحۂ فکریہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارشادعالی سے جریث مچھلی کی حلت بالاتفاق ثابت ہوئی۔ اسی مچھلی کو بلی مچھلی بھی کہتے ہیں۔ لہٰذا رافضیوں کا اس کو حرام یا مکروہ کہنا بالکل غلط ہوا۔ اگر اس کی کوئی درست صورت ہوتی۔ تو کم ازکم تمام ائمہ اہل بیت تو اس پر اتفاق کرتے۔ لیکن گزشتہ حوالہ جات میں آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ ان کا باہم شدید اختلاف ہے۔ بلکہ ایک ہی امام کے متضاد اقوال موجود ہیں۔ اس کا واضح نتیجہ یہ ہے۔ کہ ان جلیل القدر حضرات سے ایسے متضاد اقوال کا صدور خلاف منصب ہے۔ اس لیے یہ اقوال ان کی طرف سے لوگوں نے خود بنا کر کتابوں میں درج کر دیئے ہیں۔ اب ان اقوال پر اعتماد بالکل اٹھ گیا۔ اس لیے بالآخر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی طرف پلٹے بغیر کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اور خود کتب شیعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ایک حدیث بھی اس سلسلہ میں موجود نہیں۔ ہم نے جریث مچھلی کے بارے میں ایک صریح حدیث جو ہر قسم کی مچھلی کی حلت بیان کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک شہادت پیش کی ہے۔ اس کے بعد اب رافضیوں کے پاس اور کون سی حجت باقی رہ جاتی ہے۔ جس کی بنا پر ان کے مقابلہ میں اُسے لایا جائے۔ اور ان سے ثابت شدہ حلت کو چھوڑ کر حرمت کا قول کیا جائے۔ محض اہل سنت کی مخالفت برائے مخالفت سے کیا فائدہ؟ لہٰذا ہر قسم کی مچھلی کی حلت ہی حکم شرعی ہے۔

بحث دوم

خرگوش کی حلت و حرمت میں شیعہ سنی اختلاف

وسائل الشیعہ

وَفِي عُيُونِ الْأَخْبَارِ وَفِي الْعِلَلِ بِأَسَانِيدَ تَأْتِي فِي آخِرِ الْكِتَابِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ عَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا كَتَبَ إِلَيْهِ مِنْ جَوَابِ مَسَائِلِهِ فِي الْعِلَلِ وَحُرِّمَ الْأَرْنَبُ لِأَنَّهَا بِمَنْزِلَةِ السِّنَّوْرِ وَلَهَا مَخَالِبُ كَمَخَالِبِ السِّنَّوْرِ وَسِبَاعِ الْوَحْشِ فَجَرَتْ مَجْرَاهَا مَعَ قَذَرِهَا فِي نَفْسِهَا وَمَا يَكُونُ فِيهَا مِنَ الدَّمِ كَمَا يَكُونُ مِنَ النِّسَاءِ لِأَنَّهَا مَسْخٌ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۶
ص ۳۸۳/ابواب الاطعمۃ۔
(۲/العلل الشرائع باب ۵ ۳۳
ص ۴۸۲)

ترجمہ:

محمد بن سنان امام رضا سے روایت کرتا ہے۔ کہ آپ نے کچھ مسائل کے جواب میں جو مختلف علتوں کے بارے میں تھے اسے لکھا خرگوش

حرام ہے۔ کیونکہ بلی کی طرح ہے۔ اور اس کے پنجے بھی بلی جیسے ہی ہیں۔
اور دوسرے وحشی پھاڑ کر کھانے والوں کی طرح اس کے پنجے ہیں۔
لہذا یہ بھی ان کے حکم میں ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی ذات میں گندگی
بھی ہے۔ اور وہ خون بھی جو عورتوں میں ہوتا ہے (یعنی حیض و نفاس کا خون)
کیونکہ خرگوش مسخ شدہ عورت ہے۔

توضیح:

عبارت بالا میں خرگوش کی حرمت کی تین وجوہات بیان ہوئیں۔(۱) خرگوش بلی کی طرح ہے اس لیے
جب بلی حرام ہے تو یہ بھی حرام۔(۲) اس میں گندگی (حیض و نفاس) ہے (۳) بدکرداری کی
وجہ سے یہ ایک عورت کی مسخ شدہ حالت ہے۔

جواب وجہ اوّل

خرگوش اور بلی کی مشابہت درست نہیں۔ کیونکہ مشابہت جس چیز میں دی گئی۔ وہ
دونوں کے پنجے ہونے میں ہے۔ لیکن ہر ذی عقل اس فرق کو جانتا ہے۔ کہ بلی اور
خرگوش کے پنجوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ بلی ان درندوں میں سے ہے۔
جو اپنا شکار پنجے کے ذریعہ پکڑتے ہیں۔ اور اُسے چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ اور
خرگوش میں یہ چیز بالکل موجود نہیں ہے۔ وہ نہ کسی کو چیرتا پھاڑتا ہے۔ اور نہ ہی
اپنی خوراک بنانے کے لیے پنجوں سے شکار کرتا ہے۔ اس لیے یہ قیاس "قیاس
مع الفارق" ہوگا۔ اور یہ اصولی طور پر درست نہیں ہوتا۔ اور اس سے بڑھ کر
اسے "سباع الوحش" میں سے شمار کرنا اور بھی عقل سے گری ہوئی بات ہے۔
کیونکہ اسے کسی نے بھی درندہ جانوروں میں سے شمار نہیں کیا۔ لہذا اتنی گھٹیا بات

اور پھر اُسے امام رضا رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا کس طرح اِسے باور کیا جا سکتا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی نے اُن کی طرف من گھڑت طریقے سے یہ روایت کتابوں میں درج کر دی ہے۔ اس کی تائید ہم اس سے بھی کر سکتے ہیں۔ کہ بلی کے پنجوں کو "مخالب" کہہ کر خرگوش کو "ذی مخلب" بتانا اس لفظ سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ اس کا قائل یہ بھی نہیں جانتا۔ کہ "مخلب" کن جانداروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جو "وحشی درندے" ہیں۔ ان کے پنجوں کے لیے عربی میں کیا لفظ ہے۔ کتب شیعہ سے اس کی مثال سنیئے۔

العلل الشرائع:

قَالَ اَبِیْ عَلَیْہِ السَّلَامُ کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ حَرَامٌ۔

(العلل الشرائع باب ۲۳۵ ص ۴۸۲)

ترجمہ:

امام موسیٰ کاظم نے فرمایا۔ درندوں میں سے ہر ذی ناب حرام ہے۔ اور پرندوں میں سے ہر ذی مخلب حرام ہے۔

گویا خرگوش کو "ذی مخلب" کہہ کر اسے پرندوں میں شمار کیا گیا۔ حالانکہ یہ پرندہ نہیں۔ اور بلی کے ساتھ تشبیہ دے کر درندہ بتایا گیا۔ حالانکہ یہ درندہ بھی نہیں مختصر یہ کہ نہ تو خرگوش، بلی کی طرح اپنی خوراک چیر پھاڑ کر کھاتا ہے۔ اور نہ ہی پرندوں کی طرح اڑتا ہے۔ اور اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ اس لیے خرگوش کو بلی کے مشابہ قرار دینا عقل و نقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہ ہوا۔

جواب وجہ ثانی:

خرگوش کی گندگی اس کی حرمت کی دلیل بھی پہلی دلیل کی طرح غلط ہے اول تو روایت مذکورہ ہی قابل استدلال نہیں۔ اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی مفید حرمت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ وہ اس طرح کہ خرگوش میں گندگی اس وجہ سے بیان کی گئی ہے کہ یہ ایک بدکار اور فاحشہ عورت تھی۔ اپنے خاوند کی نافرمان تھی۔ کیونکہ یہ حیض ختم ہونے پر غسل نہیں کرتی تھی۔ گویا خرگوش دراصل عورت تھی۔ اب انسانوں میں سے عورت ہو یا مرد اس کے حرام ہونے کی وجہ سے نفاس یا جنابت وغیرہ سے پاک نہ ہونا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کرامت وعظمت کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا ہے۔ اگر یہی علت ہوتی۔ تو پھر ہر اس مرد وعورت کو حلال سمجھ کر کھانا درست ہوتا۔ جس میں یہ گندگی نہ ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ تو جب یہ طے پایا کہ مرد وعورت کی حرمت اس کی تکریم کے باعث ہے۔ تو اگر ایک عورت کی شکل کسی غلطی کے ارتکاب سے مسخ کر دی گئی۔ تو اس میں حرمت حیض وغیرہ سے کیسے آ گئی۔ علاوہ ازیں اگر یہ عجیب و غریب منطق و دلیل دیکھی جائے۔ تو زیادہ سے زیادہ مادہ خرگوش کی حرمت ثابت کرے گی۔ نر خرگوش میں جب یہ علت نہیں تو پھر اسے کیوں حرام کہا جاتا ہے عنقریب اس پر ایک حوالہ آ رہا ہے۔ لہٰذا خرگوش کی حرمت کی علت "حیض" قرار دینا بھی درست نہ ہوا۔

جواب وجہ ثالث

خرگوش دراصل مسخ شدہ عورت ہے۔ اس لیے مسخ شدہ ہونے کی وجہ سے یہ حرام ہے۔ اس کی تردید پہلے گزر چکی ہے۔ کہ روایت مذکورہ صحیح نہیں۔ جو حرمت کی

دلیل بن سکے۔ کیونکہ حرمت کے لیے دلیل قطعی چاہیئے۔ جو آپ کے پاس ہے نہیں۔

اسی علت کی دوسری تردید ہم یوں کرتے ہیں۔ کہ جن مردوں یا عورتوں کی شکلیں مسخ کی گئیں۔ آخر اُن کی کوئی وجہ ہو گی۔ کوئی شدید نافرمانی اُن سے صادر ہوئی ہو گی۔ تبھی تو اللہ پاک نے انہیں شکل انسانی میں رہنے نہ دیا۔ اس سلسلے میں اہل تشیع جو وجہ بیان کرتے ہیں۔ وہ قابل دیدنی بھی ہے۔ اور قابل عبرت بھی۔

وسائل الشیعه

فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی مَسَخَ قَوْمًا سَبْعَمِائَةِ اُمَّةٍ عَصَوُا الْاَوْصِيَاءَ بَعْدَ الرُّسُلِ فَاَخَذَ اَرْبَعَمِائَةٍ مِنْهُمْ بَرًّا وَ ثَلَاثُمِائَةٍ بَحْرًا ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ "فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ"۔

(وسائل الشیعه جلد ۱۶ ص ۳۸۲
کتاب الاطعمة)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے سات سو قسم کے لوگوں کی شکلیں مسخ کیں۔ انہوں نے انبیاء کرام کے بعد ان کے "وصی" لوگوں کی نافرمانی کی۔ ان میں سے چار سو خشکی میں چلے گئے۔ اور تین سو سمندر دریاؤں میں جا بسے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ فجعلنا ھم احادیث الخ)

خرگوش اور مختلف جانوروں کی صورت میں جن مردوں اور عورتوں کی شکلیں مسخ کی گئی۔ اس کی عجیب علت آپ نے ملاحظہ کی۔ یہ علت اس لیے عجیب ہے کہ

اس کی وجہ سے ہی اہل تشیع کے نزدیک انبیاء کرام پر ابتلاء وآزمائش کا دور گزرا۔ آدم نے اس کی پاداش میں جنت گنوایا۔ سالوں بھر توبہ تائب کرنا پڑا۔ نوح کو طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔ ابراہیم کو آگ میں جانا اور اسماعیل کو چھری تلے لیٹنا پڑا۔ ان تمام خرافات کا تذکرہ ہم عقائد جعفریہ جلد اول میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ خرگوش کے مسخ ہونے کو علت حرمت قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

تردید وجہ ثالث

خرگوش ایک بدکار کی مسخ شدہ صورت کا نام ہے۔ اس لیے حرام ہے۔ یہ بھی دھوکہ اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اہل تشیع و اہل سنت دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جن لوگوں کی شکلیں مسخ ہوئی۔ وہ تین دن سے زائد تک زندہ نہ رہے۔ اس لیے خرگوش جو کسی عورت کی بدکرداری کی صورت میں بنا تھا۔ وہ تو تین دن کے بعد فنا ہو گیا تین دن تک کا اتفاق ملاحظہ ہو۔

وسائل الشیعہ

محمد بن علی بن حسین قال رُوِیَ اَنَّ الْمَمْسُوْخَ لَمْ یَبْقَ اَکْثَرَ مِنْ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ وَاِنَّ ھٰذِہٖ مَثَلٌ لَھَا فَنَھَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَنْ اَکْلِھَا۔

(۱ - وسائل الشیعہ جلد ۱۶ ص ۳۸۳)

(۲ - البنایہ فی شرح الھدایہ جلد ۹ ص ۸۹)

ترجمہ:

محمد بن علی بن حسین نے کہا۔ کہ جن اشخاص کی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔ وہ تین دن سے زائد زندہ نہ رہے۔ اور اس وقت جو موجود ہیں۔ وہ ان کی مثل ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

اس حوالہ سے یہ ثابت ہوا۔ کہ تمام مسخ شدہ صورتوں والے تین دن کے بعد ختم ہو گئے تھے۔ لہٰذا ان کے کھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اس حوالہ کے آخری الفاظ پر غور کریں۔ تو دراصل یہ خرگوش کی حرمت کی ایک طرح سے چوتھی علت بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ چونکہ اس کی شکل و صورت بھی اسی خرگوش کی طرح ہے۔ جو ایک عورت کے مسخ کرنے پر بنی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے کھانے سے منع کر دیا ہے۔ یہ بہانہ بھی اسی طرح کلیۃً سر دیا ہے جس طرح پچھلے دو تین تھے۔ شاید اس کا استدلال کچھ یوں کیا گیا ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کی شکلیں بندر اور خنزیر کی بنا دی تھیں۔ اور ان دونوں کا ذکر قرآن کریم میں یوں موجود ہے۔ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ۔
(ہم نے ان میں سے کچھ بندر اور کچھ خنزیر بنا دیئے۔) اب کوئی فقہی مکتب فکر ان دونوں میں سے کسی کی حلت کا قائل نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو خنزیر کی حرمت خود قرآن کریم میں بیان فرما دی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جن لوگوں کی شکلیں خنزیر کی سی بنا دی گئی تھیں۔ وہ تو تین دن کے بعد ختم ہو گئے۔ لیکن اب خنزیر کو اس لیے حرام کیا گیا ہے۔ کہ اس کی شکل اس جیسی ہے لہٰذا ہم (اہل تشیع) بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ کہ خرگوش کی حرمت بھی اسی خرگوش سے شکل ملنے کی بنا پر ہے۔ اگرچہ وہ مسخ شدہ خرگوش تین دن کے بعد باقی نہ رہا۔

ہم اس عجیب و غریب دلیل کے جواب میں عرض کریں گے۔ کہ خنزیر کی شکل میں کسی کا مسخ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہوا۔ جب ان لوگوں نے مختلف گناہ کیے۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ تو انہیں یہ سزا دی گئی۔ ملاحظہ ہو۔

تفسیر مجمع البیان

(وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ) اَیْ مَسَخَهُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ يَعْنِي بِالْقِرَدَةِ اَصْحَابَ السَّبْتِ وَبِالْخَنَازِيْرِ كُفَّارَ مَائِدَةِ عِيْسٰی۔

(تفسیر مجمع البیان جلد سوم ص ۲۱۶ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔ یعنی ان لوگوں کی شکلیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ مفسرین نے کہا ہے۔ کہ بندر کی شکل بننے والے وہ لوگ تھے جو ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے سے نہ باز آئے۔ اور سور بننے والے وہ کافر تھے۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اترنے والے مائدہ کی ناشکری کی۔

اہل تشیع کی اس تفسیر سے واضح ہوا۔ کہ خنزیر ان لوگوں کو بنایا گیا تھا۔ جو مائدہ کے منکر اور ناشکرے ہو گئے تھے۔ اور یہ معجزہ حضرت عیسیٰ کو عطا ہوا تھا۔ اس سے قبل کسی نبی کی امت کے کسی فرد کو بطور سزا سور کی شکل میں مسخ نہیں کیا گیا۔ لیکن خنزیر بہرحال پہلے موجود تھا۔ اور اس کی حرمت بھی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی اس کی حرمت خود اہل تشیع کو تسلیم ہے۔ حالانکہ ان دونوں پیغمبروں کے درمیان تقریباً ایک ہزار سال کا طویل عرصہ ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو

وسائل الشیعہ:

اِنَّ الْخِنْزِيْرَ كَانَ مُحَرَّمًا فِيْ شَرِيْعَةِ مُوْسٰی

وَمَا وَقَعَ الْمَسْخُ الَّذِي فِي الرِّوَايَةِ إِلَّا عَلَى عَهْدِ الْمَسِيحِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا مَرَّ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۶ص ۳۸۵)

ترجمہ:

بے شک خنزیر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی حرام تھا اور جو مسخ شدہ خنزیر ہے۔ وہ روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ السلام کے دور میں ہوا۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اسی طرح خرگوش کا مسئلہ بھی ہے۔ کہ جب مسخ شدہ خرگوش سے پہلے کا خرگوش بھی تھا۔ تو اس میں مسخ شدہ کی مثلیت کہاں مستحق تھی۔ لہٰذا یہ مثلیت کا بہانہ بھی بیکار ہے جب اہل تشیع کی حرمت کی تینوں (چاروں) علتیں عقل ونقل کے خلاف ثابت ہو گئیں۔ تو پھر انہیں بھی تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کہ خرگوش حرام نہیں۔ جس طرح اہل سنت اس کی حلت کے قائل ہیں۔ وہ بھی قائل ہو جائیں۔ اب آخر میں ہم اہل سنت کا نظریہ اسی خرگوش کے مسئلہ میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام دونوں اطراف کے دلائل کا تقابلی مطالعہ کر کے کسی نتیجہ پر بخوبی پہنچ سکیں۔

خرگوش کی حلّت پر اہل سنّت کے دلائل

خرگوش کی حلت پر اگرچہ ہم بہت سے دلائل عقلیہ بھی قائم کر سکتے اور رکھ سکتے ہیں۔ لیکن جب اس مسئلہ میں نصوص قطعیہ موجود ہوں۔ تو پھر عقلی دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حلت خرگوش پر کثیر احادیث موجود ہیں۔ لیکن ہم سرِدست ایک دو حوالہ جات ہی پیش کریں گے۔

البنایہ فی شرح الہدایہ:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَرْنَبٍ قَدْ شَوَاهَا فَوَضَعَهَا بَیْنَ یَدَیْہِ فَاَمْسَكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَاْكُلْ وَاَمَرَ الْقَوْمَ اَنْ یَاْكُلُوْا وَزَادَ فِی اللَّفْظِ "فَاِنِّی لَوِاشْتَهَیْتُهَا اَكَلْتُهَا...... عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ اَعْرَابِیًّا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ بِاَرْنَبٍ یُهْدِیْهَا اِلَیْہِ فَقَالَ مَا هٰذِہٖ؟ قَالَ هَدِیَّةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَا یَاْكُلُ مِنَ الْهَدِیَّةِ حَتّٰی یَاْمُرَ صَاحِبُهَا فَیَاْكُلَ مِنْهَا مِنْ اَجْلِ الشَّاةِ الَّتِیْ اُهْدِیَتْ اِلَیْہِ بِخَیْبَرَ فَقَالَ لَہٗ النَّبِیُّ كُلْ فَقَالَ اِنِّیْ صَائِمٌ قَالَ تَصُوْمُ مَاذَا؟ قَالَ ثَلَاثَةٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ فَاجْعَلْهَا الْبِیْضَ الْغُرَّ ثَلَاثَةَ عَشَرَ وَاَرْبَعَةَ عَشَرَ وَخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ فَاَوْمٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ بِیَدِہٖ اِلَی الْاَرْنَبِ لِیَاْخُذَ مِنْهَا فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ اَمَا اِنِّیْ رَاَیْتُهَا تَدْمِیْ یَعْنِیْ تَحِیْضُ فَقَالَ لِلْقَوْمِ كُلُوْا وَلَمْ یَاْكُلْ

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد ۳
صفحہ ۸۷ تا ۸۸)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک اعرابی ہاتھ میں بھنا ہوا خرگوش لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور وہ خرگوش اس نے آپ کے سامنے رکھ دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے اور اُسے نہ کھایا۔ اور موجود لوگوں سے فرمایا۔ تم کھاؤ۔ یہ بھی الفاظ زیادہ مذکور ہیں۔ اگر مجھے خواہش ہوتی تو میں بھی اسے کھالیتا

...... حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایک اعرابی خرگوش بطور ہدیہ لے کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔؟ کہنے لگا۔ ہدیہ ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ اس وقت نہیں کھاتے جب تک کہ اس کا دینے والا اس میں سے خود نہ کھالے۔ یہ آپ نے طریقہ اس لیے اپنا رکھا تھا۔ کہ ایک مرتبہ خیبر میں ایک بکری آپ کو ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی۔ (جس کے کھانے سے کئی صحابہ کرام شہید ہو گئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدیہ لانے والے کو فرمایا۔ تم کھاؤ۔ اس نے عرض کیا حضور! میں روزے سے ہوں۔ فرمایا۔ کیسے روزے؟ کہنے لگا کہ میں ہر مہینہ میں تین روزے رکھتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اُس سے ۱۳، ۱۴، ۱۵ مقرر کرو۔ راوی بیان کرتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اس سے کچھ لو۔ اعرابی نے کہا۔ کہ میں نے اسے دیکھا۔ کہ اسے حیض آتا ہے۔ اس پر آپ نے قوم سے فرمایا۔ تم کھالو۔ خود نہ کھایا۔

نوٹ:۔ مذکورہ روایات میں خرگوش کی اگرچہ حرمت بیان نہیں ہوئی۔

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے تناول نہ فرمانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ کو ناپسند تھا۔ اور یہی کراہت ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مذکورہ حدیث میں ہی اس کی وضاحت موجود ہے۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "واگر مجھے خواہش ہوتی تو میں کھا لیتا،، ان الفاظ میں آپ نے اسے کھانے کا اظہار فرما کر واضح کر دیا۔ کہ یہ کھانے کی چیز ہے۔ اگر کھانا چاہو تو کھا لیا کرو۔ دوسرا یہ بھی استدلال ہے۔ کہ آپ نے تو نہ کھایا لیکن آپ نے دوسروں کو اپنے سامنے کھاتا دیکھ کر منع بھی نہیں فرمایا۔ یہ بھی "سنت،، ہی کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا اگر حرام ہوتا تو آپ کھانے کا اظہار بھی نہ فرماتے۔ اور صحابہ کرام کو کھاتے دیکھ کر خاموش بھی نہ رہتے۔ مزید براں ایک اور روایت ہم ذکر کرتے ہیں۔ جس میں صراحتاً آپ کا تناول فرمانا موجود ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

البنایہ فی شرح الہدایہ

قَالَ لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ لِأَنَّ النَّبِيَّ أَكَلَ مِنْهُ حِيْنَ أُهْدِيَ إِلَيْهِ مَشْوِيًّا وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِالْأَكْلِ مِنْهُ۔

(البنایہ فی شرح
الہدایہ جلد ۹ صفحہ ۸
مطبوعہ دار الفکر)

ترجمہ:

خرگوش کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش تناول فرمایا۔ جب کسی نے بھنا ہوا بطور ہدیہ آپ کی

خدمت میں پیش کیا تھا۔ اور آپ نے اپنے صحابہ کو بھی اس میں سے کھانے کا ارشاد فرمایا۔

اس روایت میں دو ٹوک انداز میں مذکور ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا خرگوش خود بھی تناول فرمایا۔ اور حضرات صحابہ کرام کو بھی کھانے کا حکم دیا۔ گویا فعلی اور قولی سنت ہو گیا۔ اس واقعہ میں اعرابی نے وہ علت بھی پیش کی تھی۔ جسے شیعہ لوگ حرمت کی وجہ سے ہیں۔ (یعنی حیض آنا) اس کے باوجود آپ نے اُسے کھانے کی اجازت دے دی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ "حیض آنے"۔ کی علت اس میں حرمت ثابت نہیں کر سکتی۔ یہ اہل تشیع کی خود ساختہ علت ہے۔ جو عقل و نقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَار)

مآخذ و مراجع

کتب اہل تشیع

نام کتاب	مصنف	مقام طباعت	
الاستبصار	ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	تہران	جدید
اعیان الشیعہ	سید امین	بیروت	جدید
انوار نعمانیہ	نعمت اللہ جزائری	تہران	جدید
اصول کافی	محمد بن یعقوب کلینی رازی	تہران	جدید
تحفۃ العوام	سید منظور حسین	نولکشور	قدیم
تہذیب الاحکام	ابو جعفر طوسی شیخ الطائفہ	تہران	جدید
ترجمہ مقبول	مقبول احمد شیعہ	لاہور	قدیم
تنقیح المقال	شیخ عبداللہ مامقانی	تہران	جدید
توضیح المسائل	آیت اللہ خمینی		
تلخیص الشافی	ابو جعفر طوسی شیخ الطائفہ	قم	جدید
جواز متعہ	اثیر جاڑوی شیعی	دریا خان بھکر	انوار نجف
جامع الرواۃ	محمد بن اردبیلی	قم	جدید
جلاء العیون	ملا باقر مجلسی	تہران	جدید
حلیۃ المتقین			
الذریعہ	آغائے بزرگ طہرانی	بیروت	جدید

نام کتاب	مصنف	مقام طباعت	
ذخیرۃ المعاد	شیخ زین العابدین	لکھنو	قدیم
رجال کشی	محمد بن عمر کشی	تہران	جدید
فرق الشیعہ	ابو محمد بن موسیٰ نوبختی	نجف	جدید
فروع کافی	محمد بن یعقوب کلینی رازی	تہران	جدید
الفقہ علی المذاہب الخمسہ			
فتوحات شیعہ	مولوی محمد اسماعیل گوجروی		
فقہ الامام جعفر صادق		قم	جدید
الکنیٰ والالقاب	شیخ عباس قمی	تہران	جدید
لوامع التنزیل	سید علی حائری رضوی	لاہور	قدیم
من لایحضرہ الفقیہ	ابو جعفر محمد بن علی صدوق	تہران	جدید
منہج الصادقین	ملا فتح علی کاشانی	تہران	جدید
مجمع البیان	ابو علی فضل بن حسن طبرسی	تہران	جدید
مسالک الافہام		تہران	جدید
معالم الاصول		تہران	جدید
مجالس المومنین	نور اللہ شوستری	تبریز	جدید
نہج البلاغہ	سید ابو الحسن شریف محمد رضی	بیروت	جدید
وسائل الشیعہ		تہران	جدید